

زندگی آئینہ اور زندگی کا ترجمان

نقوش
لاہور

غزل نمبر

۴۲،۴۱

مئی، جون ۱۹۵۴ء

مرتبہ

محمد طفیل

قیمت فی پرچہ
۴/۸

سالانہ چندہ:-
۱۵ روپے

ادارۂ فروغِ اردو، لاہور

پس منظر زمانۂ تاباں

فہرست

ترتیب

(۱)

(۲)

(۳)

(۴)

(۵)

احسن، مرزا احسن علی
آسیشتہ، میر ببر علی
انجام، عمدۃ الملک امیر خاں
اسیر، مظفر علی
امید، قزلباش خاں
اشتیاق، ولی اللہ سرہندی
احسن، میرزا احسن
آلم، صاحب میر
امانی، میر امانی
امین، خواجہ امین الدین
افسوس، میر شیر علی
امانت لکھنوی
آزردہ، مفتی صدرالدین
اختر، نواب واجد علی شاہ
ارشد، میرزا عبدالغنی گورگانی
احسان، شاہجہانپوری
اسمٰعیل میرٹھی
اثر، امداد امام
بحر، شیخ امداد علی
بقا، شیخ بقاء اللہ
برق لکھنوی، مرزا محمد رضا
بیباک شاہجہانپوری
بسمل سوہانی
بہار، گلشن الدولہ
بیتاب عظیم آبادی
تجلی، میاں حاجی
تنہا، محمد عیسیٰ
تسلی، لالہ ٹیکا رام
تسکین، میر حسن
تشنہ، محمد علی
ثاقب لکھنوی، ذاکر حسین
ثاقب، نواب شہاب الدین احمد خاں
جوان، مرزا نعیم بیگ
جوشش، شیخ محمد روشن
حیران، میر حیدر علی
حزیں، میر محمد باقر
حیا، مرزا رحیم الدین
حسامی، حسام الدین حیدر
حسین، سید صادق علی
(اُن کا تخلص)

خاکسار، محمد یار
خلیق، میر مستحسن
دیوانہ، رائے سرب سنگھ
دلگیر، مار ہروی
رنگ، علی اوسط
رنگی، نواب محمد علی خاں
رخشاں، نواب ضیاء الدین احمد خاں
راسخ، مولوی عبدالرحمن
راقم، قمرالدین
رسا رامپوری (تلمیذ داغ)
زکی، نواب محمد زکریا خاں
سجاد، میر سجاد اکبرآبادی
سلیمان، نواب مرزا محمد سلیمان شکوہ
سحر بھوپالی
شوق قدوائی، احمد علی خاں
شاد غازی پوری، حکیم سید محمد
شرر، مولانا عبدالحلیم
شاد، مہاراج کشن پرشاد
شید، مسیح الملک حکیم اجمل خاں
شفق عماد پوری
صبا، لالہ کانجی مل
صفیر بلگرامی، سید فرزند احمد
صنعت مرادآبادی، شیخ کریم الدین
ضیا، میر ضیاء الدین
طاہر فرخ آبادی
عاجز، عارف الدین خاں
عشق عظیم آبادی
عارف، حکیم نواب جان خاں
عظیم، مرزا عظیم بیگ
فراق، ثناء اللہ
فقیر، میر شمس الدین
قدوی لاہوری
قدرت، شاہ قدرت اللہ
قلق، آفتاب الدولہ لکھنوی
قدر بلگرامی، سید غلام حسین
کمال، شاہ کمال الدین
گویا، نواب فقیر محمد خاں
گستاخ رامپوری، کرامت اللہ
محنت، مرزا حسین علی

مائل، مرزا محمد یار بیگ
مفتون، مرزا ابراہیم بیگ
منت، میر قمرالدین
محب، شیخ ولی اللہ
منتظر، میاں نورالاسلام
مروت، سفیر علی
مہر، حاتم علی
معروف، مرزا الٰہی بخش
منیر شکوہ آبادی
مضطر دہلوی، حکیم اسد علی خاں
محوی لکھنوی، مولوی محمد حسین
نثار، محمد امان
نیاز، شاہ نیاز بریلوی
نوا، ظہوراللہ خاں
ناظم، نواب یوسف علی خاں
نظر لکھنوی، نوبت رائے
ندرت میرٹھی، شعیب احمد
واقف، شاہ واقف
ولا، مظہر علی خاں
وحید، الہ آبادی
وفا رامپوری، حکیم عبدالہادی خاں
ہادی، میر محمد جواد
ہدایت، شیخ ہدایت اللہ
ہاشمی، میر ہاشم
ہجر شاہجہانپوری، نواب ناظم علی خاں
ہوش، نواب مرزا محمد تقی

(۶)

ہری چند اختر
شعری بھوپالی
اسد ملتانی
کشفی ملتانی
عشرت رحمانی
شوکت تھانوی
وحید قریشی
خلیل الرحمٰن اعظمی
شاد، نریش کمار
حزیں، شعیب احمد

نخشب جارچوی
کیف، حکیم ہاشم جان
حمید نسیم
تابش دہلوی
اختر ہوشیارپوری
اقبال صفی پوری
خاطر غزنوی
احمد فراز
فارغ بخاری
رضا ہمدانی
سلیم واحد سلیم
احمد ظفر

مہ لقا چندا بائی
آغا جعفری بدایونی
زہرہ نگاہ
نواب اختر محل اختر
نواب شاہجہاں بیگم شیریں
نواب بادشاہ محل عالم
نزاکت
قمرن جان مشتری لکھنوی
امراؤ جان زہرہ لکھنوی
زینت بیگم نزاکت
موتی جان موتی
بنگا جان شیریں
لطیف محمدی جان صاحبہ لکھنوی
شباب، حسین باندی بنارسی
دلبر، امراؤ جان
نور جہاں ناز
شہزادی جان شوخ

محمد طفیل پرنٹر پبلشر نے اشرف پریس لاہور سے چھپوا کر ادارۂ فروغِ اردو لاہور سے شائع کیا

طلوع

شعروں کے انتخاب کا معاملہ ہو یا غزلوں کے انتخاب کا معاملہ؛ اس کا معیار ہمیشہ ذاتی پسند رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی کسی کے انتخاب سے قطعی مطمئن نہیں ہو سکتا۔ شعری انتخابات کے سلسلے میں بعض نقادوں نے ہماری رہنمائی بھی کی اور بعضوں نے ہمیں گمراہ بھی کیا۔ یہ گمراہی اور یہ رہنمائی صرف ذاتی پسند کی بدولت ہوئی۔ جب مولانا نیاز فتحپوری مومن کو غالب سے بڑا شاعر مانتے ہیں۔ تو ہمیں ان کی نیت پر شک نہیں کرنا چاہیے۔ وہ بہ خلوص تمام ایسا ہی سمجھتے بھی ہوں گے۔ یہ ذکر تو الگ رہا کہ مومن غالب سے بڑا شاعر تھا یا غالب مومن سے، کلیم الدین احمد نے تو اس صنفِ سخن ہی کو نیم وحشی قرار دے دیا — ہم ایسے تمام جھگڑوں سے اپنا دامن بچانا چاہتے ہیں۔ ہمیں تو نقادوں سے صرف اتنی شکایت ہے کہ ان میں سے بیشتر لکیر کے فقیر بننے میں پوری سعادت مندی کا ثبوت دیتے رہے ہیں۔ یہی سبب ہوا کہ جو بعض اچھا کہنے والے مر گئے تو بس مر ہی گئے۔ حالانکہ ژرف نگاہ نقاد کے پاس مسیحائی کی پوری پوری صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ وہ اگر چاہے تو مرے ہوئے اچھے شاعروں کو زندہ کر سکتا ہے۔ ہم میں سے بعضوں کو اتنا بھی علم نہیں ہے کہ یہ غزل

؎ گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دل کو میرے قرار ہے
کروں غم ستم کا میں کیا بیاں میرا غم سے سینہ فگار ہے

ظفر کی نہیں ہے۔ بلکہ ایک اُمّی شاعر حسامی کی ہے۔ ہم میر و غالب کو جانتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ بعض شاعر ایسے بھی تھے۔ جنھوں نے ایسے ایسے شعر بھی کہے ہیں

؎ جس گھڑی تیرے آستاں سے گئے
ہم نے جانا کہ دو جہاں سے گئے
(آصف)

؎ میں نے آنکھوں سے لے لیا اُس کو
پھول جو دستِ باغباں سے گرا
(میر مستحسن خلیق)

؎ آیا جو میکشی کو چمن میں وہ بادہ نوش
ہر ایک گل کے ہاتھ میں اک جام دے گیا
(میر امانی اسد)

اس نمبر میں جتنے بڑے بڑے شعرا ہیں، ان کی غزلوں پر بیشک جھوم جھوم جائیے۔ لیکن ان شعرا کو ضرور پڑھئے جن کی ایک ایک یا دو دو غزلیں پیش کی جا رہی ہیں۔ افسوس کہ اتنے مختصر وقت میں ہمیں ایسے شعرا کا زیادہ کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔ ورنہ ہم اپنی تمام تر توجہ اس حصہ پر صرف کر دیتے۔ ضرورت ہے کہ کوئی ان زندہ رہنے والے گمنام شاعروں پر کام کرے۔ جب مجھ ایسا شعر دشمن بھی اس کام کی افادیت سے منکر نہیں ہو سکا۔ تو اردو شاعری پر کام کرنے والے کیوں خاموش ہیں۔

ہم نے اس نمبر کی ترتیب میں کن کن امور کا خیال رکھا۔ اور کیسے کیسے صبر آزما مراحل سے گذرے اور کون کون سے تذکروں سے استفادہ کیا۔ اس کی کہانی کافی لمبی ہے۔ ہم یہاں صرف ایک امر کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے زیادہ سے زیادہ موجودہ شعرا کی بھی فنی صلاحیتوں کو آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس دُھن میں اتنا آگے بڑھ گئے کہ منزل ہی پیچھے رہ گئی۔ بعض شاعروں کو ہم اس نمبر میں شامل بھی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وقت کی کوتاہی کے باعث ہماری دسترس ان کے کلام تک نہ ہو سکی۔ اس لئے بادلِ نخواستہ انھیں چھوڑنا پڑا۔ نہ جانے ہم اتنی احتیاطوں کے باوجود کہاں تک کامیاب ہوئے۔

اس نمبر میں بعض شعرا کی دس غزلیں بھی ہیں، چھ بھی، دو بھی اور ایک بھی — اس سے مقصود یہ نہیں ہے کہ ایک غزل والا شاعر ہر حال میں چھ غزلوں والے شعرا سے کمتر کہنے والا ہے۔ بلکہ بعض مجبوریاں ایسی تھیں جن کی بنا پر ایسا کرنا پڑا۔

ہمیں افسوس ہے کہ باوجود انتہائی کوشش کے تصویروں کے لئے آرٹ پیپر حاصل نہ کر سکے۔ مجبوراً معمولی کاغذ پر انھیں چھاپنا پڑا۔ کاغذ کی نایابی ہی کا یہ سبب ہے کہ ہم دو برس سے کوئی کتاب ہی نہ چھاپ سکے۔ اور ہماری برسوں کی محنت اکارت جا رہی ہے۔

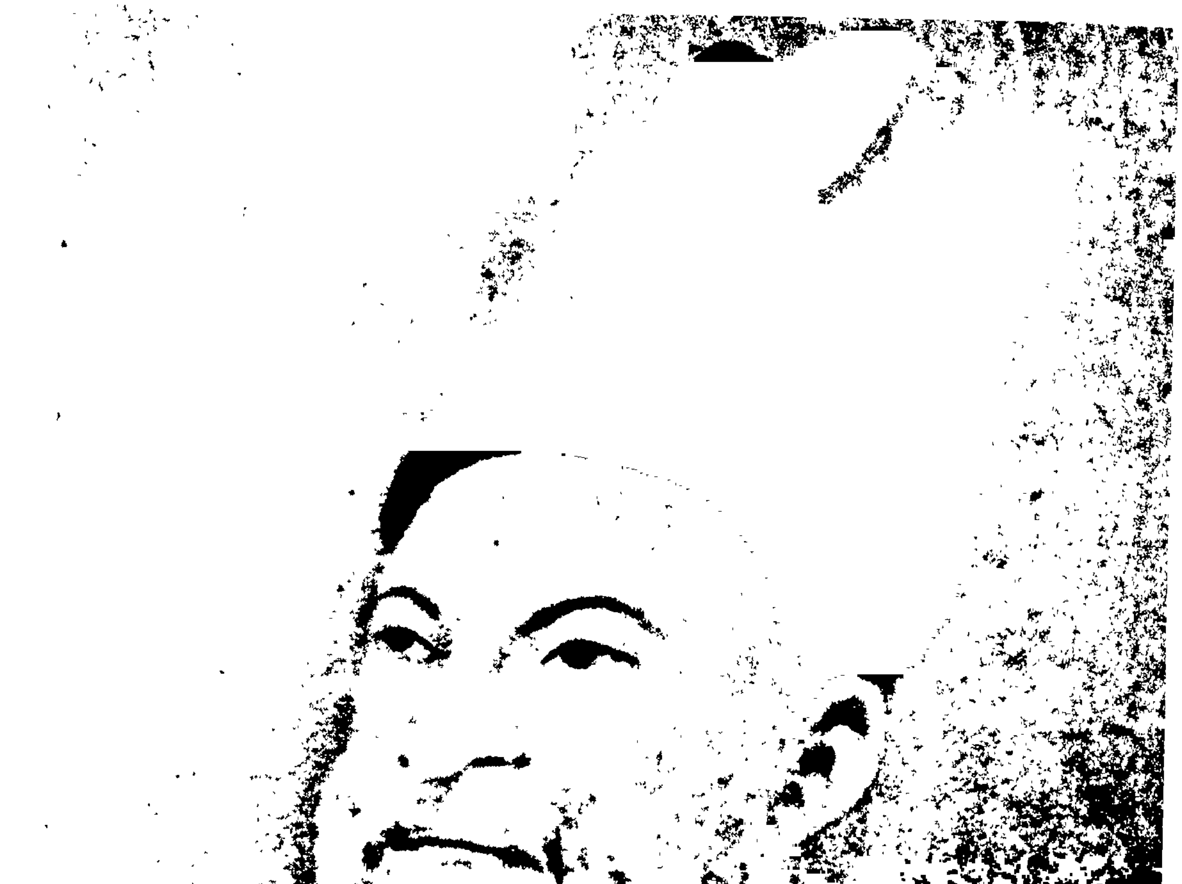
اس شمارہ کا سرورق عبدالرحمٰن چغتائی کی فنکارانہ صلاحیتوں کی ایک تابندہ مثال ہے۔ جس کے لئے ہم ان کے شکر گذار ہیں۔

اگر اس نمبر کے سلسلہ میں حبیب اشعر، ملک اسلم، یحییٰ احسن کلیم اور ڈاکٹر وحید قریشی نے میری بھرپور اعانت نہ کی ہوتی۔ تو یہ کام مجھ اکیلے کے بس کا نہ تھا۔

جمیل



پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی



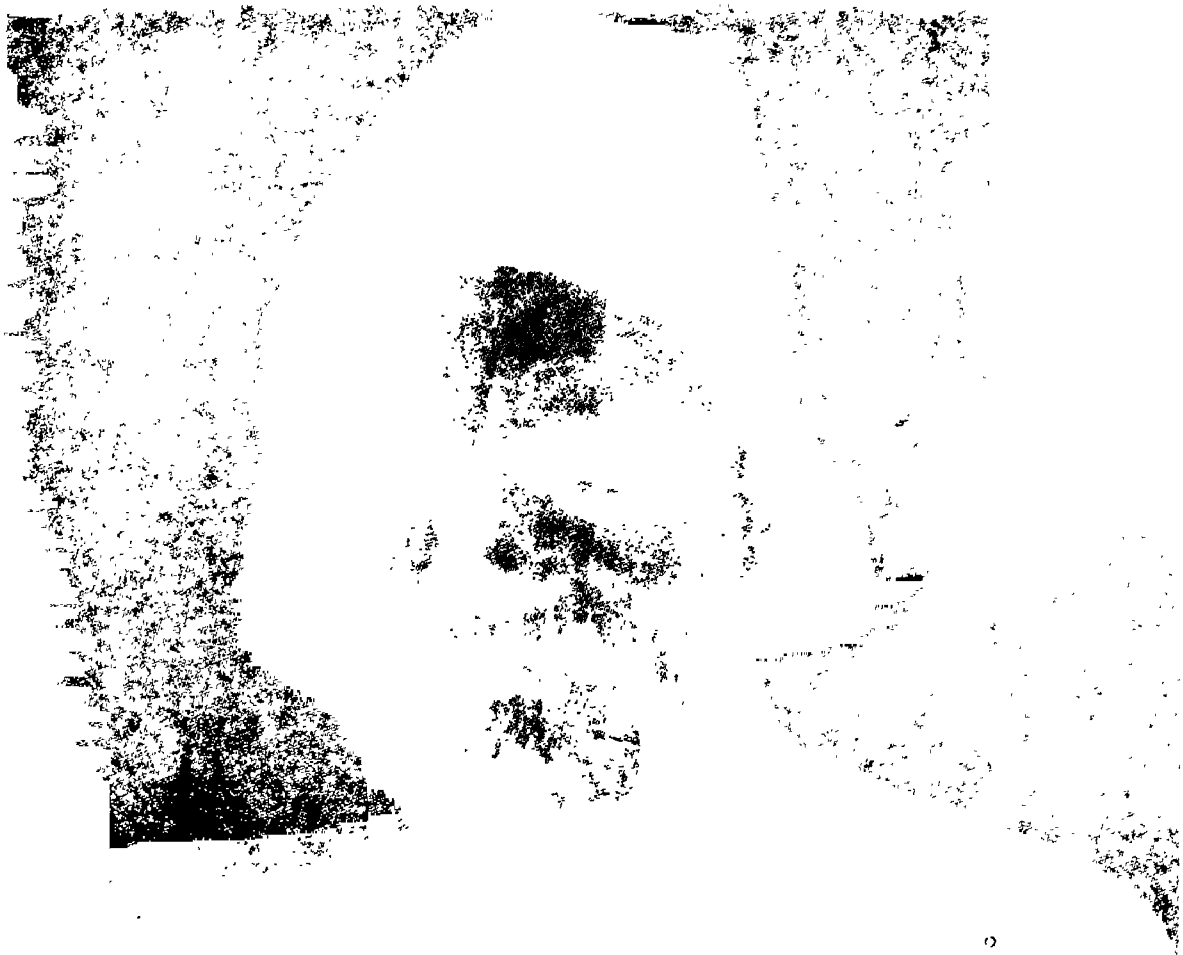
ہیں اور بھی دُنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور



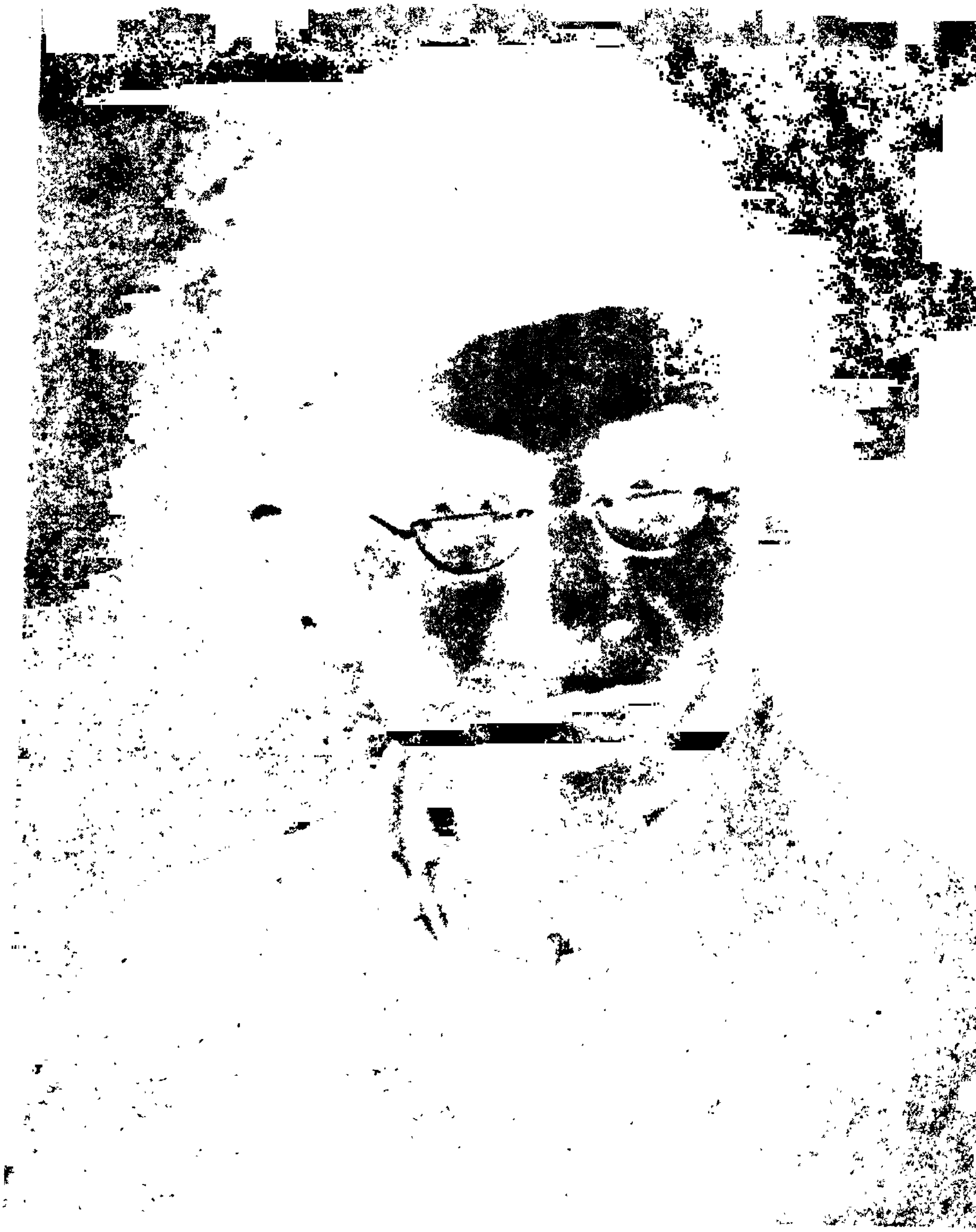
بہت جی خوش ہوا حالؔی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں



اقبال لکھنؤ سے نہ دلی سے ہے غرض
ہم تو اسیر ہیں خمِ زلفِ کمال کے



جگر! میں نے چھپایا لاکھ اپنا درد و غم لیکن
بیاں کر دی مری صورت نے سب کیفیت دل کی



تشکیل و تکمیلِ فن میں جو بھی حفیظؔ کا حصّہ ہے
نصف صدی کا قصّہ ہے، دو چار برس کی بات نہیں



جسے آپ گنتے تھے آشنا، جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومنِ مبتلا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو



اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دُھوم ہماری زباں کی ہے



ترے کلام کا جن کو مزا نہیں اے شاؔد
یقین مان کہ دل ہی نہیں گداز اُن کے



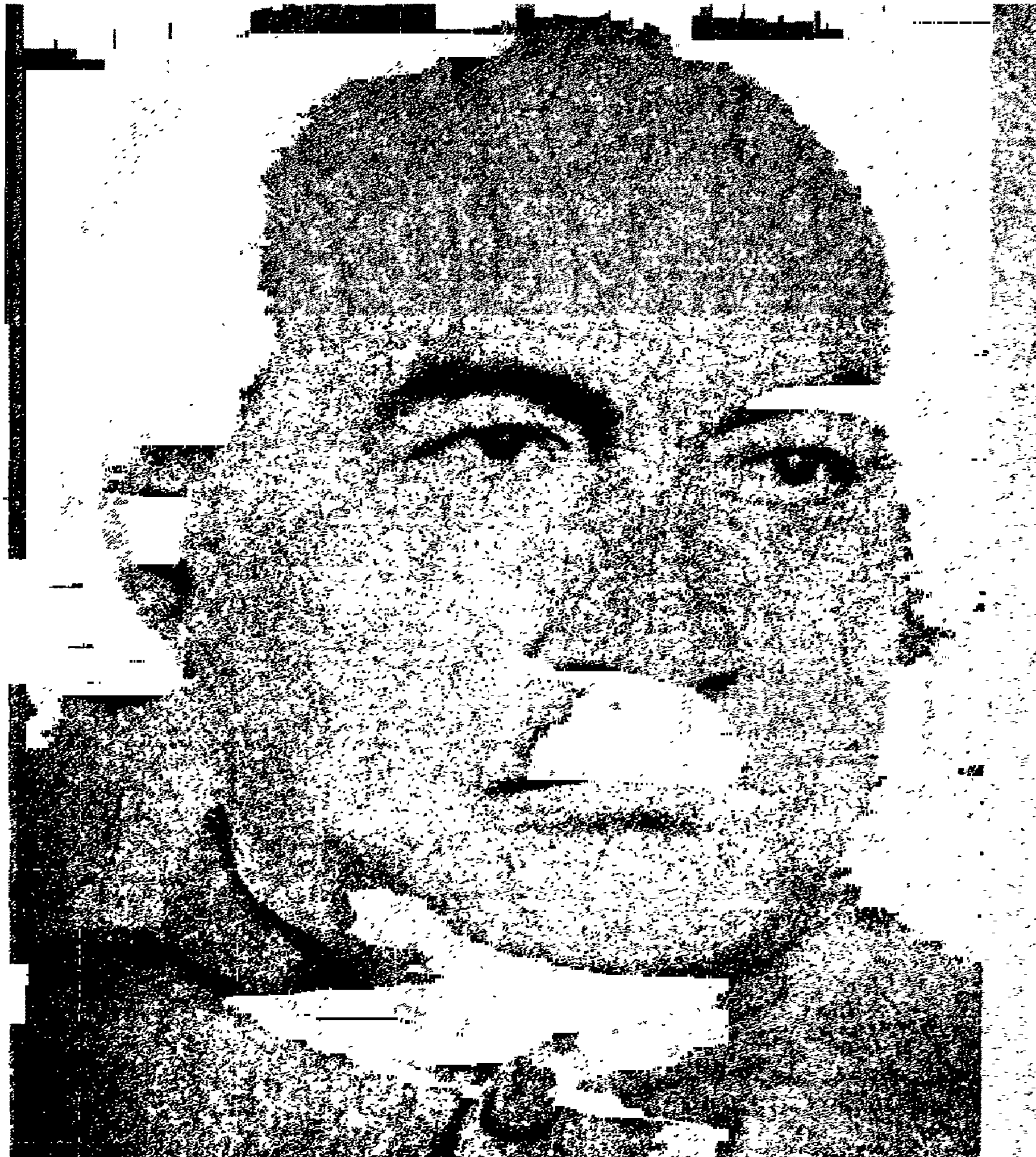
ہے زبانِ لکھنؤ میں رنگِ دہلی کی نمود
تجھ سے حسرتؔ نام روشن شاعری کا ہو گیا



اصغر سے ملے لیکن اصغر کو نہیں دیکھا
اشعار میں سنتے ہیں کچھ کچھ وہ نمایاں ہے



فانیؔ ہم تو جیتے جی وہ میت ہیں بے گور و کفن
غربت جس کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا



بہت جی خوش ہوا اے ہم نشیں کل جوش سے مل کر
ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں



خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رہا نہ گیا
خدا بنے تھے یگانہ مگر بنا نہ گیا



آپ بھولے تو نہ ہوں گے مجھ کو
آپ کا اختر شیرانی ہوں



ہم نے بھی آج فراؔق کو دیکھا
سوزِ مکمل، دردِ مجسم

ولی دکنی

یاد کرنا ہر گھڑی اس یار کا
ہے وظیفہ مجھ دلِ بیمار کا

آرزوئے چشمۂ کوثر نہیں
تشنہ لب ہوں شربتِ دیدار کا

عاقبت کیا ہووے گا معلوم نہیں
دل ہوا ہے مبتلا دلدار کا

کیا کہے تعریف دل ہے بے نظیر
حرف حرف اس مخزنِ اسرار کا

گر ہوا ہے طالبِ آزادگی
بند مت ہو سبحہ و زنار کا

مسندِ گل منزلِ شبنم ہوئی
دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا

اے ولی ہونا سری جن پر نثار
مدعا ہے چشمِ گوہر بار کا

میں تجھے آیا ہوں ایماں بوجھ کر
باعثِ جمعیتِ جاں بوجھ کر

بلبلِ شیراز کوں کرتا ہوں یاد
حسن کوں تیرے گلستاں بوجھ کر

دل چلا ہے عشق کا ہو جوہری
لب ترے لعلِ بدخشاں بوجھ کر

ہر نگہ کرتی ہے نظارے کی مشق
خط کو تیرے خطِ ریحاں بوجھ کر

لے سجن آیا ہوں ہو بے اختیار
تجھ کوں اپنا راحتِ جاں بوجھ کر

زلف تیری کیوں نہ کھاوے پیچ و تاب
حال مجھ دل کا پریشاں بوجھ کر

رحم کر اس پر کہ آیا ہے ولی
درد دل کا تجھ کوں درماں بوجھ کر

فدائے دلبرِ رنگیں ادا ہوں
شہیدِ شاہدِ گل گوں قبا ہوں

ہر اک مہ رو کے ملنے کا نہیں ذوق
سخن کے آشنا کا آشنا ہوں

کیا ہوں ترک نرگس کا تماشا
طلب گار نگاہِ باحیا ہوں

نہ کہہ شمشاد کی تعریف مجھ پاس
کہ میں اُس سرو قد کا مبتلا ہوں

کیا میں عرض اس خورشید رو سوں
تو شاہِ حسن میں تیرا گدا ہوں

سدا رکھتا ہوں شوق اس کے سخن کا
ہمیشہ تشنۂ آبِ بقا ہوں

قدم پر اس کے رکھتا ہوں سدا سر
ولی ہم مشربِ رنگِ حنا ہوں

میں عاشقی میں تب سوں افسانہ ہو رہا ہوں
تیری نگہ کا جب سوں دیوانہ ہو رہا ہوں

اے آشنا کرم سوں یک بار آ درس دے
تجھ باج سب جہاں سوں بیگانہ ہو رہا ہوں

باتاں لگن کی مت پوچھ اے شمع بزمِ خوبی
مدت سوں تجھ جھلک کا پروانہ ہو رہا ہوں

شاید وہ گنجِ خوبی آوے کسی طرف سوں
اس واسطے سراپا ویرانہ ہو رہا ہوں

سودائے زلفِ خوباں رکھتا ہوں دل میں دائم
زنجیرِ عاشقی کا دیوانہ ہو رہا ہوں

برجا ہے گر سنوں نہیں ناصح تری نصیحت
میں جامِ عشق پی کر مستانہ ہو رہا ہوں

کس سوں (ولی) اُپس کا احوال جا کہوں میں
سر تا قدم میں غم سوں غم خانہ ہو رہا ہوں

○

خوب رو خوب کام کرتے ہیں
یک نگہ میں غلام کرتے ہیں

دیکھ خوباں کو وقت ملنے کے
کس ادا سوں سلام کرتے ہیں

کیا وفادار ہیں کہ ملنے میں
دل سوں سب رام رام کرتے ہیں

کم نگاہی سوں دیکھتے ہیں ولے
کام اپنا تمام کرتے ہیں

کھولتے ہیں جب اپنی زلفاں کو
صبح عاشق کوں شام کرتے ہیں

صاحبِ لفظ اس کو کہہ سکیے
جس سوں خوباں کلام کرتے ہیں

دل رُبھاتے ہیں اے ولی میرا
سرو قد جب خرام کرتے ہیں

○

کیا مجھ عشق کوں ظالم نے آب آہستہ آہستہ
کہ آتش گل کوں کرتی ہے گلاب آہستہ آہستہ

وفاداری نے دلبر کی بجھایا آتشِ غم کوں
کہ گرمی دفع کرتا ہے گلاب آہستہ آہستہ

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شبِ خلوت میں گل رو سوں
خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

مرے دل کوں کیا بے خود تری انکھیاں نے آخر کوں
کہ جیوں بے ہوش کرتی ہے شراب آہستہ آہستہ

ہوا تجھ عشق سوں اے آتشیں رو دل مرا پانی
کہ جیوں گلتا ہے آتش سوں گلاب آہستہ آہستہ

ادا و ناز سوں آتا ہے وہ روشن جبیں گھر سوں
کہ جیوں مشرق سوں نکلے آفتاب آہستہ آہستہ

ولی مجھ دل میں آتا ہے خیالِ یار بے پروا
کہ جیوں انکھیوں میں آتا ہے خواب آہستہ آہستہ

جسے عشق کا تیر کاری لگے
اُسے زندگی کیوں نہ بھاری لگے

نہ چھوڑے محبت دمِ مرگ تک
جسے یار جانی سوں یاری لگے

نہ ہوئے اُسے جگ میں ہرگز قرار
جسے عشق کی بے قراری لگے

ہر اک وقت مجھ عاشقِ پاک کوں
پیارے تری بات پیاری لگے

ولی کوں کہے تو اگر یک بچن
رقیباں کے دل میں کٹاری لگے

ترا لب دیکھ حیواں یاد آوے
ترا مکھ دیکھ کنعاں یاد آوے

ترے دو نین جب دیکھوں نظر بھر
مجھے تب نرگستاں یاد آوے

تری زلفاں کی طولانی کوں دیکھے
مجھے لیل زمستاں یاد آوے

ترے خط کا زمرد رنگ دیکھے
بہارِ سنبلستاں یاد آوے

ترے مکھ کے چمن کے دیکھنے کوں
مجھے فردوسِ رضواں یاد آوے

تری زلفاں میں یو مکھ جو کہ دیکھے
اُسے شمعِ شبستاں یاد آوے

جو کوئی دیکھے میری انکھیاں کو روتے
اُسے ابرِ بہاراں یاد آوے

جو میرے حال کی گردش کوں دیکھے
اُسے گردابِ گرداں یاد آوے

ولی میرا جنوں جو کوئی کہ دیکھے
اُسے کوہ و بیاباں یاد آوے

سرودِ عیش گاویں ہم، اگر وہ عشوہ ساز آوے
بجاویں طبل شادی کے، اگر وہ دل نواز آوے

غبارِ ہجر نے جس کے دیا ہے دردِ سر مجکوں
رکھوں نشہ نمن انکھیاں میں گر وہ مست ناز آوے

جنونِ عشق میں مجکوں نہیں زنجیر کی حاجت
اگر میری خبر لینے کوں وہ زلفِ دراز آوے

ادب کے اہتمام آگے نہ پاوے بار واں ہرگز
ترے سایے کی پابوسی کوں گر رنگِ ایاز آوے

عجب نئیں گر گلاں دوڑیں پکڑ کر صورتِ قمری
اداسوں جب چمن بھیتر وہ سروِ سرفراز آوے

پرستش اس کی میرے سر پہ ہوئے سرستی لازم
صنم میرا رقیباں کے اگر ملنے سوں باز آوے

ولی اس گوہرِ کانِ حیا کی کیا کہوں خوبی
میرے گھر اس طرح آتا ہے جوں سینے میں راز آوے

صنم میرا سخن سوں آشنا ہے
مجھے فکرِ سخن کرنا بجا ہے

چمن میں وصل کے ہر جلوۂ یار
گلِ رنگیں بہارِ مدعا ہے

نہ بخشے کیوں ترا خط زندگانی
کہ موجِ چشمۂ آبِ بقا ہے

تغافل نے ترے زخمی کیا مجھ کو
تری یہ کم نگاہی نیمچا ہے

نہیں واں آب از غیرِ آبِ خنجر
شہادت گاہِ عاشق کربلا ہے

غنیمت بوجھ ملنے کوں ولی کے
نگاہِ پاک بازاں کیمیا ہے

میر تقی میر

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا
کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی
اب سنگ مداوا ہے اس آشفتہ سری کا

ہر زخمِ جگر داورِ محشر سے ہمارا
انصاف طلب ہے تری بیدادگری کا

اپنی تو جہاں آنکھ لڑی پھر وہیں دیکھو
آئینے کو لپکا ہے پریشاں نظری کا

صد موسمِ گل ہم کو تہِ بال ہی گزرے
مقدور نہ دیکھا کبھی بے بال و پری کا

اس رنگ سے جھمکے ہے پلک پر کہ کہے تو
ٹکڑا ہے ترا اشک عقیقِ جگری کا

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہِ شیشہ گری کا

ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسہ ہے چراغِ سحری کا

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے منہ کو دھوتا رہے گا

مرے دل نے وہ نالہ پیدا کیا ہے
جرس کے بھی جو ہوش کھوتا رہے گا

میں وہ رونے والا چلا ہوں جہاں سے
جسے ابر ہر سال روتا رہے گا

بس اے میر مژگاں سے پونچھ آنسوؤں کو
تو کب تک یہ موتی پروتا رہے گا

○

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
دم کے جانے کا نہایت غم رہا

حسن تھا تیرا بہت عالم فریب
خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا

دل نہ پہنچا گوشۂ داماں تلک
قطرۂ خوں تھا مژہ پر جم رہا

سنتے ہیں لیلیٰ کے خیمہ کو سیاہ
اس میں مجنوں کا ولے ماتم رہا

جامۂ احرام زاہد پر نہ جا
تھا حرم میں لیک نامحرم رہا

زلفیں کھولے تو تو ٹک آیا نظر
عمر بھر یاں کام دل برہم رہا

اس کے لب سے تلخ ہم سنتے رہے
اپنے حق میں آب حیواں سم رہا

میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی
ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا

صبح پیری شام ہونے آئی میر
تو نہ چیتا یاں بہت دن کم رہا

○

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی
کوسوں اس کی اور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا

کس کا کعبہ کیسا قبلہ کون حرم ہے کیا احرام
کوچے کے اس کے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

یاں کے سپید و سیاہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا

صبح چمن میں اس کو کہیں تکلیف ہوا لے آئی تھی
رخ سے گل کو مول لیا قامت سے سرو غلام کیا

ساعد سیمیں دونوں اس کے ہاتھ میں لا کر چھوڑ دیئے
بھولے اس کے قول و قسم پر ہائے خیال خام کیا

ایسے آہوئے رم خوردہ کی وحشت کھونی مشکل تھی
سحر کیا اعجاز کیا جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا

میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

○

نہ گیا خیالِ زلفِ سیہ جفا شعاراں
نہ ہوا کہ صبح ہووے شبِ تیرہ روزگاراں

ہوئی عید سب نے پہنے طرب و خوشی کے جامے
نہ ہوا کہ ہم بھی بدلیں یہ لباسِ سوگواراں

کہیں خاکِ کو کو اس کی تو صبا نہ دیجو جنبش
کہ بھرے ہیں اس زمیں میں جگر جگر فگاراں

رکھے تاجِ زر کو سر پہ چمنِ زمانہ میں گل
نہ شگفتہ ہو تو اتنا کہ خزاں ہے یہ بہاراں

نہیں تجھ کو چشمِ عبرت یہ نمود میں ہے ورنہ
کہ گئے ہیں خاک میں مل کئی تجھ سے تاجداراں

تو جہاں سے دل اٹھا، یاں نہیں رسمِ دردمندی
کسی نے بھی یوں نہ پوچھا ہوئے خاک یاں ہزاراں

یہ سنا تھا میرؔ ہم نے کہ فسانہ خواب لائے
تری سرگذشت سن کر گئے اور خواب یاراں

○

یارو! مجھے معاف رکھو، میں نشے میں ہوں
اب دو تو جام خالی ہی دو، میں نشے میں ہوں

ایک ایک قُرطِ دور میں یوں ہی مجھے بھی دو
جامِ شراب پُر نہ کرو، میں نشے میں ہوں

مستی سے درہمی ہے مری گفتگو کے بیچ
جو چاہو تم بھی مجھ کو کہو، میں نشے میں ہوں

یا ہاتھوں ہاتھ لو مجھے مانندِ جامِ مے
یا تھوڑی دور ساتھ چلو، میں نشے میں ہوں

معذور ہوں جو پاؤں مرا بے طرح پڑے
تم سرگراں تو مجھ سے نہ ہو، میں نشے میں ہوں

نازک مزاج آپ قیامت ہیں میرؔ جی
جوں شیشہ میرے منہ نہ لگو، میں نشے میں ہوں

○

عمر بھر ہم رہے شرابی سے
دلِ پُرخوں کی اک گلابی سے

جی ڈھہا جائے ہے سحر سے آہ
رات گزرے گی کس خرابی سے

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

برقع اٹھتے ہی چاند سا نکلا
داغ ہوں اس کی بے حجابی سے

کام تھے عشق میں بہت پر میرؔ
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

○

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے

شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی
کہ مقدور تک تو دوا کر چلے

وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لیے
ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے

کوئی ناامیدانہ کرتے نگاہ
سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے

بہت آرزو تھی گلی کی تری
سو یاں سے لہو میں نہا کر چلے

دکھائی دیے یوں کہ بے خود کیا
ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے

ق

جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
حقِ بندگی ہم ادا کر چلے

پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے
نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

○

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز
اسی خانہ خراب کی سی ہے

میر ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

○

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

لگنے نہ دے بس ہو تو اس کے گوہر گوش کو بالے تک
اس کو فلک چشم مہ و خور کی پتلی کا تارا جانے ہے

آگے اس متکبر کے ہم خدا خدا کیا کرتے ہیں
کب موجود خدا کو وہ مغرور خود آرا جانے ہے

عاشق سا تو سادہ کوئی اور نہ ہوگا دنیا میں
جی کے زیاں کو عشق میں اس کے اپنا وارا جانے ہے

چارہ گری بیماری دل کی رسم شہر حسن نہیں
ورنہ دلبر ناداں بھی اس درد کا چارا جانے ہے

کیا ہی شکار فریبی پر مغرور ہے وہ صیاد بچہ
طائر اڑتے ہوا میں سارے اپنا اتارا جانے ہے

مہر و وفا و لطف و عنایت اک سے نہ واقف ان میں سے
اور تو سب کچھ طنز و کنایہ رمز و اشارا جانے ہے

عاشق تو مردہ ہے ہمیشہ اٹھتا ہے دیکھے سے اس کے
یار کے آ جانے کو یکایک عمر دوبارا جانے ہے

کیا کیا فتنے سر پر اس کے لاتا ہے معشوق اپنا
جس بے دل بے تاب و تواں کو عشق کا مارا جانے ہے

رخنوں سے دیوار چمن کے منہ کو لے ہے چھپا یعنی
ان سوراخوں کے ٹک رہنے کو سو کا نظارا جانے ہے

تشنہ خوں ہے اپنا کتنا میر بھی ناداں تلخی کش
دم دار آب تیغ کو اس کے آب گوارا جانے ہے

سودا

مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیاں کا
جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا

پردے کو تعین کے درِ دل سے اٹھا دے
کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

ٹک دیکھ صنم خانۂ عشق آن کے اے شیخ!
جوں شمعِ حرم رنگ جھمکتا ہے بتاں کا

اس گلشنِ ہستی میں عجب دید ہے لیکن
جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

دکھلائیے لے جا کے تجھے مصر کا بازار
لیکن نہیں خواہاں کوئی واں جنسِ گراں کا

ق

سودا جو کبھو گوش سے ہمت کے سنے تو
مضموں یہی ہے جرسِ دل کی فغاں کا

ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ
دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

دل! مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائے گا
جوں اشک پھر زمیں سے اٹھایا نہ جائے گا

رخصت ہے باغباں کہ ٹک اک دیکھ لیں چمن
جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا

تیغِ جفائے یار سے دل! سر نہ پھیر لو
پھر منہ وفا کو ہم سے دکھایا نہ جائے گا

آوے گا وہ چمن میں نہ اے ابر جب تلک
پانی گلوں کے منہ سے چوایا نہ جائے گا

ق

ظالم! میں کہہ رہا کہ تو اس خو سے درگزر
سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائے گا

دامانِ داغِ تیغ جو دھویا، تو کیا ہوا
عالم کے دل سے داغ ہٹایا نہ جائے گا

نہ غنچے گل کے کھلتے ہیں نہ نرگس کی کھلیں کلیاں
چمن میں لے کے خمیازہ کسی نے انکھڑیاں ملیاں

کسی مہتاب نے دیکھا ہے تجھ خورشید تاباں کو
پھرے ہے ڈھونڈتا ہر شب جہان آباد کی گلیاں

تبسم یوں نمایاں ہے مسی آلودہ دنداں سے
نہ ہو ابر سیہ میں اس طرح بجلی کی چپلیاں

لب و لہجہ ترا سا ہے کہیں خوبان عالم میں
غلط ہے یہ زبانوں پہ کہ سب مصری کی ہیں ڈلیاں

دوانہ ہو گیا سودا تو آخر ریختہ پڑھ پڑھ
نہ میں کہتا تھا اے ظالم کہ یہ باتیں نہیں بھلیاں

گدا دست اہل کرم دیکھتے ہیں
ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں

نہ دیکھا جو کچھ جام میں جم نے اپنے
سو یک قطرۂ مے میں ہم دیکھتے ہیں

یہ رنجش میں ہم کو ہے بے اختیاری
تجھے تیری کھا کر قسم دیکھتے ہیں

غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں

حباب لب جو ہیں اے باغباں ہم
چمن کو ترے کوئی دم دیکھتے ہیں

مٹا جائے ہے حرف حرف آنسوؤں سے
جو نامہ اسے کر رقم دیکھتے ہیں

اگرچہ نہیں کام سنبل کے ہم کو
کسی زلف کا پیچ و خم دیکھتے ہیں

مگر تجھ سے رنجیدہ خاطر ہے سودا
اسے تیرے کوچے میں کم دیکھتے ہیں

باتیں کدھر گئیں وہ تری بھولی بھالیاں
دل لے کے بولتا ہے جواب تو یہ بولیاں

ہر بات ہے لطیفہ و ہر اک سخن ہے رمز
ہر آن ہے کنایہ و ہر دم ٹھٹھولیاں

حیرت نے اس کو بند نہ کرنے دیں پھر کبھو
آنکھیں جب آرسی نے ترے مکھ پہ کھولیاں

اندام گل پہ ہو نہ قبا اس مزے سے چاک
جوں خوش چھبوں کے تن پہ مسکتی ہیں چولیاں

کس طرح ہووے آنکھوں کی کاوش سے دل کو چین
مژگاں نہ گڑ سکیں تو نگاہیں چبھولیاں

کیا چاہیئے تجھے، یہ سر انگشت پر حنا
جس بے گنہ کے خون میں چاہیں ڈبولیاں

سودا کے دل سے صاف نہ رہتی تھی زلف یار
شانے نے بیچ پڑ کے گرہ اس کی کھولیاں

○

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہے کہ نہیں
جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں

مہر ہر ذرہ میں مجھ کو ہی نظر آتا ہے
تم بھی ٹک دیکھو تو صاحب نظراں! ہے کہ نہیں

پاس ناموس مجھے عشق کا ہے اے بلبل!
ورنہ یاں کون سا انداز فغاں ہے کہ نہیں

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھ علاج ان کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

جرم ہے اس کی جفا کا کہ وفا کی تقصیر
کوئی تو بولو میاں منہ میں زباں ہے کہ نہیں

ق

پوچھا اک روز میں سودا سے کہ اے آوارہ
تیرے رہنے کا معین بھی مکاں ہے کہ نہیں

یک بیک ہو کے بر آشفتہ لگا یوں کہنے
کچھ تجھے عقل سے بہرہ بھی یہاں ہے کہ نہیں

دیکھا میں قصر فریدوں کے در اوپر اک شخص
حلقہ زن ہو کے پکارا کوئی یاں ہے کہ نہیں

○

گل پھینکے ہے اوروں کی طرف، بلکہ ثمر بھی
اے خانہ برانداز چمن! کچھ تو ادھر بھی

کیا ضد ہے مرے ساتھ، خدا جانیے! ورنہ
کافی ہے تسلّی کو مرے ایک نظر بھی

اے ابر! قسم ہے تجھے رونے کی ہمارے
تجھ چشم سے ٹپکا ہے کبھو لختِ جگر بھی

کس ہستیٔ موہوم پہ نازاں ہے تو اے یار!
کچھ اپنے شب و روز کی ہے تجھ کو خبر بھی

تنہا ترے ماتم میں نہیں شام سیہ پوش
رہتا ہے سدا چاک، گریبانِ سحر بھی

سوداؔ تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو ٹک تو کہیں مر بھی

○

جوں غنچہ تو چمن میں بندِ قبا کو کھولے
پھر گل سے اے پیارے! بلبل کبھو نہ بولے

آوے گا وہ چمن میں تڑکے ہی مے کشی کو
شبنم سے نہارے بلبل! پیالے گلوں کے دھولے

باغِ جہاں میں آکر کچھ ہم نے پھل نہ پایا
اک دل ملا کہ جس میں ہیں سینکڑوں پھپھولے

ایسا ہی جاؤں جاؤں کرتے ہو تو سدھارو
اس دل پہ کل جو ہونی سو آج ہی وہ ہولے

کم بولنا ادا ہے ہر چند، پر نہ اتنا
مُند جائے چشمِ عاشق تو بھی وہ لب نہ کھولے

چشم پُرآب ہوں میں جوں آئینہ حبابی
رُک رُک کے پڑ گئے ہیں چھاتی میں سب پھپھولے

کون ایسا اب کہے ہے سوداؔ گلی میں اس کی
آ تجھ کو لے چلیں ہم دل کھول کر تو رولے

○

ساون کے بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے
یہ وہ ہیں نین جن سے کہ جنگل ہرے ہوئے

اے دل! یہ کس سے بگڑی کہ آتی ہے فوجِ اشک
لختِ جگر کی نعش کو آگے دھرے ہوئے

انصاف اپنا سونپیے کس کو بجز خدا
منصف جو بولتے ہیں تو تجھ سے ڈرے ہوئے

نزدیک اپنے ہنسنے سے مت کر رہیں تو منع
ہیں لاکھ کوس جیب ترے دل سے پرے ہوئے

سودا نکل نہ گھر سے کہ اب تجھ کو ڈھونڈتے
لڑکے پھرے ہیں پتھروں سے دامن بھرے ہوئے

○

نسیم ہے ترے کوچے میں اور صبا بھی ہے
ہماری خاک سے دیکھو تو! کچھ رہا بھی ہے

ترا غرور، مرا عجز، تا کجا ظالم!
ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

جلے ہے شمع سے پروانہ اور میں تجھ سے
کہیں ہے مہر بھی جگ میں، کہیں وفا بھی ہے؟

ستم روا ہے اسیروں پہ اس قدر صیاد!
چمن کہن کہیں بلبل کی اب نوا بھی ہے

سمجھ کے رکھیو قدم دشتِ خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

خواجہ میر درد

قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا

رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا

ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً، لیکن
میں جو پہنچا تو کہا: خیر! یہ مذکور نہ تھا

باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
وہاں پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

پرورش غم کی ترے یاں تئیں تو کی دیکھا
کوئی بھی داغ تھا سینے میں کہ ناسور نہ تھا

محتسب! آج تو میخانے میں تیرے ہاتھوں
دل نہ تھا کوئی جو شیشے کی طرح چور نہ تھا

درد کے ملنے سے اے یار! برا کیوں مانا
اس کو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس! جی گھبرا گیا

تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے، جز جفا
پر وہ کیا کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری
جی میں یہ کس کا تصور آ گیا

میں نے تو ظاہر نہ کی تھی دل کی بات
پر مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا

پی گئی کتنوں کا لوہو تیری یاد
غم ترا کتنے کلیجے کھا گیا

مٹ گئی تھی اس کے جی سے تو جھجک
درد کچھ بک بک کے تو چونکا گیا

○

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

مرا غنچۂ دل ہے وہ دل گرفتہ
کہ جس کو کسو نے کبھو وا نہ دیکھا

یگانہ ہے تو آہ! بیگانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

کیا مجھ کو داغوں نے سروِ چراغاں
کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا

تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے
ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا

حجابِ رخِ یار تھے آپ ہی ہم
کھلی آنکھ جب، کوئی پردا نہ دیکھا

شب و روز اے دردؔ درپے ہوں اس کے
کسو نے جسے یاں نہ سمجھا، نہ دیکھا

○

مژگانِ تر ہوں، یا رگِ تاکِ بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں، غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قدِ کشیدہ ہوں

ہر شام مثلِ شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثلِ صبح گریباں دریدہ ہوں

کرتی ہے بوئے گل تو مرے ساتھ اختلاط
پر آہ! میں تو موجِ نسیمِ وزیدہ ہوں

چاہے سنے نہ مری تپشِ دل کہ بعدِ مرگ
کنجِ مزار میں بھی نہیں آرمیدہ ہوں

اے دردؔ جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غم زدہ تو قطرۂ اشکِ چکیدہ ہوں

○

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک آن میں کثرت نمائیاں
ہم آئینہ کے سامنے جب آ کے ہُو کریں

تر دامنی پہ شیخ، ہماری نہ جائیو!
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

سر تا قدم زبان ہیں جوں شمع گو کہ ہم
پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

ہر چند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں نا قبول
منہ پھیر لے وہ جس کے مجھے روبرو کریں

نے گل کو ہے ثبات نہ ہم کو ہے اعتبار
کس بات پر چمن ہوسِ رنگ و بو کریں

ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدانِ شہر
اے دردؔ آ کے بیعتِ دستِ سبو کریں

○

سمجھنا فہم گر کچھ ہے طبیبی سے الٰہی کو
شہادت غیب کی خاطر تو حاضر ہے گواہی کو

نہیں ممکن کہ ہم سے ظلمتِ امکان زائل ہو
چھڑا دے آہ کوئی کیونکہ زنگی سے سیاہی کو

عجب عالم ہے ایدھر سے ہمیں ہستی ستاتی ہے
ادھر سے نیستی آتی ہے دوڑی عذرخواہی کو

نہ رہ جائے کہیں تو زاہدا محروم رحمت سے
گنہگاروں میں سمجھا کر یہ اپنی بے گناہی کو

نہ لازم نیستی اس کو نہ ہستی ہی ضروری ہے
بیاں کیا کیجیے اے دردؔ ممکن کی تباہی کو

○

ہر طرح زمانے کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ، خاطر ہوں تو رنجیدہ

ہم گلشنِ دوراں میں اے خستگیِ طالع!
سرسبز تو ہیں، لیکن جوں سبزۂ خوابیدہ

اے شورِ قیامت! رہ اودھر ہی میں کہتا ہوں
چونکے نہ اٹھے یاں سے کوئی دلِ شوریدہ

اوروں سے تو ہنستے ہو نظروں سے ملا نظریں
ایدھر کو نظر کرتی پھینکی بھی تو دزدیدہ

مجھ پر بھی تو یہ عقدہ تو کھول صبا! بارے
زلفوں نے کسے بھیجا یہ نامۂ پیچیدہ

بدخواہ سبھی عالم گو ہووے تو ہو، لیکن
یارب! نہ کسی کے ہوں دشمن بہ دل و دیدہ

کرتا ہے جگہ دل میں جوں ابروئے پیوستہ
اے درد یہ تیرا تو ہر مصرعِ چسپیدہ

○

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آ سکے
آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے

میں وہ فتادہ ہوں کہ بغیر از فنا مجھے
نقشِ قدم کی طرح نہ کوئی اٹھا سکے

قاصد! نہیں یہ کام ترا، اپنی راہ لے
اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

غافل! خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے

یارب! یہ کیا طلسم ہے ادراک و فہم یاں
دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے

گو بحث کرکے بات بٹھائی پہ کیا حصول
دل سے اٹھا غلاف اگر تو اٹھا سکے

اخفائے رازِ عشق نہ ہو آبِ اشک سے
یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے

مستِ شرابِ عشق وہ بے خود ہے جس کو حشر
اے درد! چاہے لائے بخود پھر نہ لا سکے

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے　　جس لئے آئے تھے ہم سو کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے　　ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

کیا ہمیں کام ان گلوں سے اے صبا!　　ایک دم آئے اِدھر، اُودھر چلے

دوستو! دیکھا تماشا یاں کا بس!　　تم رہو اب، ہم تو اپنے گھر چلے

آہ! بس جی مت جلا تب جانئے　　جب کوئی افسوں ترا اس پر چلے

ایک میں دل ریش ہوں ویسا ہی دوست!　　زخم کتنوں کے سنا ہے، بھر چلے

شمع کے مانند ہم اس بزم میں　　چشمِ نم آئے تھے، دامن تر چلے

ڈھونڈتے ہیں آپ سے اس کو پرے　　شیخ صاحب چھوڑ گھر، باہر چلے

ہم نہ جانے پائے باہر آپ سے　　وہ ہی آڑے آ گیا، جیدھر چلے

ہم جہاں میں آئے تھے تنہا، ولے　　ساتھ اپنے اب اُسے لے کر چلے

جوں شرر اے ہستیٔ بے بود یاں　　بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے

ساقیا! یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ　　جب تلک بس چل سکے، ساغر چلے

دردؔ کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے، کیدھر چلے؟

اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونوں جہان کی
خطرہ جو ہے سو آئینۂ دل پہ زنگ ہے

حیرت زدہ نہیں ہے فقط تو ہی آئینہ!
یاں تک بھی جس کی آنکھ کھلی ہے، وہ دنگ ہے

اس ہستیٔ خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اے نشۂ ظہور! یہ تیری ترنگ ہے

گل گیر! منہ پسار نہ تو شمع کی طرف
اس کی زبان ہی اسے کامِ نہنگ ہے

کب ہے دماغ عشقِ بتانِ فرنگ کا
مجھ کو تو اپنی ہستی ہی قیدِ فرنگ ہے

عالم سے اختیار کی ہر چند صلح کل
پر اپنے ساتھ مجھ کو شب و روز جنگ ہے

میں کیا کہوں تجھے نظر آتا نہیں ہے کیا
اس گلشنِ جہاں کا جو کچھ کہ ڈھنگ ہے

غنچہ شگفتہ جیسے ہی ہووے کہ اس میں دردؔ
دیکھا چمن میں جا کے تو کچھ اور ہی رنگ ہے

مصحفی

○

سرِ شام اس نے منہ سے جو رُخِ نقاب اُلٹا
نہ غروب ہونے پایا وہیں آفتاب اُلٹا

میں حسابِ بوسہ جی میں کہیں اپنے کر رہا تھا
وہ لگا مجھی سے کرنے طلب اور حساب اُلٹا

مہِ چاردہ کا عالم میں دکھاؤں گا فلک کو
اگر اُس نے پردہ منہ سے شبِ ماہتاب اُلٹا

جو خفا ہوا میں جی میں کسی بات پر شبِ وصل
سحر اُٹھ کے میرے آگے وہی اس نے خواب اُلٹا

بہ سوالِ بوسہ اُس نے مجھے جھڑک کے دی جو گالی
میں ادب کے مارے اس کو نہ دیا جواب اُلٹا

میں ہوا ہوں جس پہ عاشق یہ شگرف ماجرا ہے
کہ مرے عوض لگا ہے اُسے اضطراب اُلٹا

میں عجب یہ رسم دیکھی کہ بہ روزِ عیدِ قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی بے حساب اُلٹا

نہیں جائے شکوہ اس میں ہمیں مصحفی ہمیشہ
یہ زمانے کا رہا ہے یونہی انقلاب اُلٹا

○

آج کچھ سینے میں دل ہے خود بخود بے تاب سا
کر رہا ہے بے قراری پارۂ سیماب سا

جوں گلِ تر کیا ہی اُس سے جھلکے ہے اس کا بدن
وہ جو پیراہن گلے میں اُس کے ہے اک آب سا

میں ہوں اور خلوت ہے اور پیشِ نظر معشوق ہے
ہے تو بیداری ولے کچھ دیکھتا ہوں خواب سا

کل شبِ تاریک میں جو ہی ہوا وہ بے نقاب
جلوہ گر رُخ سے زمیں پر ہو گیا مہتاب سا

کیا کہوں حسن و لطافت جامۂ شبنم سے ہائے
نکلا ہی پڑتا ہے وہ گورا بدن مہتاب سا

مصحفی کیوں لختِ دل رونے کا کھاتا ہے قسم
ہے نمایاں کچھ تو آنکھوں میں تری خوناب سا

○

سو سو طرح کا سانحہ مجھ پہ گزر چکا
پر اے دل ایک روز کہیں تو نہ مر چکا

اتنا بھی خال و خط کا بنانا ہے کیا یہاں
بس رکھو آئینہ کہاں مکھڑا سنور چکا

اس ہاتھ سے یہ دل نہ تسلی ہوا دریغ
سو مرتبہ میں دل کے اوپر ہاتھ دھر چکا

اے یار وقتِ بہرہ خراشی و مو کنی
کیا کیا نہ تیرے ہاتھ سے مجھ پہ گزر چکا

اک سر پہ خاک ڈالنی باقی رہی ہے سو
دیکھو گے شام و صبح کہ میں وہ بھی کر چکا

کتنا ہی میں بسارؤں اسے لیک مصحفی
نقشہ اگر یہی ہے تو جی سے بسر چکا

○

جی جائے گا رائگاں کسی کا
یوں کرتے ہیں امتحاں کسی کا

مکھڑے سے نقاب مت اٹھاؤ
کیا فائدہ ہو زیاں کسی کا

بجز آہ وہاں کوئی کرے کیا
کچھ بس نہ چلے جہاں کسی کا

ہو دیکھ فرشتہ اس پہ عاشق
ہوتا ہے وہ بدگماں کسی کا

آزردہ کریں ہیں اس طرح واہ
دل مفت میں او میاں کسی کا

تا فصلِ دگر رہا نہ ہرگز
اس باغ میں آشیاں کسی کا

دیتے نہیں مصحفی پھر اس کو
دل لیویں جو یہ بتاں کسی کا

ناگہ چمن میں جب وہ گل اندام آگیا
گل کو شکستِ رنگ کا پیغام آگیا

اُٹھا جو صبح خواب سے وہ مستِ پُرخمار
خورشید کف کے بیچ لئے جام آگیا

سوچے تھا اہلِ جرم سے کس کو کروں میں قتل
اتنے میں اس کو یاد مرا نام آگیا

افسوس ہے کہ ہم تو رہے مستِ خوابِ صبح
اور آفتابِ عمر لبِ بام آگیا

ہے جائے رحم حال پہ یاں اُس اسیر کے
جو گھر سے تھے ہی ہوا سے تہِ دام آگیا

مر میں تڑپ تڑپ کے دی حسرت میں اپنی جان
بارے ٹک ایک دل کو تو آرام آگیا

سمجھو خدا کے واسطے بیار سے بُرا نہیں
دو دن اگر کسی کے کوئی کام آگیا

کر قطع کب گیا ترے کوچے سے مصحفی
گر صبح کو گیا وہیں پھر شام آگیا

گر اُس منہ سے برقع کبھی کھل گیا
تو دیکھو گے مہ خاک میں رُل گیا

گیا جان سے ایک عالم میاں
لیکن نہ تیرا تغافل گیا

رہا ہے کہاں ہم میں آرام صبر
وہ طاقت گئی وہ تحمل گیا

ہمیں دے گیا داغ جاتے ہوئے
غرض اس گلستاں سے جو گل گیا

وہی رنگِ گل ہے وہی چہچہے
چمن سے کہاں شورِ بلبل گیا

گئی پھٹ دل کو مرے داغ سے
سحر نالہ کرتا جو بلبل گیا

ہمیں کہتا تھا عاشق نہ ہو مصحفی
تو ایسی ہی باتوں میں تو کھل گیا

○

خواب تھا یا خیال تھا کیا تھا
ہجر تھا یا وصال تھا کیا تھا

میرے پہلو میں رات جا کر وہ
ماہ تھا یا ہلال تھا کیا تھا

چمکی بجلی سی پر نہ سمجھے ہم
حسن تھا یا جمال تھا کیا تھا

جس کو ہم روزِ ہجر سمجھے تھے
ماہ تھا یا وہ سال تھا کیا تھا

مصحفی شب جو چپ تو بیٹھا تھا
کیا تجھے کچھ ملال تھا کیا تھا

○

خورشید کو سائے میں زلفوں کے چھپا رکھا
چتون کو دکھا خوبی سرمے کو لگا رکھا

سویا تھا لپٹ کر میں اُس ساتھ دلے اُس نے
پہلو سے مرے پہلو تا صبح جدا رکھا

کس منہ سے اجل کو اب منہ اپنا دکھاویں گے
ہم میں تری الفت نے کہہ تو ہی کہ کیا رکھا

قاصد جو گیا میرا لے نامہ تو پھر اُس نے
نامے کے کئے پرزے قاصد کو بٹھا رکھا

کس لب کے تبسم نے چھڑکا تھا نمک اُن پر
زخموں کے الم نے شب تا صبح مزا رکھا

کیا جانیے کب کا تھا یہ میرا فلک دشمن
جو اُس مہِ تاباں کو نت مجھ سے جدا رکھا

اے مصحفی میں کس کی رفتار کا گشتہ تھا
ہر شعر میں میں نے جو انداز نیا رکھا

○

ہے یہ عشق آفت و بلا تو نہیں
اس کا مارا کوئی جیا تو نہیں

دل کی تڑپوں میں آن نکلے ہے
دیکھیو کشتۂ ادا تو نہیں

پوچھنا کیا ہے حال دل کا مرے
اے میاں تجھ سے کچھ چھپا تو نہیں

یعنی عاشق ہوا اور رہ حیا ئی
سب ملک ہم نے یہ سنا تو نہیں

بات بندش کی میں جو کل بولا
کہا کچھ ذکر آپ کا تو نہیں

○

ہے ماہ کہ آفتاب کیا ہے
دیکھو تو تہِ نقاب کیا ہے

میں نے تجھے تو نے مجھ کو دیکھا
اب مجھ سے تجھے حجاب کیا ہے

آئے ہو تو کوئی دم تو بیٹھو
اسے قبلہ یہ اضطراب کیا ہے

اس بن ہمیں جب ات بی گزری
نا ما نہ یہی کہ خواب کیا ہے

جلوہ بھی گئے وہ عاشقوں میں
اس بات کا سو حساب کیا ہے

اس میکدۂ جہاں میں یارو
مجھ سا بھی کوئی خراب کیا ہے

قسمت میں ہمارے سختی ہائے
کیا جانئے ثواب عذاب کیا ہے

میر حسنؔ

○

عشق کا راز گر نہ کھل جاتا
اس قدر تو نہ ہم سے شرماتا

آکے تب بیٹھتا ہے وہ ہم پاس
آپ میں جب ہمیں نہیں پاتا

زندگی نے وفا نہ کی، ورنہ
میں تماشا وفا کا دکھلاتا

مر گئے ہم تو کہتے کہتے حال
کچھ تو تُو بھی زباں سے فرماتا

سب یہ باتیں ہیں چاہ کی ورنہ
اس قدر تو نہ ہم پہ جھنجھلاتا

میں نہ سنتا کسی کی بات حسنؔ
دل جو باتیں نہ مجھ کو سنواتا

○

جاتا تھا اس کے کھوج میں، میں بے خبر چلا
بارے اسی نے ٹوک کے پوچھا، کدھر چلا

جس اشتیاق سے کہ میں آتا ہوں تیرے پاس
کیا ہو، جو آوے تو بھی یوں ہی بے خبر چلا

غیروں میں اس نے منہ تو چھپایا تھا مجھ کو دیکھ
پر میں بھی اس کی چھیڑ سے منہ ڈھانپ کر چلا

کس میں رکھوں گا اب مئے حسرت کو میں بھلا
شیشہ تو دل کا خونِ جگر ہی سے بھر چلا

لکھنے کی یاں نہ تاب، نہ پڑھنے کا واں دماغ
کہہ دیں گے کچھ زبانی، اگر نامہ بر چلا!

ق

کچھ رات غیر کی جو کہیں نکلی اس سے بات
سن سن کے میں خفا ہو، وہیں روٹھ کر چلا
غصہ میں دیکھ مجھ کو لگا کہنے: اور لوا
اک بات بس کہی نہ کہی، یہ تو مر چلا
اب کوئی آوے یا کہ نہ آوے حسنؔ کو کیا
بے چارہ اپنی جان سے آپ ہی گزر چلا

○

غم خانۂ دل عیش کا گھر ہووے گا یا رب!
آباد کبھی یہ بھی نگر ہووے گا یا رب!

جب دیکھوں ہوں اس کو تو یہ آتا ہے مجھے رشک
کس کس کا یہ منظورِ نظر ہووے گا یا رب!

بگڑی تو ہے غیروں سے اور اب ہم سے و لیکن
کیا جانئے! وہ شوخ کدھر ہووے گا یا رب!

جان و دل و دیں کھوئے اک اس کی نظر پر
ایسا بھی کوئی اور بشر ہووے گا یا رب!

رونے سے مرے سنگ تلک ہو گئے پانی
دل میں کبھی اس کے بھی اثر ہووے گا یا رب!

داغوں کو ترے غم کے جو رکھے تر و تازہ
یہ میرے سوا کس کا جگر ہووے گا یا رب!

روتے ہی گزرتی ہے شب و روز حسنؔ کو
اور اس سے تو کیا حال بتر ہووے گا یا رب!

○

دل غم سے ترے لگا گئے ہم!
کس آگ سے غم جلا گئے ہم!

ماتم کدۂ جہاں میں جوں شمع
رو رو کے جگر بہا گئے ہم!

مانند حباب اس جہاں میں
کیا آئے تھے اور کیا گئے ہم!

کھویا گیا اس میں گو دل اپنا
پر یار! تجھے تو پا گئے ہم!

تھا ہم میں اور اس میں وہ جو پردہ
سو اس کو حسنؔ اٹھا گئے ہم!

○

اس کی جب بزم سے ہم ہو کے بتنگ آتے ہیں
اپنے ساتھ آپ ہی کرتے ہوئے جنگ آتے ہیں

حسن میں جب تئیں گرمی نہ ہو، جی دیوے کون
شمع تصویر کے کب گرد پتنگ آتے ہیں!

دل کو کس بوقلموں جلوہ نے ہے خون کیا
اشک آنکھوں سے جو یہ رنگ برنگ آتے ہیں

آہ تعظیم کو اٹھتی ہے مرے سینے سے
دل پہ جب اس کی نگاہوں کے خدنگ آتے ہیں

شعر کا گر پوچھو، تو ہے اس میں بھی قسمت ورنہ
عاشقی کرنے کے ہر ایک کو ڈھنگ آتے ہیں

حیرت افزا ہے عجب کوچۂ دلدار حسنؔ!
جو وہاں جاتے ہیں اس طرف سے دنگ آتے ہیں

○

ہم نہ نکہت ہیں، نہ گل ہیں، جو مہکتے جاویں
آگ کی طرح جدھر جاویں، دہکتے جاویں

اے خوشا مست! کہ تابوت کے آگے جس کے
آب پاشی کے بدل مے کو چھڑکتے جاویں

جو کوئی آوے ہے نزدیک ہی بیٹھے ہے ترے
ہم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جاویں

غیر کو راہ ہو گھر میں ترے، سبحان اللہ!
اور ہم دور سے در کو ترے تکتے جاویں

وقت اب وہ ہے کہ ایک ایک حسنؔ ہو کے بتنگ
صبر و تاب و خرد و ہوش کھسکتے جاویں

○

مجھ کو عاشق کہہ کے اُس کے روبرو مت کیجیو!
دوستاں! گر دوست ہو، تو یہ کبھو مت کیجیو!

جس ادا کا کشتہ ہوں میں وہ لیے میرے ہی ساتھ
اس ادا کو مبتذل اے خوب رُو مت کیجیو!

وقتِ رخصت دل نے اِتنا ہی کہا رو کر کہ بس
اب پھر آنے کی مرے تو آرزو مت کیجیو!

میں تو یوں ہی تم سے دیوانہ سا بکتا ہوں کہیں
اس کے آگے دوستاں! یہ گفتگو مت کیجیو!

زلف کے کوچہ سے ہو گلشن میں گزرے ہے صبا
آج واں جا کر گلوں کو کوئی بو مت کیجیو!

کل کے جھگڑے میں بھلا ہے کس کے یارو! حق بطرف؟
واجبی جو ہو، سو کہیو! میری رُو مت کیجیو!

واں حسنؔ ہرگز نہیں ہے ڈھیل پھر جانے میں کچھ
آشنائی پر بھروسہ اس کی تو مت کیجیو!

○

ہمدم! نہ پوچھ مجھ سے؟ غرض اک بلا ہے وہ
جو ندبردہ ہو اس کے سو جانے کہ کیا ہے وہ!

بیگانہ وار بھی نہ ملا ہم سے وہ کبھی
ہم سادہ دل یہ جانتے تھے، آشنا ہے وہ

ہجراں تو ہے، پہ یہ نہیں معلوم کچھ ہمیں
ہم آپ سے جُدا ہیں کہ ہم سے جدا ہے وہ

پھر پھر کے پوچھتے ہو عبث آرزوئے دل
تم جانتے تو ہو کہ مرا مدّعا ہے وہ

میں نے تو بات بھی نہیں کی اس سے ہم نشیں!
اک یہ بھی چوچلا ہے کہ ناحق خفا ہے وہ

معذور رکھ حسنؔ کو جو بے طاقتی کرے
عاشق ہے، دردمند ہے اور مبتلا ہے وہ

○

بہتر ہے تجھ سے مری جان! اب ادھر کو چلیے
تو ہی گر ساتھ نہ ہووے تو کدھر کو چلیے

خواہ کعبہ ہو کہ بُت خانہ غرض ہم سے سُن
جس طرف دل کی طبیعت ہو، اُدھر کو چلیے

زلف تک رُخ سے نگہ جاوے نہ اک دن کے سوا
شام کو پہنچیے منزل، جو سحر کو چلیے

جب میں چلتا ہوں ترے کوچہ سے کترا کے کبھی
دل مجھے پھیر کے کہتا ہے: ادھر کو چلیے

ان دنوں رات اسی فکر میں کٹتی ہے حسنؔ
صبح کب ہووے کہ پھر یار کے گھر کو چلیے

○

دل بر سے ہم اپنے جب ملیں گے
اس گم شدہ دل سے تب ملیں گے

یہ کس کو خبر ہے، اب کے بچھڑے
کیا جانیے! اس سے کب ملیں گے

دنیا ہے، سنبھل کے دل لگانا
یاں لوگ عجب عجب ملیں گے

ظاہر میں تو ڈھب نہیں ہے کوئی
ہم یار سے کس سبب ملیں گے

آرام حسنؔ تبھی تو ہوگا
اس لب سے جب اپنے لب ملیں گے

جرأت

جب [illegible] سے وہ جیتا تھا اور ہم اس پہ مرتے تھے
یہی راتیں تھیں اور باتیں تھیں وہ دن کیا گزرتے تھے

وہ سوزِ دل سے بھر لاتا تھا اشکِ سرخ آنکھوں میں
اگر ہم جی کی بے چینی سے آہِ سرد بھرتے تھے

بیاں ہم وصل میں کرتے جو دردِ ہجر سے مرنا
تو وہ کہتا خدا شاہد ہے اس کا ہم بھی مرتے تھے

کبھی دھڑکے سے روتے تھے جو باہم وصل کی شب کو
وہ ہم کو منع کرتا تھا ہم اس کو منع کرتے تھے

ملی رہتی تھیں نظریں غلبۂ الفت سے آپس میں
نہ خوف اوس کو کسی کا تھا نہ ہم لوگوں سے ڈرتے تھے

سو اب صد حیف اوس خورشید رُو کے ہجر میں جرأت
یہی راتیں ہیں اور باتیں ہیں وہ دن کیا گزرتے تھے

○

سنا ہے وہ خدا ناکردہ [illegible] بیمار کیا کیجے
عیادت کو بھی جانا ہے ہمیں دشوار کیا کیجے

خیال اوس کی جو بیخوابی کا گذرے ہے تو ہم شب کو
لگا کے چھت سے آنکھیں لیٹتے ہیں بیدار کیا کیجے

کسی کو بھیج بھی سکتے نہیں احوال پرسی کو
مگر یہ چپکے چپکے کہتے ہیں ہر بار کیا کیجے

کفِ افسوس ملتے ہیں کہ جرأت ہم نہیں اوس جا
نہیں تلوے تو سہلاتے گھڑی دو چار کیا کیجے

سچ تو یہ ہے بے جگہ ربط ان دنوں پیدا کیا
سوچ ہے ہر دم یہی ہم کو کہ ہم نے کیا کیا

رہ گیا اوٹھ کر جدھر کو میں ادھر حیران سا
اوس کے جانے پر بھی کتنی دیر تک دیکھا کیا

میری اور اوس شوخ کی صاحب سلامت جب ہوئی
صبر و طاقت نے کہا لو ہم نے تو مجرا کیا

دمبدم حسرت سے دیکھوں کیوں نہ سوئے چرخ میں
اس سلے اور دل کا گلا کیا اوس کو ہمیں جس کا کیا

مل گئے تھے ایک بار اوس کے جو میرے لب سے لب
عمر بھر ہونٹوں پہ اپنے میں زباں پھیرا کیا

جب تلک کرتے رہے مذکور اوس کا مجھ سے لوگ
جی میں کچھ سر جا کیا میں اور دل دھڑکا کیا

دل ملے پر بھی ملاپ ایسی جگہ ہوتی رہی
ہم ادھر تڑپا کیے اور وہ ادھر تڑپا کیا

سوزش دل کیا کہوں میں جب تلک جیتا رہا
ایک انگارا سا پہلو میں میرے دہکا دیا

— خیالِ وصل میں اوس کے عجب باتیں بناتا ہوں   مگر بیٹھا ہے وہ گویا اور اوس کو میں مناتا ہوں
گلی میں اوس کی جب جاتا ہوں میں تب آکے اک چرچا   کچھ ایسا ہی سُن آتا ہوں کہ بس اُن سے سن آتا ہوں
گلے لگتا نہیں گر عید قرباں کو ہی تو میرے   تو لے خنجر ہی کو اپنے گلے سے میں لگاتا ہوں
تماشا ہے کہ جب مدہوش وہ تو اشارے سے   پھر اس محفل سے میں اوٹھتے ہوئے یوں لڑکھڑاتا ہوں
کہے ہے کس کے رنجیدہ ہوئے ایسے ہو بنتے سے   ذرا سمجھو تو صاحب میں تو آپ ہی کا کہاتا ہوں
کہے گر کوئی ناگن نہیں پہ دل کو ڈستی ہے   تو اوس کی زلف کی میں یہ پہیلی بوجھ جاتا ہوں
کہوں کیا دردِ ہجراں سے مری کیا شکل ہے جاتی   کسی صورت نہیں آرام کیا ایذا اُٹھاتا ہوں
کبھی جو یاد آتا ہے وہ ہنسنا بولنا اُس کا   تو پھر رو رو کے دریا اپنی آنکھوں سے بہاتا ہوں
کبھی اوس کا جو بلوانا وہ مجھ کو یاد آتا ہے   تو بیٹھے بیٹھے کیا جانوں کدھر کو میں جاتا ہوں
کبھی گھبرا کے سر اپنا پٹکتا ہوں میں بالیں سے   کبھی بستر پہ بیتابی کے مارے تلملاتا ہوں
کبھی آواز اوس کی سی جو آجاتی ہے کانوں میں   تو دل پر ہاتھ رکھ کر دھیان اودھر لگاتا ہوں
پھر اوس میں گر تسلی کو کوئی پاس آن بیٹھے ہے   تو مطلع پڑھ کے یہ روتا ہوں اور اوس کو رلاتا ہوں

قرار اوس شعلہ رو کے ہجر میں کیا خاک پاتا ہوں
نظر آتی ہے اک آتش جدھر کو آنکھ اٹھاتا ہوں

ذرا ہم اس سے ٹک چلنے کے سو سو ڈھب لگاتے ہیں
رسائی جو نہیں پاتے تو کیسا کیا تلملاتے ہیں

غضب ہے کہ واں جاتے ہیں تو خالی پھر آتے ہیں
اگر جاتے نہیں تو جی ہی سے ہم اپنے جاتے ہیں

ملی رہتی تھیں جو نظروں سے نظریں سو کہاں اب تو
کبھی ہم اتفاقاً اک جھلک سی دیکھ پاتے ہیں

گزرتا ہے باہم اب جو وصل و ہجر کا عالم
کبھی روتے ہیں آپ اپنے پر اور گہ مسکراتے ہیں

خدا شاہد ہے وہیں جان میں بس جان آتی ہے
کبھی صاحب جو آواز اپنے بندے کو سناتے ہیں

عجب یہ آتشِ دل اور بھی بھڑکے ہے نالے سے
لگی کو گرچہ اشکِ چشم کتنا ہی بجھاتے ہیں

برنگِ موج جب بیتاب ہوتا ہے یہ دل بر میں
تو ہم رو رو کے دریا اپنی آنکھوں سے بہاتے ہیں

قلق لذت سے ہے یہ دل پہ کہ بس میں مرنے لگتا ہوں
ملانے میں جو صورت آپ کچھ عرصہ لگاتے ہیں

مناسب گرچہ جانا بار بار اُس جا نہیں جرأت
کیا کیجے بیتابی سے ہم لاچار جاتے ہیں

ہے غضب اپنی طبیعت اوس پہ ہے آئی ہوئی
جس پہ پڑتی ہے ہر اک نگہ للچائی ہوئی

یاد آ جاتی ہے تو روتا ہوں منہ ڈھانپ ڈھانپ
بھولی بھولی صورت اور وہ آنکھ شرمائی ہوئی

چھاؤنی برسات میں چھائی کہاں جلد آؤ جی
جی گھٹاتی ہے ہمارا یہ گھٹا چھائی ہوئی

کون رخصت ہو کے یہ ہم سے گیا یا رب جو آہ
صبر نے مجرا کیا رخصت شکیبائی ہوئی

شب تصور میں کسی مہرو کی آنکھوں کے حضور
چار سو اک نور کی چادر تھی پھیلائی ہوئی

ناتواں دیکھا جو مجھ کو تو یہ ہنس کر بول اٹھے
بارے اب تو کچھ بہت ان میں توانائی ہوئی

سامنے میرے جو منہ کر کے نہیں تم بیٹھتے
کیا کسی کے سامنے ہے یہ قسم کھائی ہوئی

ہے یہ حیرت سے مجھے اس پر نہ تم ٹھہرے رہے
بات جو مدت سے ہے آپس میں ٹھہرائی ہوئی

خیر تو ہے اے دلِ وحشت زدہ یہ کیا ہوا
یوں جو قسمت میں مری یہ وحشت سمائی ہوئی

پا برہنہ مو پریشاں آہ بر لب رنگ زرد
دست بر سینہ ہے اور صورت ہے گھبرائی ہوئی

دوڑ دوڑ آنے سے جرأت کے رکو مت کیجیے
اس بچارے کی طبیعت تم پہ ہے آئی ہوئی

بیٹھ آ دل میں ٹک لطف اُٹھانے دے مجھے   اے ترے پاؤں پڑوں ہاتھ لگانے دے مجھے

سرگزشت آتے ہی کیا پوچھے ہے اے مری جان   سب سناؤں گا تجھے آپ میں آنے دے مجھے

اب تو دم رکنے لگا ضبط محبت سے ہے   ایک دو اشک تو آنکھوں سے بہانے دے مجھے

مجھ سے پوچھے ہے بگڑ کر وہ حقیقت میری   کچھ تو اے بے خبری بات بنانے دے مجھے

ٹکٹکی باندھنے سے بات نہ کھل جائے کہیں   حیرت حسن پلک تک تو ہلانے دے مجھے

آہ دل جس کا ملا ہوئے نہ دل سے میرے   لب سے پھر اپنے وہ لب کیونکہ ملانے دے مجھے

اور بھی وار لگاتے اوسے کیا لگتا ہے   جو کہ زخموں پہ نہ مرہم بھی لگانے دے مجھے

انگلیاں پاؤں کی اب اپنے وہ دبوائے ہے   کچھ تو اے پاس ادب ہاتھ بڑھانے دے مجھے

غیر پاس اوس کو نہ دوں بیٹھنے جی میں ہے دلا   ضبط کر ضبط و رہ ضبط اٹھانے دے مجھے

نہ رہا وہ بھی مزہ ہائے فلک سے وہ عدو   کہ نہ رنجش کا بھی کچھ لطف اوٹھانے دے مجھے

اپنا منت سے بٹھانا وہ اور اوس کا کہنا   پھر نہیں آنے کا یاں میں نہیں جانے دے مجھے

تو بھی پھر پوچھیو جرأت سبب حیرانی
پہلے آئینہ ذرا اس کو دکھانے دے مجھے

جب یہ سنتے ہیں کہ ہمسائے میں آپ آئے ہوئے
کیا در و بام پہ ہم پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے

آپ سے میں تو نہ جاتا پہ کروں کیا کہ کہیں
دلِ بیتاب لئے جائے ہے دوڑائے ہوئے

گھر میں بے یار ہے شکل اپنی یہ دل کے ہمراہ
دو گنہ گار ہوں جوں قید میں بٹھلائے ہوئے

آئے تم دست بہ قبضہ ہو تو پھر دیر ہے کیا
سرِ تسلیم کو ہم بیٹھے ہیں نہوڑائے ہوئے

آج بھی اوس کے جو آنے کی نہ ٹھہری تو بس آہ
ہم وہ کر اٹھیں گے جو دل میں ہیں ٹھہرائے ہوئے

پیرہن چاک ترے در پہ جو کل کرتا تھا
آج لوگ اوس کو لئے جاتے ہیں کفنائے ہوئے

مردنی پھر گئی منہ پہ مرے جن کی خاطر
رنگ رو کیا وہ پڑے پھرتے ہیں چمکائے ہوئے

اب تصویر کے مانند ہم اوس محفل میں
رو نہیں سکتے ہیں اشک آنکھوں میں ہیں لائے ہوئے

لوگ گو ہم سے یہ کہتے ہیں کہ چلتے ہو جی واں
اپنے بیگانے سب اوس بزم میں ہیں آئے ہوئے

دل میں ہم سوچ کے اس بات کو رو دیتے ہیں
کیا کہیں ان سے کہ ہیں ہم تو نکلوائے ہوئے

کہہ کے موزوں اوسے جرأت غزل ایک اور بھی پڑھ
دل میں جو تازہ مضامین ہیں ٹھہرائے ہوئے

نہ تنہا دل خرامِ ناز پر ہر آن لوٹے ہے — ترا دامن بھی قدموں پہ ترے اے جان لوٹے ہے

[illegible]بت ہے چھوڑ کر تو جس کو اسے آبادیِ عالم — وہ مضطر کیا درونِ خانۂ ویران لوٹے ہے

[illegible]سے ہے چاندنی کی سیر جب وہ بیٹھ کشتی میں — تو کیا کیا موج پر عکسِ مہِ تابان لوٹے ہے

دیا یہ خانۂ قاتل میں کس بے چین کو جانا — جو در پر نیم بسمل سا پڑا دربان لوٹے ہے

[illegible] ہے سبب تیرے مضطرب کے چشم سے آنسو — تو کیا کیا خاک پر جوں گوہرِ غلطان لوٹے ہے

چھپاتا ہے گلِ نرگس سے تو جب اپنے مکھڑے کو — تری اس بات پر کیا کیا ترا حیران لوٹے ہے

سرود اب طرفہ اوس مطرب بچے کا رقص لاتا ہے — کہ ہر اک بیکلی سے اوس کی سن کر تان لوٹے ہے

مزا مجھ سے نہ ہو گر لوٹ جاؤں دل ترے قدموں — کروں میں کیا کہ تجھ پر دل مرا اے جان لوٹے ہے

کسے کا کام آخر اب وہ پاجامہ تمامی کا — کہ اک بجلی سی چلنے میں ترا دامان لوٹے ہے

تصور میں جو دل کے زلف کا اوس کی ہے لہرانا — تو اک چھاتی پہ اس کی سانپ سا ہر آن لوٹے ہے

اوسے آتا ہے جو سونا یاد باہم بسترِ گل پر — تو ساری رات انگاروں پہ دے دے جان لوٹے ہے

کہے اشعار بیتابی کے تو نے ایسے اے جرأت
کہ پڑھ کر ہر سخنداں اب ترا دیوان لوٹے ہے

دل میں کیا کیا آئے ہے بات اور کیا کیا جائے ہے
کان میں آواز اوس کی سی جوں ہی آ جائے ہے

بستۂ اندوہ پر جب یاد آتے ہیں وہ عیش
پھر نہ لیٹا جائے ہے مجھ سے نہ بیٹھا جائے ہے

بزم میں آنکھوں تلے پھر جائے ہے جب اوس کی شکل
آنکھ بھر کر پھر کسو سے کس کو دیکھا جائے ہے

چھیڑنے کو مجھ سے یہ آزردہ وہ ہوتا نہیں
وقتِ رنجش تو بھلا کیوں مسکراتا جائے ہے

کیا ہجومِ بدگمانی گھیر لیتا ہے مجھے
جب یہ سنتا ہوں کہیں گھر سے وہ تنہا جائے ہے

بس دلِ عشاق پہ بجلی سی اک پڑ جاتی ہے آہ
جب سمندِ ناز کو اپنے وہ چمکا جائے ہے

دیکھ کر تصویر اوس کی ہو گئے تصویر ہیں
اب نہ دست و پا ہی ہلتے ہیں نہ بولا جائے ہے

بیٹھے یاں مت سج بناؤ لو خبر عاشق کی تم
زندگی کا اوس کی واں نقشہ تو بگڑا جائے ہے

لے گیا اک راہ چلتا دین و دل و صبر و قرار
اب وہ یاد آتا ہے تو بس جی ہی نکلا جائے ہے

کیا کہوں اے ہمنشیں اپنی تو وہ حالت ہوئی
جوں کسی کا قافلہ رستہ میں لوٹا جائے ہے

اشکِ خونی دیکھ چہرے پہ [illegible] وہ شوخ
دل بدن رنگ اب تو جرأت [illegible] ہے

انشاؔ

○

اے عشق! مجھے شاہدِ اصلی کو دکھا لا
قم! خذ بیدی وفقک اللہ تعالیٰ

ہے تجھ کو جنوں کی قسم اے جذبِ محبت
اس نورِ تجلی کی جھلک مجھ کو دکھا لا

سوجھے ہے مجھے عالمِ اطلاق کی منزل
الفت نے جو تقلید کے جھگڑے سے نکالا

ہرچند کہ عاصی ہوں پہ امت میں ہوں اس کی
جس کا ہے قدم عرشِ معلیٰ سے بھی بالا

مولائے جہاں رہبرِ عشاق: محمدؐ
صد عقدۂ مشکل کا مرے کھولنے والا

○

جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا
لگا کے برف میں ساقی صراحیِ مے لا

قدم کو ہاتھ لگاتا ہوں، اٹھ کہیں، گھر چل
خدا کے واسطے! اتنے تو پاؤں مت پھیلا

نکل کے وادیِ وحشت سے دیکھ اے مجنوں!
کہ زور دھوم سے آتا ہے ناقۂ لیلیٰ

گرا جو ہاتھ سے فرہاد کے کہیں تیشہ
درونِ کوہ سے نکلی صدائے واویلا

نزاکت اس کے یہ مکھڑے کی دیکھ اے انشاؔ
نسیمِ صبح جو چھو جائے، رنگ ہو میلا

چھا جو خفا ہم سے ہو تم اے صنم اچھا
تو ہم بھی نہ بولیں گے خدا کی قسم اچھا

مشوں کیا چاہیے اس دل کو کسی طور
ے لیویں گے ڈھونڈ اور کوئی یار ہم اچھا

می نے پھر آگ اور ہی سینے میں لگا دی
ہر طور غرض آپ سے ملنا ہے کم اچھا

عیار سے کرتے ہو مرے سامنے باتیں
مجھ پر یہ لگے کرنے نیا تم ستم اچھا

کہہ کر گئے : آتا ہوں کوئی دم میں میں تم پاس
پھر دے چلے کل کی سی طرح مجھ کو دم اچھا

اس ہستیٔ موہوم سے میں تنگ ہوں انشا
واللہ کہ اس سے بمراتب عدم اچھا

اے آتش فراق! مرا جلبے سوز داغ
جھلکے ہے دل میں دور سے جوں دیہ کا چراغ

آنکھوں میں تاکہ نشۂ وحدت کا ہو طلوع
ساقی! مئے مغانہ سے بھر دے مرا ایاغ

بیٹھا ہے آج مجلسِ رنداں میں شیخ یوں
طوطی کے پاس جیسے کوئی ہم قفس ہو زاغ

پیدا لگاوٹ آہ کسی سا تو کیجیے
لیکن دل و دماغ کہاں، کس کو یہ فراغ

پہنچوں میں کس کی کنہ حقیقت کو آج تک
انشا مجھے ملا نہیں اپنا ہی کچھ سراغ

مل مجھ سے اے پری! تجھے انسان کی قسم
دیتا ہوں تجھ کو تختِ سلیمان کی قسم!

کروبیاں کی تجھ کو قسم اور عرش کی
جبریل کی قسم! تجھے رضوان کی قسم!

طوبیٰ کی، سلسبیل کی، کوثر کے جام کی
حور و قصور و جنت و غلمان کی قسم!

روح القدس کی تجھ کو قسم اور مسیح کی
مریم کی تجھ کو عفتِ داماں کی قسم!

تجھ کو محمدِ عربی کی قسم ہے اور
مولا علی کی، شاہِ خراساں کی قسم!

توریت کی قسم! قسم انجیل کی تجھے
تجھ کو قسم زبور کی، فرقان کی قسم!

ملت میں جس کی تو ہے اسی کی قسم تجھے
اور اپنے دین و مذہب و ایمان کی قسم!

دامن کو میرے ہاتھ سے اس بات مت جھٹک
تجھ کو سحر کے چاک گریبان کی قسم!

مدت سے تیرے چاہِ ذقن میں غریق ہوں
باللہ! مجھ کو یوسفِ کنعان کی قسم!

قیدی ہوں میں ترا، بہ خداوندیِ خدا
اور اس عزیزِ مصر کے زندان کی قسم!

موسیٰ کی ہے تجھے قسم اور کوہِ طور کی
نور و فروغ و جلوۂ لمعان کی قسم!

سوگند اب ہنسی کی تجھے کچھ دلائیے
سن تجھ کو اپنے ناز کی اور آن کی قسم!

تجھ کو قسم ہے غنچۂ زنبق کی، تاک کی
اور شورِ عندلیبِ غزلخواں کی قسم!

سونے کی گاسے کی قسم اور رودِ نیل کی
فرعون کی قسم تجھے ہامان کی قسم!

بستر مرا ہے خارِ مغیلانِ بیابانِ قیس
لیلیٰ کی ہے تجھے صفتِ مژگان کی قسم!

ایسی بڑی قسم بھی نہ مانے، تو ہے تجھے
مجنوں کے قبلہ گاہ، ابوالجان کی قسم!

کونے میں باغ کے جو وہ رہتا ہے اک خبیث
تجھ کو اسی کی شوکت و ذی شان کی قسم!

دیوِ سفید کی قسم اور کوہِ قاف کی
باغِ ارم کی اور پرستان کی قسم!

لونا چماری کی قسم اور کلوا پیہ کی
کالی بلا کی، غولِ بیابان کی قسم!

قسمیں تو ساری ہو چکیں باقی رہی ہے ایک
پیپل تلے کے بھتنے کی، شیطان کی قسم!

ہاں پھر تو کہیو! ہائے وہ کس طرح ہو غضب
انشا نہ چھیڑ! تجھ کو مری جان کی قسم!

دھوم اتنی ترے دیوانے مچا سکتے ہیں
کہ ابھی عرش کو چاہیں تو ہلا سکتے ہیں

مجھ سے اغیار کوئی آنکھ ملا سکتے ہیں
منہ تو دیکھو، وہ مرے سامنے آ سکتے ہیں!

حضرتِ دل تو بگاڑ آئے ہیں اس سے لیکن
اب بھی ہم چاہیں تو پھر بات بنا سکتے ہیں

شیخی اتنی نہ کر اے شیخ! کہ رندانِ جہاں
انگلیوں پہ تجھے چاہیں، تو نچا سکتے ہیں

تو گروہِ فقراء کو نہ سمجھ بے جبرو
ذاتِ مولا میں یہی لوگ سما سکتے ہیں

چارہ گر اپنے تو مصروف بہ دل ہیں لیکن
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں!

○

چمن صبا اڑ جائیں اور تیری بہاریں لوٹ جائیں
تجھ کو جو گھوریں الٰہی! ان کے دیدے پھوٹ جائیں

ان سے کیا کوئی بر آوے، جو ذرا سی بات پر
آگ ہی ہو کر اٹھیں اور اپنے ماتھے کوٹ جائیں

"دور بلا بودن بہ از ہم بلا" مشہور ہے
کاش: جو ہونی ہو، جلدی ہو، بلا سے چھوٹ جائیں

بزمِ خوباں میں نہ انشاؔء ایک سے آنکھیں لڑا
خاطریں نازک بہت ان کی ہیں، شاید ٹوٹ جائیں

○

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں، ہم بیزار بیٹھے ہیں

تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر
غرض کچھ اور دُھن میں اس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں

بسانِ نقشِ پائے رہرواں کوئے تمنا میں
نہیں اُٹھنے کی طاقت کیا کریں لاچار بیٹھے ہیں

یہ اپنی چال ہے افتادگی سے اب کہ پہروں تک
نظر آیا جہاں پہ سایۂ دیوار بیٹھے ہیں

کہاں صبر و تحمل۔ آہ ننگ و نام کیا شے ہے
یہاں رو پیٹ کر ان سب کو ہم یکبار بیٹھے ہیں

نجیبوں کا عجب کچھ حال ہے اس دور میں یارو!
جہاں پوچھو یہی کہتے ہیں ہم بیکار بیٹھے ہیں

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشاؔ!
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

ضعف آتا ہے، دل کو تھام تو لو
بولیو مت، مگر سلام تو لو

کون کہتا ہے بولو، مت بولو
ہاتھ سے میرے ایک جام تو لو

انھیں باتوں پہ لوٹتا ہوں میں
گالی پھر دے کے میرا نام تو لو

یک نگہ پہ بکے ہے انشا آج
مفت میں مول اک غلام تو لو

چھیڑنے کا تو مزہ تب ہے کہو اور سنو
بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو

تم کہو گے جسے کچھ کیوں نہ کہے گا تم کو
چھوڑ دیوے گا بھلا دیکھ تو لو اور سنو

یہی انصاف ہے کچھ سوچو تو دل میں اپنے
تم تو سو کہہ لو، مری اک نہ سنو اور سنو

آپ ہی آپ مجھے چھیڑو، رکو پھر آپ ہی
آپ ہی بات میں پھر روٹھ اٹھو اور سنو

آفریں تم پہ، یہی چاہیے شاباش تمھیں
دیکھ رونا مجھے یوں ہنسنے لگو اور سنو

بات میری نہیں سنتے، جو اکیلے مل گئے
ایسے ہی ڈھب سے سناؤں کہ سنو اور سنو

نظیر اکبرآبادی

○

ملا آج وہ مجھ کو چنچل چھبیلا
ہوا رنگ سن کر رقیبوں کا نیلا

لیا جن نے مجھ سے عداوت کا پنجہ
سنلقی علیہم عذاباً ثقیلا!

نکل اس کی زلفوں کے کوچہ سے اے دل
تو پڑھنا: قم اللیل الا قلیلا

گلستاں میں ماروں اگر آہ کا دم
فکانت جبالاً کثیباً مہیلا!

نظیر اس کے فضل و کرم پر نظر رکھ!
فقل: حسبی اللہ نعم الوکیلا!

○

نظر پڑا اک بُتِ پری وش، نرالی سج دھج، نئی ادا کا
جو عمر دیکھو، تو دس برس کی، پہ قہر و آفت، غضب خدا کا
جو شکل دیکھو، تو بھولی بھولی جو باتیں سنئے، تو میٹھی میٹھی
پہ دل وہ پتھر کہ سر اڑا دے، جو نام لیجے کبھی وفا کا
جو گھر سے نکلے تو یہ قیامت کہ چلتے چلتے قدم قدم پہ
کسی کو ٹھوکر، کسی کو جھڑکی، کسی کو گالی، نپٹ لڑاکا
یہ راہ چلنے میں چلبلاہٹ کہ دل کہیں ہے، نظر کہیں ہے
کہاں کا اونچا، کہاں کا نیچا، خیال کس کو قدم کی جا کا
لڑا دے آنکھیں وہ بے حجابی کہ پھر پلک سے پلک نہ مارے
نظر جو نیچی کرے، تو گویا کھلا سراپا چمن حیا کا
یہ جھنجلاہٹ، یہ چلبلاہٹ، خبر نہ سر کی، نہ تن کی سُدھ بُدھ
جو چیرا بکھرا، بلا سے بکھرا، نہ بند باندھا کبھو قبا کا
گلے لپٹنے میں یہ شتابی کہ مثلِ بجلی کے اضطرابی
کہیں جو چمکا، چمک چمک کر، کہیں جو لپکا، تو پھر چھپا کا
نہ وہ سنبھالا کسی کے سنبھلے، نہ وہ منایا منے کسی کے
جو قتلِ عاشق پہ آ کے مچلے، تو غیر کا پھر نہ آشنا کا
نظیر ہٹ جا، پرے سرک جا، بدل لے صورت، چھپا لے منہ کو
جو دیکھ لیوے گا وہ ستم گر، تو بار ہو گا ابھی جھگڑا کا

کلال گردوں اگر جہاں میں، جو خاک میری کو جام کرتا
تو اس صنم کے لبوں سے مل کر، عجب یہ عیشِ مدام کرتا

جو پاتا قدرت یہ ساقیِ مستاں، مئے محبت سے تیری زاہد
تو صومعے سے نکل کے اپنے، وہ میکدے میں قیام کرتا

وہ بزم اپنی تھی مے کشی کی، وہ سیہ ہو جاتے مست بیخود
جو شیخ بھی واں سے بچ کے آتے، تو میں بھی جھک کے سلام کرتا

جو زلفیں مکھڑے پہ کھول دیتا صنم ہمارا، تو پھر یہ گردوں
نہ دن دکھاتا، نہ شب بتاتا، نہ صبح لاتا، نہ شام کرتا

نظیرؔ آخر کو ہار کر میں گلی میں اس کی گیا تھا بکنے
تماشا ہوتا جو مجھ کو لے کر، وہ شوخ اپنا غلام کرتا

کبھو دیکھوں نہ سنبل باغ کو میں، مجھے اس خمِ زلفِ دوتا کی قسم!
نہ نگہ کروں عارضِ گل کی طرف، مجھے اس رخِ مہر وفا کی قسم!

یوں پھرے ہے چمن کی فضا میں صبا، وہ ہزار طرح سے ہو نافہ کشا
مرے دل کو نہ ہو کبھی اس کی ہوا، مجھے کوئے صنم کی ہوا کی قسم!

جو نہی آیا اودھر کو وہ چشم سیہ، وہیں لے گیا دل کو بہ سیر نگہ
رہی عقل و خرد کو نہ جی میں جگہ، مجھے اس بتِ ہوش ربا کی قسم!

بدن اس کا ہے رو کشِ برگِ سمن، مرے بر میں جو آوے وہ رشکِ چمن،
کھلے غنچۂ دل مرا گل کے نمن، مجھے اس گل بندِ قبا کی قسم!

لگی مہندی جو ہاتھوں میں اس کے یہاں، تو وہ سرخی کچھ ایسی ہے لالہ فشاں
وہ شفق جو کہ صبح کو ہووے عیاں، سو وہ کھاتی ہے اس کی حنا کی قسم

میں نے دیکھا نظیرؔ جو اس کے تئیں تو وہ شرم سے ہو گیا سر در زیں
لیا نیچی نگاہوں سے جاں، دل و دیں۔ میں کہوں کیا اس کی حیا کی قسم!

○

دور سے آئے تھے ساقی، سن کے میخانے کو ہم
بس ترستے ہی چلے افسوس! پیمانے کو ہم

مے بھی ہے، مینا بھی ہے، ساغر بھی ہے، ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگا دیں آگ مے خانے کو ہم

ہم کو پھنسنا تھا قفس میں، کیا گلہ صیاد کا
بس ترستے ہی رہے ہیں آب اور دانے کو ہم

طاق ابرو میں صنم کے، کیا خدائی رہ گئی؟
اب تو پوجیں گے اسی کافر کے بت خانے کو ہم

باغ میں لگتا نہیں، صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

کیا ہوئی تقصیر ہم سے، تو بتا دے اے نظیرؔ!
تاکہ شادی مرگ سمجھیں، ایسے مر جانے کو ہم

○

کل نظر آیا چمن میں اک عجب رشکِ چمن
گل رخ و گل گوں قبا و گل عذار و گل بدن

مہ طلعت، حور پیکر، مشتری رُو، مہ جبیں
سیم بر، سیماب طبع و سیم ساق و سیم تن

نازنیں، ناز آفریں، نازک بدن، نازک کمر
غنچہ لب، رنگیں ادا، شکر دہاں، شیریں سخن

زلف و کاکل، خال و ابرو کے ہیں یہ چاروں غلام
مشکِ تبت، مشکِ چیں، مشکِ خطا، مشکِ ختن

مبتلا ایسوں کے جو ہوتے ہیں، وے ہیں اے نظیرؔ
بے قرار و دل فگار و خستہ جان و بے وطن

○

لیتا ہے جان میری تو میں سر بہ دست ہوں
اے یار! میں تو کشتۂ روزِ الست ہوں

یک دم کی زندگی کے لیے مت اٹھا مجھے
اے بے خبر! میں نقشِ زمیں کا سست ہوں

تو مست کر! شراب سے اے گل بدن مجھے
میں آپ اپنے شیشۂ دل کا شکست ہوں

دور از طریق مجھ کو سمجھنا نہ زاہد!
گر تو خدا پرست ہے، میں بت پرست ہوں

○

کیوں نہ ہو بام پہ وہ جلوہ نما تیسرے دن
ماہ بھی چھپ کے نکلتا ہے دلا تیسرے دن

ہاتھ سے اب تو قلم، رشکِ مسیحا، رکھ دے
نسخے بدلے ہیں جہاں کے حکما تیسرے دن

غرقِ دریائے محبت کی نہیں ملتی لاش
ورنہ ڈوبا ہوا نکلے ہے سدا تیسرے دن

دل بیمار رہے عشق میں کیوں کر سرسبز
خاک سے دانے کو ہے نشو و نما تیسرے دن

چھوڑ مت زلف کے مارے کو تو دریا میں ہنوز
سانپ کے کاٹے کو دیتے ہیں بہا تیسرے دن

نین دان چشم کے بیمار کا کر اپنے علاج
ہوتی معلوم ہے تاثیر دوا تیسرے دن

لوگ کہتے ہیں کہ ہیں پھول ترے کشتے کے
مہندی ہاتھوں میں تو قاتل نہ لگا تیسرے دن

عمر یک ہفتہ نہیں باغ میں اے گل! مت بھول
رنگ بدلے ہے زمانے کی ہوا تیسرے دن

چار حرف اس بتِ پرفن کے اوپر بھیج نظیرؔ
آپ سے آپ جو ہو جائے خفا تیسرے دن

○

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

جدا جو ہم کو کرے اس صنم کے کوچہ سے
الٰہی! راہ میں ایسا کوئی رقیب نہ ہو

علاج کیا کریں حکما، تپ جدائی کا
سوائے وصل کے اس کا کوئی طبیب نہ ہو

نظیرؔ اپنا تو معشوق خوب صورت ہے
جو حسن اس میں ہے، ایسا کوئی عجیب نہ ہو

○

تاب اس کے دیکھنے کی نہ لائے، چلے گئے
کیا کیا بڑے جوان تھے آئے، چلے گئے

دارا رہا، نہ جم، نہ سکندر سا بادشاہ
تختِ زمیں پر سینکڑوں آئے، چلے گئے

آدمؑ رہا، نہ کوئی پیمبر رہا یہاں
وہ بھی اسی زمیں میں سمائے، چلے گئے

عالم تھا یہ زلیخا کا یوسفؑ کی چاہ میں
رقعے ہزاروں بیاہ کے آئے، چلے گئے

مرزا غالبؔ

○

درد منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا، بُرا نہ ہوا

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اک تماشا ہوا، گلا نہ ہوا

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

زخم گر دب گیا، لہو نہ تھما
کام گر رُک گیا، روا نہ ہوا

رہزنی ہے کہ دل ستانی ہے
لے کے دل دلستاں روانہ ہوا

کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالبؔ غزل سرا نہ ہوا

○

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل جگر تشنۂ فریاد آیا

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

سادگی ہائے تمنّا، یعنی
پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا

زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی
کیوں ترا راہ گزر یاد آیا

کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی
گھر ترا خلد میں گر یاد آیا

آہ وہ جرأتِ فریاد کہاں
دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا

پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال
دلِ گم گشتہ، مگر یاد آیا

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

○

آہ کو چاہیے اک عمر، اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے، لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

پرتو خور سے ہے شبنم کو، فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

یک نظر بیش نہیں، فرصتِ ہستی غافل
گرمیِ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ، علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

○

وہ فراق، اور وہ وصال کہاں
وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

فرصتِ کاروبارِ شوق کسے
ذوقِ نظارۂ جمال کہاں!

دل تو دل، وہ دماغ بھی نہ رہا
شورِ سودائے خط و خال کہاں

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائیِ خیال کہاں

ایسا آساں نہیں لہو رونا
دل میں طاقت، جگر میں حال کہاں

ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق
واں جو جائیں، گرہ میں مال کہاں؟

فکرِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں
میں کہاں اور یہ وبال کہاں

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
وہ عناصر میں اعتدال کہاں

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں — خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں
یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں — لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں
تھیں بنات النعشِ گردوں دن کو پردے میں نہاں — شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں
قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر — لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں
سب رقیبوں سے ہوں ناخوش، پر زنانِ مصر سے — ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں
جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق — میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں
ان پری زادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام — قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں
نیند اس کی ہے، دماغ اس کا ہے، راتیں اس کی ہیں — تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں
میں چمن میں کیا گیا، گویا دبستاں کھل گیا — بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں
وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یا رب دل کے پار — جو مری کوتاہیِ قسمت سے مژگاں ہو گئیں
بس کہ روکا میں نے اور سینے میں ابھریں پے بہ پے — میری آہیں بخیۂ چاکِ گریباں ہو گئیں
واں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب — یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں
جاں فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آ گیا — سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں
ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم — ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں
رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج — مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یوں ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں

دیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم، غیر ہمیں اٹھائے کیوں

جب وہ جمالِ دل فروز، صورتِ مہرِ نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردے میں منہ چھپائے کیوں

دشنۂ غمزہ جاں ستاں، ناوکِ ناز بے پناہ
تیرا ہی عکسِ رخ سہی، سامنے تیرے آئے کیوں

قیدِ حیات و بندِ غم، اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

حسن اور اس پہ حسنِ ظن، رہ گئی بوالہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے، غیر کو آزمائے کیوں؟

واں وہ غرورِ عز و ناز، یاں یہ حجابِ پاسِ وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں، بزم میں وہ بلائے کیوں

ہاں! وہ نہیں خدا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
روئیے زار زار کیا، کیجیے ہائے ہائے کیوں

○

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

موت کا ایک دن معیّن ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں
میری آواز گر نہیں آتی

داغِ دل گر نظر نہیں آتا
بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی

کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

○

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
کاش! پوچھو کہ مدعا کیا ہے

ق

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں؟
غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے

شکنِ زلفِ عنبریں کیوں ہے
نگہ چشمِ سرمہ سا کیا ہے

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے، وفا کیا ہے

جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا، دعا کیا ہے

ہاں! بھلا کر ترا بھلا ہوگا
اور درویش کی صدا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

شرع و آئین پر مدار سہی
ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

چال جیسے کڑی کمان کا تیر
دل میں ایسے کے جا کرے کوئی

بات پر واں زبان کٹتی ہے
وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

نہ سنو اگر برا کہے کوئی
نہ کہو اگر برا کرے کوئی

روک لو اگر غلط چلے کوئی
بخش دو اگر خطا کرے کوئی

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند
کس کی حاجت روا کرے کوئی

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلا کرے کوئی

مدّت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کیے ہوئے

پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے

پھر گرمِ نالہ ہائے شرربار ہے نفس
مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کیے ہوئے

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

پھر بھر رہا ہوں خامۂ مژگاں، بخونِ دل
سازِ چمن طرازیِ داماں کیے ہوئے

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کیے ہوئے

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذرِ دلفریبیٔ عنواں کیے ہوئے

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے

اک نوبہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کیے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیرِ بارِ منتِ درباں کیے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

مومن

○

ہوئے نہ عشق میں جب تک وہ مہرباں نہ ہوا
بلائے جاں ہے وہ دل جو بلائے جاں نہ ہوا

خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب
ہزار شکر کہ اس دم وہ بدگماں نہ ہوا

ہنسے نہ غیر، مجھے بزم سے اُٹھانے پر
خنک ہے وہ کہ تری طبع پہ گراں نہ ہوا

دیت میں روزِ جزا لے رہیں گے قاتل کو
ہمارا جان کے جانے میں بھی زیاں نہ ہوا

وہ آئے بہرِ عیادت، تو تھا میں شادیٔ مرگ
کسی سے چارۂ بیدادِ آسماں نہ ہوا

تحمل نہیں ہے یہ چپ لذتِ ستم سے کہ میں
حریفِ کشمکشِ نالہ و فغاں نہ ہوا

[illegible] رہا روزِ حشر بھی یہی ذکر
ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا

[illegible] ہم پہ عنایت ہیں گونہ گونہ ستم
کبھی محبتِ دشمن کا امتحاں نہ ہوا

وہ حالِ زار ہے میرا کہ گاہ غیر سے بھی
تمہارے سامنے یہ ماجرا بیاں نہ ہوا

امیدِ وعدۂ دیدار، حشر پہ مومن
تو بے مزہ تھا کہ حسرت کشِ بتاں نہ ہوا

○

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج، راحت فزا نہیں ہوتا

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

اس نے کیا جانے، کیا کیا لے کر
دل کسی کام کا نہیں ہوتا

نارسائی سے دم رُکے، تو رُکے
میں کسی سے خفا نہیں ہوتا

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

حالِ دل یار کو لکھوں کیوں کر
ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا

رحم کر، خصمِ جانِ غیر نہ ہو
سب کا دل ایک سا نہیں ہوتا

دامن اس کا جو ہے دراز تو ہو
دستِ عاشق رسا نہیں ہوتا

چارۂ دل سوائے صبر نہیں
سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

کیوں سنے عرضِ مضطر اے مومن
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

رویا کریں گے آپ بھی پہروں اسی طرح
اٹکا کہیں جو آپ کا دل بھی مری طرح

مر چک کہیں کہ اس غمِ ہجراں سے چھوٹ جائے
کہتے تو ہیں بھلے کی، و لیکن بُری طرح

نے تابِ ہجر میں ہے، نہ آرام وصل میں
کم بخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح

لگتی ہیں گالیاں بھی ترے منہ سے کیا بھلی
قربان تیرے! پھر مجھے کہہ لے اسی طرح

پامال ہم نہ ہوتے فقط جورِ چرخ سے
آئی ہماری جان پہ آفت کئی طرح

نے جائے واں بنے ہے، نہ بن جائے چین ہے
کیا کیجیے! ہمیں تو ہے مشکل سبھی طرح

ہوں جاں بلب بتانِ ستم گر کے ہاتھ سے
کیا سب جہاں میں جیتے ہیں مومن اسی طرح

قہر ہے، موت ہے، قضا ہے عشق
سچ تو یہ ہے بری بلا ہے عشق!

اثرِ غم ذرا بتا دینا
وہ بہت پوچھتے ہیں: کیا ہے عشق؟

آفتِ جاں ہے کوئی پردہ نشیں
کہ مرے دل میں آ چھپا ہے عشق

بوالہوس اور لافِ جاں بازی
کھیل ہی کیا سمجھ لیا ہے عشق

سوجھے کیوں کر فریبِ دل داری
دشمنِ آشنا نما ہے عشق!

کس ملاحت سرشت کو چاہا
تلخ کامی پہ بامزا ہے عشق

ہم کو ترجیح تم پہ ہے، یعنی
دل رُبا حسن و جاں رُبا ہے عشق

دیکھیے! کس جگہ ڈبو دے گا
میری کشتی کا ناخدا ہے عشق

وصل میں احتمالِ شادی مرگ
چارہ گر! دردِ بے دوا ہے عشق

اب تو دل! عشق کا مزہ چکھا
ہم نہ کہتے تھے کیوں؟ برا ہے عشق!

آپ مجھ سے نباہیں گے، سچ ہے
باوفا حسن، بے وفا ہے عشق

قیس و فرہاد و وامق و مومن
مر گئے سب ہی، کیا وبا ہے عشق

○

اب اور سے لَو لگائیں گے ہم
جوں شمع تجھے جلائیں گے ہم

برباد نہ جائے گی کدورت
کیا کیا تری خاک اُڑائیں گے ہم

دل دے کے اک اور لالہ رُو کو
ہر داغ پہ داغ کھائیں گے ہم

لب کا ترے دعویٰ مسیحی،
مر اور پہ آزمائیں گے ہم

گر تیری طرف کو بے قراری
کھینچے گی تو لوٹ جائیں گے ہم

گر دیکھ کے ہنس دیا ہمیں تو
منہ پھیر کے مسکرائیں گے ہم

گر خواب میں آن کر جگایا
سوتے مُردے جگائیں گے ہم

آتا ہے گلے سے دھیان تیرے
خاطر میں ستم نہ لائیں گے ہم

بُت خانۂ چیں ہو گو ترا گھر
مومن ہیں تو پھر نہ آئیں گے ہم

○

کہتے ہو: تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہُوئے اِک جواب میں

رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص و عام
آباد ایک گھر ہے، جہانِ خراب میں!

آنکھ اس کی پھر گئی تھی، دل اپنا بھی پھر گیا
یہ اور انقلاب ہُوا، انقلاب میں!

بدنام میرے گریۂ رسوا سے ہو چکے
اب عذر کیا رہا نگہِ بے حجاب میں

مطلب کی جستجو نے یہ کیا حال کر دیا
حسرت بھی اب نہیں دلِ ناکامیاب میں

ناکامیوں سے کام رہا عمر بھر ہمیں
پیری میں یاس ہے، جو ہوس تھی شباب میں

دونوں کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش!
وہ ہی خط اس نے بھیج دیا کیوں جواب میں

تقدیر بھی بُری مری، تدبیر بھی بُری
بگڑے وہ پرسشِ سببِ اجتناب میں

کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں
بے بادہ مست ہوں میں شبِ ماہتاب میں

پیہم سجود، پائے صنم پر، دمِ وداع
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

○

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو لطف مجھ پہ تھے بیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نئے گلے، وہ شکایتیں، وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو، تو اشارتوں ہی سے گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ہوئے اتفاق سے گر بہم، تو وفا جتانے کو دم بدم
گلۂ ملامت اقربا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی، کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

سنو ذکر ہے کئی سال کا کہ کیا اک آپ نے وعدہ تھا
سو نباہنے کا تو ذکر کیا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کہا میں نے بات وہ کوٹھے کی، مرے دل سے صاف اتر گئی
تو کہا کہ جانے مری بلا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ بگڑنا وصل کی رات کا، وہ نہ ماننا کسی بات کا
وہ نہیں نہیں کی ہر آن ادا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ گنتے تھے آشنا، جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومنِ مبتلا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

○

اُلٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں، عذرِ جفا کے ساتھ

بہرِ عیادت آئے وہ، لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا، آوازِ پا کے ساتھ

بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے
اُٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ

وہ لالہ رو گیا نہ ہو گلگشتِ باغ کو
کچھ رنگ، بوئے گل کے عوض ہے صبا کے ساتھ

اس کی گلی کہاں؟ یہ تو کچھ باغِ خلد ہے
کس جائے مجھ کو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ

آتی ہے بوئے داغ، شبِ تارِ ہجر میں
سینہ بھی چاک ہو نہ گیا ہو، قبا کے ساتھ

تھے وعدے سے پھر آنے کے خوش یہ خبر نہ تھی
ہے اپنی زندگانی اسی بے وفا کے ساتھ

اللہ ری گمرہی، بت و بتخانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبہ کو اک پارسا کے ساتھ

ناوک انداز جدھر دیدۂ جاناں ہوں گے
نیم بسمل کئی ہوں گے، کئی بے جاں ہوں گے

تابِ نظارہ نہیں، آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر، جو حیراں ہوں گے

تو کہاں جائے گی، کچھ اپنا ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خوابِ عدم میں شبِ ہجراں ہوں گے

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے ارماں ہوں گے

ہم نکالیں گے سن اے موجِ ہوا، بل تیرا
اس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہوں گے

منتِ حضرتِ عیسیٰؑ نہ اُٹھائیں گے کبھی
زندگی کے لئے شرمندۂ احساں ہوں گے

پاک پردہ سے یہ غمزے ہیں، تو اے پردہ نشیں!
ایک میں کیا کہ سبھی چاک گریباں ہوں گے

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی
پھر وہی پاؤں، وہی خارِ مغیلاں ہوں گے

سنگ اور ہاتھ وہی، وہ ہی سر و داغِ جنوں
وہی ہم ہوں گے، وہی دشت و بیاباں ہوں گے

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

○

وہ کہاں ساتھ سلاتے ہیں مجھے
خواب کیا کیا نظر آتے ہیں مجھے

اُس پری وش سے لگاتے ہیں مجھے
لوگ دیوانہ بناتے ہیں مجھے

یارب! اُن کا بھی جنازہ اُٹھے
بار اُس کو سے اُٹھاتے ہیں مجھے

بے وفائی کا عدو کی ہے گلا
لطف میں بھی وہ ستاتے ہیں مجھے

حیرتِ حسن سے یہ شکل بنی!
کہ وہ آئینہ دکھاتے ہیں مجھے

پھونک دے آتشِ دل، داغ مرے
اُس کی خو یاد دلاتے ہیں مجھے

گر کہے غمزہ، کسے قتل کروں
تو اشارت سے بتاتے ہیں مجھے

میں تو اس زلف کی بو پر غش ہوں
چارہ گر مشک سنگھاتے ہیں مجھے

شعلہ رُو کہتے ہیں اغیار کو وہ
اپنے نزدیک جلاتے ہیں مجھے

جاں گئی، پر نہ گئی جور کشی
بعد مردن بھی دباتے ہیں مجھے

وہ جو کہتے ہیں مجھے آگ لگے
مژدۂ وصل سناتے ہیں مجھے

اب یہ صورت ہے کہ اے پردہ نشیں
تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے

مومن اور دیر، خدا خیر کرے!
طور بیڈھب نظر آتے ہیں مجھے

ذوق

اسے ہم نے بہت ڈھونڈا، نہ پایا
اگر پایا، تو کھوج اپنا نہ پایا!

مقدر ہی پہ گر سود و زیاں ہے!
تو ہم نے یاں نہ کچھ کھویا، نہ پایا

رہا ٹیڑھا مثالِ نیشِ کژدم
کبھی کج فہم کو سیدھا نہ پایا

احاطے سے فلک کے ہم تو باہر
نکل جاتے، مگر رستا نہ پایا!

جہاں دیکھا، کسی کے ساتھ دیکھا
کبھی ہم نے تجھے تنہا نہ پایا

کہے کیا ہائے زخمِ دل ہمارا
دہن پایا، لبِ گویا نہ پایا!

کبھی تو، اور کبھی تیرا رہا غم
غرض خالی دلِ شیدا نہ پایا

نظیر اس کا کہاں عالم میں اے ذوق
کہیں ایسا نہ پائے گا، نہ پایا

کسی بےکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا
جو آپ ہی مر رہا ہو، اس کو گر مارا تو کیا مارا

نہ مارا آپ کو، جو خاک ہو اکسیر بن جاتا
اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

نہیں وہ قول کا سچا، ہمیشہ قول دے دے کر
جو اس نے ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا تو کیا مارا

ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہے مثلِ قلقلِ مینا
کسی نے قہقہہ اے بےخبر مارا تو کیا مارا

دلِ سنگینِ خسرو پر بھی ضرب اے کوہکن پہنچا
اگر تیشہ سرِ کہسار پر مارا تو کیا مارا

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے پر
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

دلِ بدخواہ میں تھا مارنا، یا چشمِ بدبیں میں
فلک پر ذوق تیرِ آہ گر مارا تو کیا مارا

○

کیا آئے تم جو آئے گھڑی دو گھڑی کے بعد
سینے میں ہوگی سانس اڑی دو گھڑی کے بعد

کیا روکا اپنے گریہ کو ہم نے کہ لگ گئی!
پھر وہ ہی آنسوؤں کی جھڑی دو گھڑی کے بعد

کوئی گھڑی اگر وہ ملائم ہوئے تو کیا
کہہ بیٹھیں گے پھر ایک کڑی دو گھڑی کے بعد

کہتا رہا کچھ اُن سے عدو دو گھڑی تلک!
غماز نے پھر اور جڑی دو گھڑی کے بعد

تھے دو گھڑی سے شیخ جی شیخی بگھارتے
ساری وہ شیخی اُن کی جھڑی دو گھڑی کے بعد

○

ہاں! آ قاتل دمِ ناوک فگنی خوب نہیں
ابھی چھاتی مری تیروں سے چھلنی خوب نہیں!

گل پریشاں ہوا ہنس کے چمن میں آخر!
دیکھ لے غنچہ یہاں خندہ زنی خوب نہیں

یہ نہیں شیشۂ مے، ہے کسی مے خوار کا دل
محتسب! دیکھ، نہ کر دل شکنی خوب نہیں

بات تو ہم نے بنائی تھی وہاں خوب، مگر
تھی جو بگڑی ہوئی قسمت تو بنی خوب نہیں

خلشِ خار کا کھٹکا ہے بغل میں موجود
دیکھ اے گل! دعوئے نازک بدنی خوب نہیں

○

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

ناخن نہ دے خدا تجھے اے پنجۂ جنوں
دے گا تمام عقل کے بخیے اُدھیڑ تو

اے زاہد دو رنگ نہ پیرا آپ کو بنا
مانندِ صبحِ کاذب ابھی ہے ادھیڑ تو

اس صیدِ مضطرب کو تأمل سے ذبح کر
دامان و آستیں نہ لہو میں لتھیڑ تو

آوارگی سے کوئے محبت کی ہاتھ اٹھا
اے ذوق یہ اٹھا نہ سکے گا کھکیڑ تو

●

○

تیز اس سے ہے جو کی تیغِ ستم اور زیادہ
مشتاقِ شہادت ہوئے ہم اور زیادہ

کچھ کی رقمِ شوق نے تاثیر جو پیدا
اُٹھنے لگا قاصد کا قدم اور زیادہ

دشمن کی نہ جا سیدھی نگاہوں پہ کہ جوں تیغ !
سیدھی ہے تو اک اس میں ہے خم اور زیادہ

ہے نکہتِ ریحاں کا دماغ اب کسے تجھ بن
آتا ہے مرا ناک میں دم اور زیادہ !

ہے باغِ جہاں میں تجھے گر ہمتِ عالی
کر گردنِ تسلیم کو خم اور زیادہ !

جو کنجِ قناعت میں ہیں، تقدیر پہ شاکر
ہے ذوق برابر انہیں کم اور زیادہ

○

ترے کوچے کو وہ بیمارِ غم دارالشفا سمجھے
اجل کو جو طبیب اور مرگ کو اپنی دوا سمجھے

وہی کچھ تلخ کام اس زندگانی کا مزا سمجھے
کہ جو زہرابِ تیغِ یار کو آبِ بقا سمجھے

ستم کو ہم کرم سمجھے، جفا کو ہم وفا سمجھے
اور اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اس بت سے خدا سمجھے

تجھے اے سنگ دل! آرامِ جانِ مبتلا سمجھے
پڑیں پتھر سمجھ پر ایسی، ہم سمجھے تو کیا سمجھے!

حسابِ اصلا نہ پوچھے مجھ سے میرے دل کے زخموں کا
حسابِ دوستاں در دل اگر وہ دل ربا سمجھے!

محبت سے ذرا گر موم ہو اس دل شکن کا دل
دلِ اشکستہ میرا اپنے حق میں مومیا سمجھے

عدو آیا ہے بن کر نامہ بر، لکھا نصیبوں کا!
کریں گے سے کے خط کیا؟ مدعی سے مدعا سمجھے

کشادِ کار ہم نے پنجۂ تقدیر کو سونپا!
خرد کے تیز ناخن، ناخنِ انگشتِ پا سمجھے

سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے کوئی بات ذوق اس کی
کوئی جانے تو کیا جانے، کوئی سمجھے، تو کیا سمجھے

○

خوب روکا شکایتوں سے مجھے
تو نے مارا عنایتوں سے مجھے

کہتے کیا کیا ہیں دیکھ تو اغیار
یار! تیری حمایتوں سے ہمیں

واجب القتل اس نے ٹھہرایا
آیتوں سے روایتوں سے مجھے

سمجھے ہے واجب الرعایت دوست
دشمنوں کی رعایتوں سے مجھے

کرنہ گریے میں تو کمی، اے چشم!
شوق کم ہے کفایتوں سے مجھے

○

الٰہی کس بے گناہ کو مارا، سمجھ کے قاتل نے کشتنی ہے
کہ آج کوچے میں شور اس کے بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتِی ہے

زمیں پہ نورِ قمر کے گرنے سے صاف اظہارِ روشنی ہے
کہ ہیں جو روشن ضمیر اُن کا فروغ، اُن کی فروتنی ہے

بشر جو اس تیرہ خاکداں میں پڑا، یہ اس کی فروتنی ہے
وگرنہ قندیلِ عرش میں بھی اسی کے جلوے کی روشنی ہے

ہوئے ہیں تر گریۂ ندامت سے اس قدر آستین و دامن!
کہ میری تردامنی کے آگے عرق عرق پاک دامنی ہے

ہوئے ہیں اس اپنی سادگی سے ہم آشنا جنگ و آشتی سے
اگر نہ ہو یہ تو پھر کسی سے نہ دوستی ہے نہ دشمنی ہے

نہیں ہے قانع کو خواہشِ زر، وہ مفلسی میں بھی ہے تونگر
جہاں میں مانندِ کیمیاگر، ہمیشہ محتاج دلِ غنی ہے!

کوئی ہے کافر کوئی مسلماں، جدا ہے ہر اک کی راہِ ایماں
جو اس کے نزدیک رہ بری ہے وہ اس کے نزدیک رہزنی ہے

○

ابرِ تر، آنسو بہانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
برقِ مضطر، تلملانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

خط میں لکھوا کر انہیں بھیجا تو مطلع درد کا!
دردِ دل اپنا جتانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

تیغ تو اوچھی پڑی تھی، گر پڑے ہم آپ سے
دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

واں سے ابروئے یہاں گردن پہ پھیری ہم نے تیغ
بات کا ایسا بھی پانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

سن کے آمد ان کی از خود رفتہ ہو جاتے ہیں ہم
پیشوا لینے کو جانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

ہم نے پہلے ہی کہا تھا، تو کرے گا ہم کو قتل
تیوروں کا تاڑ جانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

کیا ہوا اے ذوق! ہیں جوں مردمک ہم روسیاہ
لیک آنکھوں میں سمانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

بہادر شاہ ظفر

○

یا مجھے افسرِ شاہانہ بنایا ہوتا
یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا

اپنا دیوانہ بنایا مجھے ہوتا تو نے
کیوں خرد مند بنایا، نہ بنایا ہوتا

خاکساری کے لئے گرچہ بنایا تھا مجھے
کاش! خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا

نشۂ عشق کا گر ظرف دیا تھا مجھ کو
عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا

صوفیوں کے جو نہ تھا لائقِ صحبت تو مجھے
قابلِ جلسۂ رندانہ بنایا ہوتا

تھا جلانا ہی اگر دوریِ ساقی سے مجھے
تو چراغِ درِ میخانہ بنایا ہوتا

شعلۂ حسن چمن میں نہ دکھایا اس نے
ورنہ بلبل کو بھی پروانہ بنایا ہوتا

روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفر
ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا

○

دیا اپنی خودی کو جو ہم نے اٹھا، وہ جو پردہ سا بیچ میں تھا، نہ رہا
رہے پردہ میں اب نہ وہ پردہ نشیں، کوئی دوسرا اس کے سوا نہ رہا

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر، رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر، تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

ترے رخ کے خیال میں کون سے دن اٹھے مجھ پہ نہ فتنۂ روزِ جزا
تری زلف کے دھیان میں کون سی شب مرے سر پہ ہجوم بلا نہ رہا

ہمیں ساغرِ بادہ کے دینے میں اب کرے دیر جو ساقی تو ہائے غضب
کہ یہ عہدِ نشاط، یہ دورِ طرب، نہ رہے گا جہاں میں سدا، نہ رہا

کئی روز میں آج وہ ماہ لقا، ہوا میرے جو سامنے جلوہ نما
مجھے صبر و قرار ذرا نہ رہا، اسے پاسِ حجاب و حیا نہ رہا

ترے خنجر و تیغ کی آبِ رواں، ہوئی جب کہ سبیلِ ستم زدگاں
گئے کتنے ہی قافلے خشک زباں، کوئی تشنۂ آبِ بقا نہ رہا

مجھے صاف بتائے نگار اگر تو یہ پوچھوں میں رو کے خونِ جگر
ملے پاؤں سے کس کے ہیں دیدۂ تر، کفِ پا پہ جو رنگِ حنا نہ رہا

اسے چاہا تھا میں نے کہ روک رکھوں مری جان بھی جائے تو جانے نہ دوں
کئے لاکھ فریب، کروڑ فسوں، نہ رہا، نہ رہا، نہ رہا، نہ رہا

لگے یوں تو ہزاروں ہی تیر ستم کہ تڑپتے رہے پڑے خاک پہ ہم
ولے ناز و کرشمہ کی تیغ دودم لگی ایسی کہ تسمہ لگا نہ رہا

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا، ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

○

کسی نے اس کو سمجھایا تو ہوتا
کوئی یاں تک اسے لایا تو ہوتا

مزا رکھتا ہے زخم خنجر عشق
کبھی اے بوالہوس کھایا تو ہوتا

یہ نخل آہ ہوتا بید ہی کاش!
نہ ہوتا گو ثمر سایا تو ہوتا

جو کچھ ہوتا سو ہوتا تو نے تقدیر
وہاں تک مجھ کو پہنچایا تو ہوتا

کیا کس جرم پر تو نے مجھے قتل
ذرا تو دل میں شرمایا تو ہوتا

دل اس کی زلف میں الجھا ہے کب سے
ظفر اک روز سلجھایا تو ہوتا

○

نہ ہرگز درد دل سے میں کراہا
غرض پوشیدہ الفت کو نباہا

محبت کے یہ معنی ہیں کہ میں نے
وہی چاہا کہ جو کچھ تو نے چاہا

فقیروں سے نہ پوچھو لذت عشق
اہاہاہا! اہاہاہا!! اہا ہا!!!

صرفت العمر فی لہو ولعب
فآہا! ثم آہا!! ثم آہا!!!

ظفر کو باز رکھ اعمال بد سے
خطا بخشا! کرم گارا! الٰہا

یار تھا، گلزار تھا، مے تھی، فضا تھی، میں نہ تھا
لائقِ پابوسِ جاناں، کیا حنا تھی، میں نہ تھا

ہاتھ کیوں باندھے مرے چھلّا اگر چوری گیا
یہ سراپا شوخیٔ دزدِ حنا تھی، میں نہ تھا

بے خودی میں لے لیا بوسہ، خطا کیجے معاف
یہ دلِ بے تاب کی ساری خطا تھی، میں نہ تھا

ہائے ساقی! یہ ہو ساماں اور عاشق واں نہ ہو
یار تھا، سبزہ تھا، بدلی تھی، ہوا تھی، میں نہ تھا

میں سسکتا رہ گیا اور مر گئے فرہاد و قیس
کیا انہیں دونوں کے حصے میں قضا تھی، میں نہ تھا

میں نے پوچھا کیا ہوا وہ آپ کا حسن و شباب
ہنس کے بولا وہ صنم، شانِ خدا تھی، میں نہ تھا

اے ظفر یہ دل پہ میرے داغ کیسا رہ گیا
خانہ باغِ یار میں خلقِ خدا تھی، میں نہ تھا

پسِ مرگ میرے مزار پر جو دیا کسی نے جلا دیا
اسے آہ دامنِ باد نے سرِ شام ہی سے بجھا دیا

مجھے دفن کرنا تو جس گھڑی، تو یہ اس سے کہنا کہ اے پری
وہ جو تیرا عاشقِ زار تھا، تہِ خاک اس کو دبا دیا

دمِ غسل سے مرے پیشتر اسے ہمدموں نے یہ سوچ کر
کہیں جاوے اس کا نہ دل دہل، مری لاش پر سے ہٹا دیا

مری آنکھ جھپکی تھی ایک پل، مرے دل نے چاہا کہ اٹھ کے چل
دلِ بے قرار نے او میاں! وہیں چٹکی لے کے جگا دیا

میں نے دل دیا، میں نے جان دی، مگر آہ تو نے نہ قدر کی
کسی بات کو جو کبھی کہا، اسے چٹکیوں میں اڑا دیا

ں

جلایا آپ ہم نے ضبط کر کے آہِ سوزاں کو
جگر کو، سینے کو، پہلو کو، دل کو، جسم کو، جاں کو

ہمیشہ کنجِ تنہائی میں ہم مونس سمجھتے ہیں
الم کو، یاس کو، حسرت کو، بیتابی کو، حرماں کو

ترے اندام و روی و قد و زلف و خط سے ہے خجلت
سمن کو، ارغواں کو، سرو کو، سنبل کو، ریحاں کو

جگہ کن کن کو دوں دل میں ترے ہاتھوں سے اے قاتل
کٹاری کو، چھری کو، بانک کو، خنجر کو، پیکاں کو

ترے دندان و لب نے کر دیا بے قدر عالم میں
گہر کو، لعل کو، یاقوت کو، ہیرے کو، مرجاں کو

لڑا کر آنکھ اُس سے ہم نے دشمن کر لیا اپنا
نگہ کو، ناز کو، انداز کو، ابرو کو، مژگاں کو

نہیں قلقل، دعا دیتا ہے شیشہ دم بدم ساقی
سبُو کو، خُم کو، مے کو، مے کدہ کو، مے پرستاں کو

نہ ہو جب تو ہی اے ساقی بھلا پھر کیا کرے کوئی
ہوا کو، ابر کو، گُل کو، چمن کو، صحنِ بستاں کو

بنایا اے ظفر خالق نے کب انسان سے بہتر
ملک کو، دیو کو، جن کو، پری کو، حور و غلماں کو

ہ

بہار آئی ہے، بھر دے بادۂ گلگوں سے پیمانہ
رہے لاکھوں برس ساقی ترا آباد مے خانہ

اسی رشکِ پری پر جان دیتا ہوں میں دیوانہ
ادا جس کی ہے بانکی، ترچھی چتون، چال مستانہ

نبھے کیوں کر مرے اور اس پری پیکر کے یارانہ
وہ بے پروا، میں سودائی، وہ سنگیں دل میں دیوانہ

مجھے آنا ملے کیوں کر تری محفل میں جانانہ
مری صورت فقیرانہ، ترا دربار شاہانہ

غزالِ دشت بولے دیکھ کر مجنوں کی میت کو
بڑا وحشی مر گیا بس ہو چکا آباد ویرانہ

ہمارے اور تمہارے عشق کا چرچا ہے شہر شہر
کوئی سنتا نہیں اب لیلیٰ و مجنوں کا افسانہ

گذر یارب گلستاں میں ہوا ہے کس شرابی کا
کہ شاخیں جھومتی ہیں، نالۂ بلبل ہے مستانہ

ظفر وہ زاہدِ بے درد کی ہو حق سے بہتر ہے
کرے گر رند دردِ دل سے [illegible] مستانہ

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

لے گیا چھین کے کون آج ترا صبر و قرار
بے قراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی

تری آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو
کہ طبیعت مری مائل کبھی ایسی تو نہ تھی

عکسِ رخسار نے کس کے ہے تجھے چمکایا
تاب تجھ میں مہِ کامل کبھی ایسی تو نہ تھی

کیا سبب تو جو بگڑتا ہے ظفر سے ہر بار
خو تری حورِ شمائل کبھی ایسی تو نہ تھی

تری جو پازیب سر کا جھومر، زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر
ہوئے ہیں جلوہ نما چمک کر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

وفور اشکوں کا ہے ہمارے نکلتے نالوں میں یاں شرارے
نہ کیوں کہ ہوں عرش پر نچھاور زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

بھبھوکے پاؤں میں ہیں نمایاں، تو سر پہ داغِ جنوں فراواں
نہ دیکھیں دیوانے تیرے کیوں کر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

ذرا جبینِ عرق فشاں پر تو اپنی، افشاں دکھا دے چن کر
کہ تا نظر آویں ماہ پیکر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

نہ سبزہ و گل نہ جوشِ شبنم نہ چمکے جگنو ہوا پہ جس دم
نظر شب آتے تھے مجھ کو میسر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

ادھر تو نوارے چھوٹتے ہیں ادھر ہیں اشجار پر چراغاں
بنی ہے سیر اک چمن کے اندر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

زمیں نہایت ہی تھی یہ مشکل ظفر ہے استاد پر وہ کامل
غرض دکھا دی وہی بنا کر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

شیفتہ

○

جفا و جور کا اس سے گلا کیا
جو پوچھے: مہربانی کیا، وفا کیا؟

وہ بے پروا، جواب نامہ لکھے
خدا جانے کہ دشمن نے لکھا کیا

نہ لکھنا تھا، عسم ناکامئ عشق
جوابِ نامۂ بے مدعا کیا

ہمیں تھا آپ قصد عرض احوال
جو وہ خود پوچھتے ہیں، پوچھنا کیا

قطعہ

کہا کل میں نے اے سرمایۂ ناز!
تلون سے ہے تم کو مدعا کیا

کبھی مجھ پر عتابِ بے سبب کیوں
کبھی بے وجہ غیروں سے وفا کیا

کبھی محفل میں وہ بے باکیاں کیوں
کبھی خلوت میں یہ شرم و حیا کیا

کبھی تمکینِ صولت آفریں کیوں
کبھی الطافِ جرأت آزما کیا

کبھی وہ طعنہ ہائے جاں گزا کیوں
کبھی یہ غمزہ ہائے جاں فزا کیا

کبھی شعروں سے میرے نغمہ سازی
کبھی کہنا کہ یہ تم نے کہا کیا

کبھی بے جرم یہ آزردہ ہونا
کہ کیا طاقت جو پوچھوں میں خطا کیا

کبھی اس دشمنی پر بہرِ تسکیں
پئے ہم جلوہ ہائے دل رُبا کیا

یہ سب طول اس نے سن کر بے تکلف
جواب اک مختصر مجھ کو دیا کیا

ابھی اے شیفتہ واقف نہیں تم
کہ باتیں عشق میں ہوتی ہیں کیا کیا

○

اٹھے نہ چھوڑ کے ہم آستانِ بادہ فروش
طلسم ہوش رُبا ہے دکانِ بادہ فروش

کھلا جو پردۂ روئے حقائقِ اشیا
کھلی حقیقتِ رازِ نہانِ بادہ فروش

فسردہ طینتی و کاہلی سے ہم نے کبھی
شباب میں بھی نہ دیکھی دکانِ بادہ فروش

قدح سے دل ہے مراد اور مے سے عشق غرض
میں وہ نہیں کہ نہ سمجھوں زبانِ بادہ فروش

عجب نہیں کہ کسی روز وہ بھی آ نکلیں
کہ ہے گزرگہِ خلق آستانِ بادہ فروش

مے و سرود کے اسرار آپ آ کر دیکھ
نہ پوچھ مجھ سے کہ ہوں رازدانِ بادہ فروش

شراب دیکھ کہ کس رنگ کی پلاتا ہے
جز اس کے اور نہیں امتحانِ بادہ فروش

تری شمیم نے گلزار کو کیا برباد
تری نگاہ نے کھوئی دکانِ بادہ فروش

عبث ہے شیفتہ ہر اک سے پوچھتے پھرنا
ملے گا بادہ کشوں سے نشانِ بادہ فروش

… ہے مطربوں کی لے میں
… مری ہوئی ہے سنے میں

… مہک رہی ہے بلبل
… ما ہوا ہے مے میں

… ست بہار ہو رہا ہے
… کی بو ہر ایک شے میں

… ہے مستی نیم جام کا ڈر
… ہے جام پے بہ پے میں

… نشیں قدم نہ رکھیں
… بسم و بارگاہ کے میں

… شیفتہ یہ غزل ہے آفت
… درد ہے مطربوں کی لے میں

گرم جوشی ہے، مگر فرق نشارت میں نہیں — پھر طلس بات میں طعنہ کس اشارت میں نہیں

رات ساقی نے کہا ہیں کے یہ سب جلوے ہیں — وہ عبارت میں نہیں اور اشارت میں نہیں

ہم کو مقصد سے زیادہ ہے ادب ہیں کوشش — ورنہ کچھ غیر سوا ہم سے جسارت میں نہیں

رند فارغ بھی ہوئے جام سحر گاہی سے — اور زاہد ابھی آہنگ طہارت میں نہیں

فرحتِ نفس جو وہ ہے تو یہ ہے راحتِ روح — کیا بزرگی میں مزہ ہے جو حقارت میں نہیں

اہلِ دانش کے فوائد کی تو کیا بات، مگر — غور سے دیکھو تو عاشق بھی خسارت میں نہیں

جام مے دے کہ وہاں کام پڑا ہے مجھ کو — کہ صبا کو بھی جہاں دخل سفارت میں نہیں

قتل و غارت کہ سمجھتے ہو جسے امرِ عظیم — یہ تو داخل بھی وہاں ناز و شرارت میں نہیں

دل کے بدلے میں طلب کا نہیں کچھ تم سے
شیفتہ زمرۂ اصحاب تجارت میں نہیں

○

مت چھیڑ کہ یار سے جدا ہوں
اے مرگ! میں آپ مر رہا ہوں

ممکن نہیں بن ملے، نباہوں
بیگانہ آشنا نما ہوں!

لیلیٰ کہے سے بگڑ گئے تھے
دیوانہ میں جان کر بنا ہوں

کہتا ہوں جو غیر سے نہ ملئے
کہتا ہے کہ کیا میں بے وفا ہوں

روشن ہے مری سیاہ بختی
منت کش سایۂ ہما ہوں!

بیگانہ وشی ستم ہے ان کی
غیروں کو بھی یار جانتا ہوں

اس غیرتِ گل سے ربط معلوم
ہر چند میں ہمدم صبا ہوں

ہمدم! نہ سہی محبت اس کو
اس بات پہ کیا اسے نہ چاہوں

مکشوف ہوا فروغِ مے سے
ذرہ میں کس آفتاب کا ہوں

میں شیفتہ ہوں عزیز دل ہا
شیریں گفتار، خوش نوا ہوں۔

○

ہے گونہ گونہ شک ابھی عفوِ گناہ میں
جو ہے زبان پر، وہ نہیں ہے نگاہ میں

تمکینِ اضطراب ہے، بیدادِ التفات
کیا شوخئ اثر ہے سراسیمہ آہ میں

ہر خار و خس ہے وجد میں، ہر سنگ وحشت مست
کیا مے کشوں نے آ کے کہا خانقاہ میں؟

دشمن سے بھی زیادہ ہے، گو دوست کیوں نہ ہو
مل جائے جو کوئی ترے کوچہ کی راہ میں

عنقا و دل فریب کا اللہ رے لطفِ عام
بے زخم ایک صید نہیں صید گاہ میں

دن رات جلوے دیکھتے ہیں مہر و ماہ کے
یہ روشنی نہ مہر میں دیکھی، نہ ماہ میں

تجھ کو نظر نہ آئے، تو اپنا علاج کر
ہے مرغزار جلوہ نما برگِ کاہ میں

دھوکا مجھی کو صرف نہیں میلِ یار کا
دیکھا بڑے بڑوں کو اسی اشتباہ میں

ہر شیوہ اس کا اپنی جگہ میں تمام ہے
اعجاز بات میں ہے، تو جادو نگاہ میں

افسردہ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفتہ
طاعت میں کچھ مزہ ہے نہ لذت گناہ میں

○

شوخی نے تیری لطف نہ رکھا حجاب میں
جلوے نے تیرے آگ لگائی نقاب میں

آ نغمہ گر، بچرخ میں لا آسمان کو
آ رقص کر، زمیں کو ڈال اضطراب میں

نے مہر کا فروغ ہے واں جلوہ گاہ میں
نے باغ کی شمیم ہے واں رختِ خواب میں

وہ قطرہ ہوں کہ موجۂ دریا میں گم ہوا
وہ سایہ ہوں کہ محو ہوا آفتاب میں

سالک کی یہ مراد کہ مجھ سا ہو نفس بھی
رہزن کو یہ خیال کہ رہرو ہو خواب میں

اس صوتِ جاں نواز کا ثانی بنا نہیں
کیا ڈھونڈتے ہو بربط و عود و رباب میں

اے وائے! روزِ حشر اگر ہم سے ہو سوال
جو کچھ کیا ہے ہم نے شبِ ماہتاب میں

شرمِ گنہ، نہ بیمِ عقوبت، یہ رنج ہے
بے سنے اٹھائی اس نے اذیت عتاب میں

لڑتی نہ جائے آنکھ جو ساقی سے شیفتہ
ہم کو تو خاک لطف نہ آئے شراب میں

○

کیوں کر سب مجھے خط یہ رقم کریں گے
کیا غیر کا سر قلم کریں گے

ہم پیشہ ہے اضطراب و شوخی
کس واسطے مجھ سے رم کریں گے

اُن کی بھی بُری ہے بے قراری
اب آپ سے اُنس کم کریں گے

مرنے کا ڈر ہے نہ ذکر کرنا
قاصد! وہ بہت الم کریں گے

آرام کی فکر اب ہوئی ہے
تم سے نہ ہوا، وہ ہم کریں گے

دلّی میں تو شیفتہ ہے استاد
ہم قصد سوئے عجم کریں گے

سحر گئے جو وہ گلگشتِ گلستاں کے لئے
صبا تپش میں ہے گل نے بے خزاں کے لئے

انہیں ہے ہم سے محبت عمل کی کیا حاجت
اثر کرو تو کرو ان کے پاسباں کے لئے

وہ اپنے باغ میں ہم کو ضرور رکھے گا
جو بلبلوں کو نہ دے حکم آشیاں کے لئے

کرم کرم نہ سمجھ، گر کسی غرض سے ہو
ستم ستم نہ سمجھ گر ہو امتحاں کے لئے

کب آپ آنے کہ طاقت نہیں اشارے کی
کب آپ آئے کہ جنبش نہیں زباں کے لئے

نہ میکدہ میں ترانہ، نہ خانقہ میں سماع
دعائے خیر ہے اس آفتِ جہاں کے لئے

زیاں ہے عشق میں ہم خود بھی جانتے ہیں، مگر
معاملہ ہی کیا ہوا گہ زیاں کے لئے ؟

ہمارے ساتھ ہیں وہ موشگافیاں کہ نہ پوچھ
یہ نکتہ بس ہے کہ آفت ہے نکتہ داں کے لئے

اثر اگرچہ بنا بہرِ نازِ دل کشِ دوست
مگر کچھ اپنی بھی آہِ جگر فشاں کے لئے

یہ ضبط راز کی تعلیم شیفتہ بے جا
زبان ہم کو ملی ہے اگر بیاں کے لئے

بچتے ہیں اس قدر جو اُدھر کی ہوا سے ہم
واقف ہیں شیوۂ دلِ شورش ادا سے ہم

چلتے ہیں میکدہ کو، کہاں یہ عزیز واں
رخصت تو ہو لیں کبر و نفاق و ریا سے ہم

اے جوشِ رشکِ قربِ عدو، اب تو مت اٹھا
بیٹھے ہیں دیکھ بزم میں کس التجا سے ہم

ہے جامہ پارہ پارہ، دل و سینہ چاک چاک
دیوانہ ہو گئے گلِ جیبِ قبا سے ہم

کیا جانتے تھے صبح وہ محشر قد آئے گا
شامِ شبِ فراق نہ مرتے بلا سے ہم

بیگانہ جب سے یار ہوا ہے رقیب سے
امید قطع کر چکے، ہر آشنا سے ہم

بلبل یہ کہہ رہی ہے سرِ شاخسار پر
بدمست ہو رہے ہیں چمن کی ہوا سے ہم

کم التفات ہم سے سمجھتے ہیں اہلِ بزم
شرمندہ ہو گئے تری شرم و حیا سے ہم

ہاں شیفتہ پھر اس میں نصیحت ہی کیوں نہ ہو
سنتے ہیں حرفِ تلخ کو سمعِ رضا سے ہم

ناسخ لکھنوی

○

مرا سینہ ہے مشرق آفتابِ داغِ ہجراں کا
طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا

چمکنا برق کا لازم پڑا ہے آبِ باراں میں
تصوّر چاہیے رونے میں اس کے روئے خنداں کا

کفن کی جب سفیدی دیکھتا ہوں کنجِ مرقد میں
تو عالم یاد آتا ہے شبِ مہتابِ ہجراں کا

دیا میرے جنازے کو جو کاندھا اس پری رو نے
گماں ہے تختۂ تابوت پر تختِ سلیماں کا

وہ شوخِ فتنہ انگیز اپنی خاطر میں سمایا ہے
کہ اک گوشہ ہے صحرائے قیامت اس کے داماں کا

دمِ شمشیرِ قاتل کس قدر بشاش تھا ناسخ
کہ عالم ہر دہانِ زخم پر ہے روئے خنداں کا

○

ساتھ اپنے جو مجھے یار نے سونے نہ دیا
رات بھر مجھ کو دلِ زار نے سونے نہ دیا

خواب ہی میں نظر آتا وہ شبِ ہجر کہیں
سو مجھے حسرتِ دیدار نے سونے نہ دیا

خفتگی بخت کی کیا کہیے کہ جز خوابِ عدم
عمر بھر دیدۂ بیدار نے سونے نہ دیا

یہی صیاد گلا کرتا ہے میرا، ہر صبح
نالۂ مرغِ گرفتار نے سونے نہ دیا

سمجھے تھے بعدِ فنا پائیں گے راحت ناسخ
حشر تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا

○

کیوں دکھائی اے فلک بے یار صبح
ہے شفق سے مجھ پہ آتش بار صبح

یاں کسی خورشید رو کی یاد میں
ہوتی ہے ہر رات سو سو بار صبح

زلف سے رخسار کو ہوتا ہے ربط
کیوں شب فرقت سے ہے بیزار صبح

وصل کا ساماں ہے آج اے فلک!
شام سے کر پیشتر تیار صبح

حسن کا عالم بھی کیا عالم ہے واہ
زلفِ جاناں شام ہے، رخسار صبح

وصل میں تھا صبح سے بیزار میں
ہجر کی شب، مجھ سے ہے بیزار صبح

شام کیا ہو تیرے گھر میں باریاب
نور سے ہیں سایۂ دیوار صبح

ہے یہاں کس کو شبِ فرقت میں ہوش
ہو چکی ہو گی ہزاروں بار صبح

○

تو مجھ سے ہو ہم کنار قاصد
کر لوں میں تجھ کو پیار قاصد

بر آئی ترے قدم کی دولت
امید امیدوار قاصد

آنکھوں سے نکالوں، پاؤں پھیلا
گر کوئی چبھا ہو خار قاصد

گر جان بھی دوں تجھے تو کم ہے
ہوں سخت میں شرمسار قاصد

ناسخ بھی تجھ سے پوچھتا ہے
کیسا ہے مزاجِ یار قاصد

○

سب ہمارے لیے زنجیر لیے پھرتے ہیں
ہم سرِ زلف گرہ گیر لیے پھرتے ہیں

کون تھا صیدِ وفادار کہ اب تک صیاد
بال و پر اس کے ، ترے تیر لیے پھرتے ہیں

تیری صورت سے کسی کی نہیں ملتی صورت
ہم جہاں میں تری تصویر لیے پھرتے ہیں

جو ہے مرتا ہے بھلا کس کو عداوت ہوگی
آپ کیوں ہاتھ میں شمشیر لیے پھرتے ہیں

○

دل میں پوشیدہ تپِ عشقِ بتاں رکھتے ہیں
آگ ہم سنگ کی مانند نہاں رکھتے ہیں

مثلِ پروانہ نہیں کچھ زر و مال اپنے پاس
ہم فقط تم پہ فدا کرنے کو جاں رکھتے ہیں

محفلِ یار میں کچھ بات نہ نکلی منہ سے
کہنے کو شمع کی مانند زباں رکھتے ہیں

ہو گیا زرد ، پڑی جس کی حسینوں پہ نظر
یہ عجب گل ہیں کہ تاثیرِ خزاں رکھتے ہیں

ہم عوضِ ملکِ جہاں ملکِ سخن اے ناسخ
گو نہیں حکم روا ، طبع رواں رکھتے ہیں

روز ہے گرمیٔ بازار ترے کوچے میں
جمع ہیں تیرے خریدار ترے کوچے میں

دیکھ کر تجھ کو، قدم اٹھ نہیں سکتا اپنا
بن گئے صورتِ دیوار ترے کوچے میں

دیر ویراں ہے ترے عہد میں، کعبہ ہے خراب
جمع ہیں کافر و دیں دار ترے کوچے میں

روز ہی عشق نے یہ تفرقہ پردازی کی
ہم ہیں زنداں میں، دلِ زار ترے کوچے میں

آرزو ہے جو مروں میں، تو یہاں مدفن ہو
ہے جگہ تھوڑی سی درکار ترے کوچے میں

حالِ دل کہنے کا ناسخ جو نہیں پاتا بار
پھینک جاتا ہے وہ اشعار ترے کوچے میں

مجھ کو اب ساقیٔ گلفام سے کچھ کام نہیں
مے سے کچھ کام نہیں جام سے کچھ کام نہیں

دل میں خوش آئی ہیں صحرا کی ہوائیں پُر خار
اب کسی سروِ گل اندام سے کچھ کام نہیں

اپنے آرام سے ہوں دشتِ جنوں میں تنہا
کسی محبوبِ دل آرام سے کچھ کام نہیں

خانہ برباد ہوں صحرا میں بگولوں کی طرح
سقف و دیوار و در و بام سے کچھ کام نہیں

طائرِ روح رمیدہ کی طرح چھوٹا ہوں
اب تو صیاد ترے دام سے کچھ کام نہیں

اتنی مدت سے ہوں غربت میں وطن بھول گیا
مجھ کو اب نامہ و پیغام سے کچھ کام نہیں

اس ابر میں یار سے جدا ہوں
بجلی کی طرح تڑپ رہا ہوں

امید وصال اب کہاں ہے
اس گل سے برنگِ بُو جدا ہوں

گلبن ہوں اگر تو ہوں میں بے برگ
بلبل ہوں اگر تو بے نوا ہوں

سر رکھ کے کبھی وہ سو گیا تھا
اب تک زانو کو سونگھتا ہوں

آئینۂ دل میں ہے ترا عکس
دن رات میں تجھ کو دیکھتا ہوں

بے مہر و وفا سراسر اس میں
ناسخ کیوں کر اسے نہ چاہا ہوں

رفعت کبھی کسی کی گوارا یہاں نہیں
جس سرزمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں

دو روز ایک وضع پہ رنگِ جہاں نہیں
وہ کون سا چمن ہے کہ جس کو خزاں نہیں

دشمن اگر وہ دوست ہوا ہے تو کیا عجب
یاں اعتبارِ دوستیٔ جسم و جاں نہیں

منعم کے شکر میں بھی ہلائیں کبھی کبھی
تنہا برائے لذتِ دنیا زباں نہیں

پژمردہ ایک ہے تو شگفتہ ہے دوسرا
باغِ جہاں میں فصلِ بہار و خزاں نہیں

آتش لکھنوی

○

سن تو سہی، جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا؟
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا، غائبانہ کیا؟

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل، سو زر بکف
قاروں نے راستے میں لٹایا، خزانہ کیا

چاروں طرف سے صورتِ جاناں ہو جلوہ گر
دل صاف ہو ترا، تو ہے آئینہ خانہ کیا

صیاد! اسیرِ دامِ رگِ گل ہے عندلیب
دکھلا رہا ہے چھپ کے اسے دام و دانہ کیا

طبل و علم نہ پاس ہے اپنے، نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا

آتی ہے کس طرح سے مری قبضِ روح کو
دیکھوں تو موت ڈھونڈ رہی ہے بہانہ کیا

ترچھی نگہ سے طائرِ دل ہو چکا شکار
جب تیر کج پڑے گا، اڑے گا نشانہ کیا

یوں مدعی حسد سے نہ دے داد، تو نہ دے
آتش غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا

○

شبِ وصل تھی، چاندنی کا سماں تھا
بغل میں صنم تھا، خدا مہرباں تھا
مبارک شبِ قدر سے بھی وہ شب تھی
سحر تک مہ و مشتری کا قراں تھا
وہ شب تھی کہ تھی روشنی جس میں دن کی
زمیں پر سے اک نور تا آسماں تھا
نکالے تھے دو چاند اُس نے مقابل
وہ شب، صبحِ جنت کا جس پر گماں تھا
عروسی کی شب کی حلاوت تھی حاصل
فرح ناک تھی روح، دل شادماں تھا
مشاہد جمالِ پری کی تھیں آنکھیں
مکانِ وصال ایک طلسمی مکاں تھا
حضوری نگاہوں کو دیدار سے تھی
کھلا تھا وہ پردہ کہ جو درمیاں تھا
حقیقت دکھاتا تھا عشقِ مجازی
نہاں جس کو سمجھے ہوئے تھے عیاں تھا
بیاں خواب کی طرح جو کر رہا ہے
یہ قصہ ہے جب کا، کہ آتش جواں تھا

○

تیری جو یاد اے دل خواہ! بھولا
باللہ بھولا، واللہ بھولا!

فرقت کی شب میں جاں سوز دل نے
اُف اُف کیا جو، آہ آہ بھولا

کچھ رکھ نہ پا کو، جا دل سے غافل
پھیر اس نے کھایا، جو راہ بھولا

زنّار ڈالا، تسبیح پھینکی!
عشقِ صنم میں اللہ بھولا!

خور نے گرایا اس کو نظر سے
جو ذرّہ تیری درگاہ بھولا

محروم رکھا ساقی نے ہم کو
اپنے گدا کو جم جاہ بھولا

بت خانہ چھوڑا، باز آئے بت سے
وہ شہر بھولا، وہ شاہ بھولا

شرطِ وفا کی کس بے وفا سے
آتش سا عارف: آگاہ بھولا

○

تیرے کوچہ کا ہے اے خانہ خراب! افسانہ آج
شیخ کعبہ چھوڑتا ہے، برہمن بت خانہ آج

خوب رُو تجھ سا کوئی بازارِ عالم میں نہیں
قیمتِ یوسف نہ تھی، جو ہے ترا بیعانہ آج

آمد آمد اس سراپا نور کی ہے بزم میں
شمع اڑ جاوے، جو ہاتھ آئیں پہ پروانہ آج

ہم نشیں! کہتے ہیں: ذکرِ عیش، نصفِ عیش ہے
میں کہوں، تو سن! جمالِ یار کا افسانہ آج

مجھ سے دریا نوش کو ساقی پلاتا ہے شراب
دیکھتا ہوں میں بھی ظرفِ شیشہ و پیمانہ آج

نقش آسیب پری ہے صورتِ زیبا تری
ہوش میں آتا ہے تجھ کو دیکھ کر دیوانہ آج

میرے مرنے کی دعا مانگے وہ بت پڑھ کر نماز
کس طرف جا کر کروں میں سجدۂ شکرانہ آج

نزع کی مشکل بھی آساں ہوتی ہے آتش نہ ڈر
شاہِ مرداں سے طلب کر، ہمتِ مردانہ آج

○

غیرتِ مہر، رشکِ ماہ ہو تم
خوبصورت ہو، بادشاہ ہو تم

کیوں کر آنکھیں نہ ہم کو دکھلاؤ
کیسے خوش چشم، خوش نگاہ ہو تم

حسن میں آپ کے، ہے شانِ خدا
عشق بازوں کے سجدہ گاہ ہو تم

ہر لباس آپ کو ہے زیبندہ
جامہ زیبوں کے بادشاہ ہو تم

فوق ہے سارے خوش جمالوں پہ
وہ ستارے جو ہیں، تو ماہ ہو تم

کیوں محبت بڑھائی تھی تم سے
ہم گنہ گار، بے گناہ ہو تم

جو کہ حقِ وفا بجا لائے
شاہد اللہ ہے، گواہ ہو تم

ہے تمہارا خیال پیشِ نظر
جس طرف جائیں، سدِ راہ ہو تم

دونوں بندے اسی کے ہیں آتش
خواہ ہم اس میں ہو ویں، خواہ ہو تم

○

خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزو تیری
خوشا دماغ، جسے تازہ رکھے بو تیری

مری طرف سے صبا! کہیو میرے یوسف سے
نکل چلی ہے بہت، پیرہن سے بُو تیری

شبِ فراق میں اے روزِ وصل! تا دمِ صبح
چراغ ہاتھ میں ہے اور جستجو تیری

جو ابر گریہ کناں ہے، تو برق خندہ زناں
کسی میں خو ہے ہماری، کسی میں خو تیری

کسی طرف سے تو نکلے گا آخر اے شہِ حسن!
فقیر دیکھتے ہیں راہ کو بہ کو تیری

زمانہ میں کوئی تجھ سا نہیں ہے سیف زباں
رہے گی معرکہ میں آتش آبرو تیری

○

یہ آرزو تھی، تجھے گل کے روبرو کرتے
ہم اور بلبلِ بیتاب، گفتگو کرتے

پیام بر نہ میسر ہوا، تو خوب ہوا
زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے

مری طرح سے مہ و مہر بھی ہیں آوارہ
کسی حبیب کی یہ بھی ہیں جستجو کرتے

جو دیکھتے تری زنجیرِ زلف کا عالم
اسیر ہونے کی آزاد آرزو کرتے

نہ پوچھ عالمِ برگشتہ طالعی آتش
برستی آگ، جو باراں کی آرزو کرتے

○

اے صنم! جس نے تجھے چاند سی صورت دی ہے *
اسی اللہ نے مجھ کو بھی محبت دی ہے

تیغ بے آب ہے، نے بازوئے قاتل کمزور
کچھ گراں جانی ہے، کچھ موت نے فرصت دی ہے

کوئی اکسیر، غنی دل نہیں رکھتی ایسا
خاکساری نہیں دی ہے، مجھے دولت دی ہے

فرقتِ یار میں رو رو کے بسر کرتا ہوں
زندگانی مجھے کیا دی ہے، مصیبت دی ہے

یادِ محبوب فراموش نہ ہووے اے دل!
حسنِ نیت نے مجھے عشق سی نعمت دی ہے

گوش پیدا کئے سننے کو ترا ذکرِ جمال *
دیکھنے کو ترے آنکھوں میں بصارت دی ہے

لطفِ دل بستگیٔ عاشقِ شیدا کو نہ پوچھ!
دو جہاں سے اس اسیری نے فراغت دی ہے

کمرِ یار کے مضمون کو باندھو آتش!
زلفِ خوباں سی مرے تم کو طبیعت دی ہے

○

دہن پر ہیں ان کے گماں کیسے کیسے
کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

تمہارے شہیدوں میں داخل ہوئے ہیں
گل ولالہ وارغواں کیسے کیسے

بہار آئی ہے، نشہ میں جھومتے ہیں
مریدانِ پیرِ مغاں کیسے کیسے

نہ مڑ کر بھی بے درد قاتل نے دیکھا
تڑپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے!

نہ گورِ سکندر، نہ ہے قبرِ دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

غم و غصہ و رنج و اندوہ و حرماں
ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

تری کلکِ قدرت کے قربان آنکھیں
دکھائے ہیں خوش رو جواں کیسے کیسے

کرے جس قدر شکرِ نعمت، وہ کم ہے
مزے لوٹتی ہے زباں کیسے کیسے

○

ہوائے دورِ مئے خوشگوار راہ میں ہے
خزاں چمن سے ہے جاتی، بہار راہ میں ہے

گدا نواز کوئی شہسوار راہ میں ہے
بلند آج نہایت غبار راہ میں ہے

عدم کے کوچ کی لازم ہے فکر ہستی میں
نہ کوئی شہر، نہ کوئی دیار راہ میں ہے

طریقِ عشق میں اے دل! عصائے آہ ہے شرط
کہیں چڑھاؤ، کسی جا اُتار راہ میں ہے

نہ بدرقہ ہے، نہ کوئی رفیق ساتھ اپنے
فقط عنایتِ پروردگار راہ میں ہے

نہ جائیں آپ ابھی دوپہر ہے گرمی کی
بہت سی گرد، بہت سا غبار راہ میں ہے

تلاشِ یار میں کیا ڈھونڈیئے کسی کا ساتھ
ہمارا سایہ، ہمیں ناگوار راہ میں ہے

سفر ہے شرط، مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے

مقام تک بھی ہم اپنے پہنچ ہی جائیں گے
خدا تو دوست ہے، دشمن ہزار راہ میں ہے

نہ پتہ یہ کوچۂ قاتل کا سن رکھ اے قاصد!
بجائے سنگِ نشاں، اک مزار راہ میں ہے

نکلیں جو پاؤں تو چل سر کے بل، نہ ٹھہر آتش
گلِ مراد ہے منزل میں، خار راہ میں ہے

امیر مینائی

ناوکِ ناز سے مشکل ہے بچانا دل کا
درد اٹھ اٹھ کے بتاتا ہے ٹھکانا دل کا

آج اس شوق سے پیکاں مرے دل میں آیا
آگیا یاد کسی شوخ پہ آنا دل کا

ہائے! وہ پہلی ملاقات میں میرا رکنا
اور اس کا وہ لگاوٹ سے بڑھانا دل کا

متصل آہ کی پہلو سے صدا آتی ہے
اب وہ ہے درد کا گھر تھا جو ٹھکانا دل کا

جی لگے آپ کا ایسا کہ کبھی جی نہ بھرے
دل لگا کر جو سنیں آپ فسانہ دل کا

تیر پر تیر لگاؤ، وہ کہا کرتے ہیں
کیوں جی تم کھیل سمجھتے تھے لگانا دل کا

پھیر کر منہ، مجھے تڑپاتے ہیں اور کہتے ہیں
رخ بدل کر ہم اڑاتے ہیں نشانہ دل کا

ہر نگہ وصل میں اس شوخ کی کہتی ہے امیر
ہو جسے حکم اڑا دے وہ نشانہ دل کا

گذشتہ خاک نشینوں کی یادگار ہوں میں
مٹا ہوا سا نشانِ سرِ مزار ہوں میں

نگاہِ گرم سے مجھ کو نہ دیکھ اے دوزخ
خبر نہیں تجھے کس کا گناہ گار ہوں میں

پھر اس کی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھے
گناہ گار یہ کہہ دے گناہ گار ہوں میں

جو مست ہوش میں آنے کا قصد کرتا ہے
پکارتا ہے یہ ساقی کہ ہوشیار ہوں میں

حضور! وصل کی حسرت ازل سے ہے مجھ کو
خیال کیجئے کب سے امیدوار ہوں میں

وہ بے قرار ہوں دیکھے اگر تڑپ میری
قرار بھی یہ پکارے کہ بے قرار ہوں میں

بڑے مزے سے گزرتی ہے بیخودی میں امیر
وہ دن خدا نہ دکھائے کہ ہوشیار ہوں میں

رہے تصویرِ حیرانی ہم ان کے روبرو برسوں
لبِ خاموش سے کی دردِ دل کی گفتگو برسوں

نہیں مٹتی ہے دل سے مر کے ان کی آرزو برسوں
یہ وہ گل ہے کہ مرجھائے پہ بھی دیتا ہے بو برسوں

فنا کے بعد ایسے بیکسوں کو کون پوچھے گا
مگر اے بیکسی رویا کریگی مجھ کو تو برسوں

نہ کر اے یاس! یوں برباد میرے خانۂ دل کو
اسی گھر میں جلایا ہے چراغِ آرزو برسوں

سراپا جرم ہوں، لیکن وہ رندِ پاک طینت ہوں
کیا زاہد نے میرے آبِ خجلت سے وضو برسوں

تمہاری اک نگاہِ ناز نے توڑا اشارے میں
بنایا چشم و دل نے جو طلسمِ آرزو برسوں

کہاں ہونگی امیر ایسی ادائیں حور و غلماں میں
رہے گا خلد میں بھی یاد ہم کو لکھنؤ برسوں

اس کی حسرت ہے، جسے دل سے مٹا بھی نہ سکوں
ڈھونڈنے اس کو چلا ہوں، جسے پا بھی نہ سکوں

ان کے غصے کے مٹانے کی ہیں سو تدبیریں؛
لاگ کی آگ نہیں ہے کہ بجھا بھی نہ سکوں

چٹکیاں لیتے ہے دل میں وہ کریں یا انکار
داغ کچھ درد نہیں ہے کہ دکھا بھی نہ سکوں

میں اگر گھر سے نکلتا ہوں، تو گھر کیوں ہے اداس
کیا دمِ بازپسیں ہے کہ پھر آ بھی نہ سکوں

کوئی پوچھے تو محبت سے، یہ کیا ہے انصاف
وہ مجھے دل سے بھلا دے، میں بھلا بھی نہ سکوں

نقشِ ہستی، میں ابھی محو کئے دیتا ہوں
خطِ تقدیر نہیں ہے کہ مٹا بھی نہ سکوں

یوں تو میں کیوں کر کہوں تیرے خریداروں میں ہوں
تو سراپا ناز ہے، میں ناز برداروں میں ہوں

جان پر صدمہ، جگر میں درد، دل کا حال زار
تم کو کچھ بیمار کس کس کے پرستاروں میں ہوں

وہ کرشمے شانِ رحمت نے دکھائے روزِ حشر
چیخ اٹھا ہر بے گنہ میں بھی گنہ گاروں میں ہوں

صبح سے مطلب، نہ گل سے کام، کیا جانوں انہیں
میں تمہارے سینہ چاکوں میں دلِ افگاروں میں ہوں

چھیڑ دیکھو! میری میت پر جو آئے، یہ کہا
تم وفاداروں میں ہو، یا میں وفاداروں میں ہوں

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس! میں نو گرفتاروں میں ہوں

بے گناہوں میں چلا زاہد جو اس کو ڈھونڈنے
مغفرت بولی ادھر آ، میں گنہ گاروں میں ہوں

بے گناہوں کا تو دعویٰ ان کے آگے کیا مجال
ڈرتے ڈرتے منہ سے نکلا میں گنہگاروں میں ہوں

آچکا تھا رحم اس کو سن کے میری بے کسی
دردِ ظالم بول اٹھا میں اس کے غمخواروں میں ہوں

صورتِ غنچہ یہاں تابِ تکلم مجھ کو
منہ کے سو ٹکڑے ہوں آئے جو تبسم مجھ کو

وقتِ فرصت تھا میں عبرت کدۂ ہستی میں
کفِ افسوس ملے جس نے کیا گم مجھ کو

ایک کو ایک سے بڑھ کر ترے جلوے کا ہے شوق
آنکھ کہتی ہے نگہ پہ دو تقدم مجھ کو

واہ اے بیخودیٔ شوق کیا خوب سلوک
اس کو جب ڈھونڈ نکالا تو کیا گم مجھ کو

خلوتِ وصل میں کچھ کام نہیں ساقی کے
جامِ مے بھر کے پلاؤں میں تمہیں، تم مجھ کو

میں تو کیا عکس سے وہ آئینہ رو کہتا ہے
پیار کی آنکھ سے دیکھا نہ کرو تم مجھ کو

میں ترا عکس تھا اس آئینۂ ہستی میں
تو نے کیا پھیر لیا منہ کہ کیا گم مجھ کو

دیکھتا ہوں کبھی آئینہ تو روتا ہوں امیر
اپنی صورت پہ خود آتا ہے ترحم مجھ کو

کہہ رہی ہے حشر میں وہ آنکھ شرمائی ہوئی
ہائے! کیسی اس بھری محفل میں رسوائی ہوئی

آئینے میں ہر ادا کو دیکھ کر کہتے ہیں وہ
آج دیکھا چاہیئے کس کس کی ہے آئی ہوئی

کہہ تو اے گل چیں! اسیرانِ قفس کے واسطے
توڑ لوں دو چار کلیاں میں بھی مرجھائی ہوئی

میں تو رازِ دل چھپاؤں پر چھپا رہنے بھی دے
جان کی دشمن، یہ ظالم آنکھ للچائی ہوئی

کیوں ترے لب پر تبسم مجلسِ ماتم میں ہے
یہ ہنسی بھی کیا مرے ہونٹوں میں ہے آئی ہوئی

گرد اُڑی عاشق کی تربت سے تو جھنجھلا کر کہا
واہ سر چڑھنے لگی، پاؤں کی ٹھکرائی ہوئی

شعر گلدستے میں بھیجے افسردہ دل کے کیا امیر
دامنِ گلچیں میں کچھ کلیاں ہیں مرجھائی ہوئی

۱

سب سے بلبل تو نے دو تنکے لئے
ڈھونڈتی ہیں بجلیاں اِن کے لئے

ہے جوانی خود جوانی کا سنگھار
سادگی گہنا ہے اس سن کے لئے

کون ویرانے میں دیکھے گا بہار
پھول جنگل میں کھلے کن کے لئے

ساری دُنیا کے ہیں وہ میرے سوا
میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لئے

باغباں! کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی
بھیجنی ہیں ایک کم سن کے لئے

سب حسیں ہیں زاہد دل کو ناپسند
اب کوئی حور آئے گی اِن کے لئے

وصل کا دن اور اتنا مختصر
دن گنے جاتے تھے اِس دِن کے لئے

صبح کا سونا جو ہاتھ آتا امیر
بھیجتے تحفہ مؤذن کے لئے

اچھے عیسیٰ ہو، مریضوں کا خیال اچھا ہے
ہم مرے جاتے ہیں، تم کہتے ہو حال اچھا ہے

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے
سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

دیکھ لے بلبل و پروانہ کی بے تابی کو
ہجر اچھا، نہ حسینوں کا وصال اچھا ہے

آ گیا اس کا تصور، تو پکارا یہ شوق
دل میں جم جائے الٰہی! یہ خیال اچھا ہے

برق اگر گرمیٔ رفتار میں اچھی ہے امیرؔ
گرمیٔ حسن میں وہ برق جمال اچھا ہے

آنکھ اس کے حضور رو رہی ہے
ساتھ اپنے مجھے ڈبو رہی ہے

دیدار کہاں کہ دور ہے حشر
قسمت ابھی اپنی سو رہی ہے

کیا باغ میں دیکھتی ہے شبنم
جو گل کی ہنسی پہ رو رہی ہے

اللہ رے حسن دخترِ رز
زاہد کے حواس کھو رہی ہے

کیا کشتی و ناخدا کا شکوہ
تقدیر ہمیں ڈبو رہی ہے

نرگس کو صبا، نہ چھیڑ اتنا
سونے دے، غریب سو رہی ہے

گلشن میں جو ابر ہے دھواں دار
مے خوار دل میں دھوم ہو رہی ہے

اس تیغ کے منہ چڑھے نہ بجلی
کیوں جان سے ہاتھ دھو رہی ہے

کیا شوخ ہے اس کی یادِ مژگاں
دل میں نشتر چبھو رہی ہے

ہم جاگ رہے ہیں ہجر کی شب
تقدیر ہماری سو رہی ہے

احسان ہے امیرؔ چشمِ تر کا
نامے کی سیاہی دھو رہی ہے

داغ دہلوی

اللہ رے مرتبہ، مرے عجز و نیاز کا
گویا جواب ہے، یہ ترے کبر و ناز کا

عالم تمام چشمِ حقیقت نگر بنا!
منہ دیکھتا ہے آئنہ، آئینہ ساز کا

ہر چند راہِ کعبہ و بت خانہ، ایک ہے
اے راہ رو! ہے کام یہاں امتیاز کا

دنیا بھی اک بہشت ہے، اللہ رے کرم!
کن نعمتوں کو حکم دیا ہے جواز کا

رتبے سے میرے، قیصر و سنجر کو رتبہ کیا
میں ہوں غلام، شاہِ عراق و حجاز کا

مجھ کو نہ کیوں کہ اس کی غلامی سے فخر ہو
محمود ایک بندہ ہے، جس کے ایاز کا

کونین جس کے ناز سے چکرا رہے ہیں داغ
میں ہوں نیاز مند، اسی بے نیاز کا

اب دل ہے مقام بے کسی کا
یوں گھر نہ تباہ ہو کسی کا

کس کس کو مزہ ہے عاشقی کا
تم نام تو لو، بھلا کسی کا

گلشن میں ترے لبوں نے گویا
رس چوس لیا، کلی کلی کا

اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں
کہنا نہیں مانتے، کسی کا!

آغاز کو، کون پوچھتا ہے
انجام اچھا ہو، آدمی کا

کہتے ہیں اسے زبانِ اردو
جس میں نہ ہو رنگ فارسی کا

○

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

دل لے کے مفت، کہتے ہیں: کچھ کام کا نہیں
اُلٹی شکایتیں ہوئیں، احسان تو گیا

دیکھا ہے بت کدے میں، جو اے شیخ! کچھ نہ پوچھ!
ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا!

افشائے رازِ عشق میں گو ذلتیں ہوئیں
لیکن اسے جتا تو دیا، جان تو گیا!

ہوش و حواس و تاب و تواں داغ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں، سامان تو گیا

○

پکارتی ہے خموشی مری، فغاں کی طرح
نگاہیں کہتی ہیں سب رازِ دل، زباں کی طرح

بگڑ گئی ہے یہاں بے طرح، جہاں کی طرح
کہاں کی وضع، کہاں کی ادا، کہاں کی طرح

چھڑا دے قید سے، اے قید! ہم اسیروں کو
لگا دے آگ قفس میں بھی آشیاں کی طرح

جلا کے داغِ محبت نے دل کو خاک کیا
بہار آئی مرے باغ میں، خزاں کی طرح

جوابِ خضر ہیں وہ مردہ دل کہ جن کو یہاں
ملی ہے مرگِ ابد، عمرِ جاوداں کی طرح

ہے سدِّ راہ ہوا کس کا پاسِ رسوائی
رکے ہوئے ہیں مرے اشک، کارواں کی طرح

ادائے مطلبِ دل ہم سے سیکھ جائے کوئی
انھیں سنا ہی دیا حال، داستاں کی طرح

ہم اپنے ضعف کے صدقے، بٹھا دیا ایسا
ہلے نہ در سے ترے، سنگِ آستاں کی طرح

خدا قبول کرے، داغ! تم جو سوئے عدم
چلے ہو عشقِ بتاں لے کے ارمغاں کی طرح

○

سوز و گداز عشق کا لذت چشیدہ ہوں
مانند آبلہ، ہمہ تن آب دیدہ ہوں

گر تو نہ ہو، تو پھر کسی کافر کا دل لگے
دوزخ میں آرمیدہ، ارم سے رمیدہ ہوں

نازک مزاجیوں نے مجھے، تجھ سا کر دیا
اے بے خبر! میں اپنے سے آپ ہی کشیدہ ہوں

افتادگی پہ بھی نہ گئی اس کی جستجو!
گویا زمیں پہ سایۂ مرغِ پریدہ ہوں

اے داغ! جس کے واسطے روز جزا بنا
وہ کون ہے، وہ میں ہی تو آفت رسیدہ ہوں

○

سازِ، یہ کینہ ساز کیا جانیں
ناز والے نیاز کیا جانیں

کب کسی در کی جبہ سائی کی
شیخ صاحب نماز کیا جانیں

جو رہِ عشق میں قدم رکھیں
وہ نشیب و فراز کیا جانیں

پوچھیے میکشوں سے لطفِ شراب
یہ مزہ پاکباز کیا جانیں

حضرتِ خضر جب شہید نہ ہوں
لطفِ عمرِ دراز کیا جانیں

جو گزرتے ہیں داغ پر صدمے
آپ بندہ نواز کیا جانیں

○

شوخی نے تیری کام کیا اک نگاہ میں
صوفی ہے بت کدہ میں، صنم خانقاہ میں

آنکھیں بچھائیں ہم تو عدو کی بھی راہ میں
پر کیا کریں، کہ تو ہے ہماری نگاہ میں

بیٹھا ہوں آ کے، پوچھ کے اس سے مقامِ عشق
جو فتنہ مجھ غریب کو ملتا ہے راہ میں

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا، تمھاری نگاہ میں

راتیں مصیبتوں کی جو گزری تھیں آج تک
ماتم کو آئی ہیں مرے روزِ سیاہ میں

اس توبہ پر ہے ناز تجھے زاہد اس قدر
جو ٹوٹ کر شریک ہو میرے گناہ میں

آتی ہے بات بات مجھے یاد بار بار
کہتا ہوں دوڑ دوڑ کے قاصد سے راہ میں

کیسا نظارہ، کس کا اشارہ، کہاں کی بات
سب کچھ ہے اور کچھ نہیں، نیچی نگاہ میں

مشتاق اس صدا کے بہت درد مند تھے
اے داغ! تم تو بیٹھ گئے ایک آہ میں

○

چاک ہو پردۂ وحشت، مجھے منظور نہیں
ورنہ یہ ہاتھ، گریبان سے کچھ دور نہیں

وصل سے یاس ہو، ایسا دلِ رنجور نہیں
بت اگر دور رہے مجھ سے، تو خدا دور نہیں

چھین لیں دل کو اگر وہ، تو یہ مجبوری ہے
بن کے جاؤں گا، محتاج ہوں، مقدور نہیں

لب تک آئی تھی شکایت، کہ محبت نے کہا
دیکھ! پچھتائے گا، خاموش! یہ دستور نہیں

رات دن نامہ و پیغام کہاں تک ہوں گے
صاف کہہ دیجئے، ملنا ہمیں منظور نہیں

کیا کرے داغ کوئی اس کی محبت کا علاج
وہ کلیجا ہی نہیں، جس میں یہ ناسور نہیں

○

اشکِ خوں رنگ لائے جاتا ہے
داغ اپنی جمائے جاتا ہے

کتنا باوضع ہے خیال اُس کا
بے کسی میں بھی آئے جاتا ہے

دیکھنا رشک اس کی محفل کا
ایک کو ایک کھائے جاتا ہے

وہ جدھر کو گئے، اُٹھا یہ شور
وہ قیامت اُٹھائے جاتا ہے

آتشِ شوق کیا بجھے ناصح!
تو پتنگے لگائے جاتا ہے

○

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے — دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے
ہم نکمّے ہوئے زمانے کے — کام ایسا سکھا دیا تو نے
لاکھ دینے کا ایک دینا ہے — دلِ بے مدّعا دیا تو نے
بے طلب جو ملا، ملا مجھ کو — بے غرض جو دیا، دیا تو نے
عمرِ جاوید، خضر کو بخشی — آبِ حیواں پلا دیا تو نے
نارِ نمرود کو، کیا گلزار — دوست کو یوں بچا دیا تو نے
کہیں مشتاق سے حجاب ہوا — کہیں پردہ اُٹھا دیا تو نے
جس قدر میں نے تجھ سے خواہش کی — مجھ کو اس سے سوا دیا تو نے
مٹ گئے دل سے نقشِ باطل سب — نقشہ اپنا جما دیا تو نے
مجھ گنہ گار کو، جو بخش دیا — تو جہنّم کو کیا دیا تو نے

داغ کو، کون دینے والا تھا
جو دیا، اے خدا! دیا تو نے

مولانا حالی

○

پیش از ظہورِ عشق، کسی کا نشاں نہ تھا
تھا حسن میزباں، کوئی مہماں نہ تھا

ملتے ہی ان کے بھول گئیں کلفتیں تمام
گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا

کیا جانتے تھے، جائے گا جی اک نگاہ میں
تھی دل کی احتیاط، مگر بیمِ جاں نہ تھا

سچ ہے کہ پاسِ خاطرِ نازک عذاب ہے
تھا دل کو جب فراغ کہ وہ مہرباں نہ تھا

رات ان کو بات بات پہ، سو سو دیے جواب
مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا گماں نہ تھا

رونا ہے یہ کہ آپ بھی ہنستے ہیں، ورنہ یاں
طعنِ رقیب دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا

بزمِ سخن میں جی نہ لگا اپنا زینہار
شب انجمن میں حالی جادو بیاں نہ تھا

○

رنج اور رنج بھی تنہائی کا
وقت پہنچا مری رسوائی کا

عمر شاید نہ کرے آج وفا
کاٹنا ہے شبِ تنہائی کا!

تم نے کیوں وصل میں پہلو بدلا
کس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا

اس سے ناداں ہی بن کر ملیے!
کچھ اجارہ نہیں دانائی کا

کچھ تو ہے قدر تماشائی کی
ہے جو یہ شوق خود آرائی کا

اس کو چھوڑا تو ہے لیکن اے دل!
مجھ کو ڈر ہے تری خود آرائی کا

بزمِ دشمن میں نہ جی سے اترا
پوچھنا کیا تری زیبائی کا

محتسب! عذر بہت ہیں، لیکن
اذن ہم کو نہیں گویائی کا

ہوں گے حالی سے بہت آوارہ
گھر ابھی دور ہے رسوائی کا۔

○

قلق اور دل میں سوا ہو گیا
دلاسا تمھارا بلا ہو گیا

دکھانا پڑے گا مجھے زخمِ دل
اگر تیر اس کا خطا ہو گیا

طبیب ہو نہ ہو لب پہ آتا ضرور
مرا شکر اس کا گلا ہو گیا

وہ امید کیا، جس کی ہو انتہا
وہ وعدہ نہیں، جو وفا ہو گیا

ہوا رکتے رکتے دمِ آخر فنا
مرض بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا

نہیں بھولتا اس کی رخصت کا وقت
وہ رو رو کے ملنا، بلا ہو گیا

سماں کل کا رہ رہ کے آتا ہے یاد
ابھی کیا تھا، اور کیا سے کیا ہو گیا

ٹپکتا ہے اشعارِ حالی سے حال
کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا

○

اُس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے، نہ در کی صورت

کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بلبل
کل نہ پہچان سکے گی گلِ تر کی صورت

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

دیکھیے شیخ! مصوّر سے کھنچے یا نہ کھنچے
صورت اور آپ سے بے عیب بشر کی صورت

واعظو! آتشِ دوزخ سے جہاں کو تم نے
یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت

کیا خبر زاہدِ قانع کو کہ کیا چیز ہے حرص
اس نے دیکھی ہی نہیں کیسۂ زر کی صورت

شوق میں اس کے مزا، درد میں اس کے لذّت
ناصحو! اس سے نہیں کوئی مفر کی صورت

حملہ اپنے پہ بھی اک بعدِ ہزیمت ہے ضرور
رہ گئی ہے یہی اک فتح و ظفر کی صورت

رہنماؤں کے ہوئے جاتے ہیں اوسان خطا
راہ میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت

اُن کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

آگے بڑھے نہ قصۂ عشقِ بتاں سے ہم
سب کچھ کہا، مگر نہ کھلے رازداں سے ہم

اب بھاگتے ہیں سایۂ عشقِ بتاں سے ہم
کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے، کچھ آسماں سے ہم

خود رفتگیٔ شب کا مزہ بھولتا نہیں
آتے ہیں آج آپ میں یارب! کہاں سے ہم

دردِ فراق و رشکِ عدو تک گراں نہیں
تنگ آ گئے ہیں اپنے دلِ شادماں سے ہم

جنت میں تو نہیں اگر اے زخمِ تیغِ عشق!
بدلیں گے تجھ کو زندگیٔ جاوداں سے ہم

لینے دو چین کوئی دم اے منکر و نکیر!
آئے ہیں آج چھوٹ کے قیدِ گراں سے ہم

ہنستے ہیں اس کے گریۂ بے اختیار پر
بھولے ہیں بات کہہ کے کوئی رازداں سے ہم

اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو،
کچھ پا گئے ہیں آپ کی طرزِ بیاں سے ہم!

دلکش ہر ایک قطعۂ صحرا ہے راہ میں
ملتے ہیں جا کے دیکھیے کب کارواں سے ہم

لذت ترے کلام میں آئی کہاں سے یہ
پوچھیں گے جا کے حالیؔ جادو بیاں سے ہم

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

ہیں دورِ جامِ اول شب میں خودی سے دور
ہوتی ہے آج دیکھیے ہم کو سحر کہاں

یارب! اس اختلاط کا انجام ہو بخیر
تھا اس کو ہم سے ربط، مگر اس قدر کہاں

اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں

بس ہو چکا بیاں کسل و رنجِ راہ کا
خط کا مرے جواب ہے اے نامہ بر کہاں

کون و مکاں سے ہے دلِ وحشی کنارہ گیر
اس خانماں خراب نے ڈھونڈا ہے گھر کہاں

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی، تو مگر کہاں

ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو، تو زباں میں اثر کہاں

حالیؔ نشاطِ نغمہ و مے ڈھونڈتے ہو اب
آئے ہو وقتِ صبح، رہے رات بھر کہاں

○

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں
مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح
لگا دو آگ کوئی آشیاں میں

کوئی دن بوالہوس بھی شاد ہو لیں
دھرا کیا ہے اشاراتِ نہاں میں

نیا ہے، لیجیے جب نام اُس کا
بہت وسعت ہے میری داستاں میں

دلِ پُر درد سے کچھ کام لوں گا
اگر فرصت ملی مجھ کو جہاں میں

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

○

حق وفا کے جو ہم جتانے لگے
آپ کچھ کہہ کے مسکرانے لگے

تھا یہاں دل میں طعنِ وصلِ عدو
عذر ان کی زباں پہ آنے لگے

ہم کو جینا پڑے گا فرقت میں
وہ اگر ہمت آزمانے لگے

ڈر ہے، میری زباں نہ کھل جائے
اب وہ باتیں بہت بنانے لگے

جان بچتی نظر نہیں آتی
غیر، الفت بہت جتانے لگے

سخت مشکل ہے شیوۂ تسلیم!
ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے

جی میں ہے، لُوں رضائے پیرِ مغاں
قافلے پھر حرم کو جانے لگے

سرِّ باطن کو فاش کر، یارب!
اہلِ ظاہر بہت ستانے لگے

وقتِ رخصت تھا سخت حالی پر
ہم بھی بیٹھے تھے، جب وہ جانے لگے

○

جس کو غصّے میں لگاوٹ کی ادا یاد رہے
آج دل لے گا، اگر کل نہ لیا، یاد رہے

شوق بڑھتا گیا، جوں جوں رُکے اِس شوخ سے ہم
یہ سبق وہ ہے کہ بھُولے سے سوا یاد رہے

ہم بھی آدابِ شریعت سے تھے آگاہ، مگر
نہ ہو برتاؤ میں جو رسم، وہ کیا یاد رہے

یاد آؤ گے بہت، لطف سمجھ کر کیجیے!
اس بھلائی کا ہے انجام بُرا، یاد رہے

شیخ! اِس شرمِ گنہ، شوق بھلا دیتا ہے
توبہ ان کی ہے، جنھیں اپنی خطا یاد رہے

خضرؑ نے پاؤں اگر دشتِ فنا میں رکھا
بھول جائیں گے رہِ آبِ بقا، یاد رہے

چارہ گر! کار بہ اندازۂ تدبیر نہیں
کیجیو ہمت، اگر وقتِ دعا یاد رہے

ابھی جانا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں وہ
حضرت اس لطف کا پائیں گے مزا، یاد رہے

○

دھوم تھی اپنی پارسائی کی
کی بھی اور کس سے آشنائی کی

کیوں بڑھاتے ہو اختلاط بہت
ہم میں طاقت نہیں جدائی کی

منہ کہاں تک چھپاؤ گے ہم سے
تم کو عادت ہے خود نمائی کی

لاگ میں ہیں لگاؤ کی باتیں —
صلح میں چھیڑ ہے لڑائی کی

دل بھی پہلو میں ہو، تو یاں کس سے
رکھیے امید دل ربائی کی

نہ ملا کوئی غارتِ ایماں
رہ گئی شرم پارسائی کی

موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے
ساعت آ پہنچی اس جدائی کی

زندہ پھرنے کی ہے ہوس حالی
انتہا ہے یہ بے حیائی کی

اکبر الٰہ آبادی

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے
ڈاکہ تو نہیں مارا چوری تو نہیں کی ہے

ناتجربہ کاری سے واعظ کی یہ باتیں ہیں
اس رنگ کو کیا جانے پوچھو تو کبھی پی ہے؟

اُس مے سے نہیں مطلب دل جس سے ہے بیگانہ
مقصود ہے اس مے سے دل ہی میں جو کھنچتی ہے

اے شوق وہی مے پی اے ہوش ذرا سو جا
مہمانِ نظر اس دم اِک برقِ تجلی ہے

واں دل میں کہ صدمے دو یاں جی میں کہ سب سہہ لو
اُن کا بھی عجب دل ہے میرا بھی عجب جی ہے

ہر ذرہ چمکتا ہے انوارِ الٰہی سے
ہر سانس یہ کہتی ہے ہم ہیں تو خدا بھی ہے

سورج میں لگے دھبا فطرت کے کرشمے ہیں
بُت ہم کو کہیں کافر اللہ کی مرضی ہے

غمزہ نہیں ہوتا کہ اشارا نہیں ہوتا
آنکھ اُن سے جو ملتی ہے تو کیا کیا نہیں ہوتا

جلوہ نہ ہو معنی کا تو صورت کا اثر کیا
بلبل گلِ تصویر کا شیدا نہیں ہوتا

اللہ بچائے مرضِ عشق سے دل کو
سنتے ہیں کہ یہ عارضہ اچھا نہیں ہوتا

تشبیہ ترے چہرے کو کیا دوں گلِ تر سے
ہوتا ہے شگفتہ مگر اتنا نہیں ہوتا

میں نزع میں ہوں آئیں تو احسان ہے اُن کا
لیکن یہ سمجھ لیں کہ تماشا نہیں ہوتا

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

چمن کی یہ کیسی ہوا ہو گئی
کہ صرصر سے بدتر صبا ہو گئی

عیادت کو آئے شفا ہو گئی
علالت ہماری دوا ہو گئی

وہ اٹھے تو لاکھوں ہی فتنے اٹھے
چلے تو قیامت بپا ہو گئی

محبت کی گرمی بھی کیا چیز ہے
طبیعت مری کیا سے کیا ہو گئی

لگاوٹ بہت ہے تری آنکھ میں
اسی سے تو یہ فتنہ زا ہو گئی

بتوں نے بھلایا جو دل سے مجھے
مرے ساتھ یادِ خدا ہو گئی

انہیں نے عطا کی تھی جانِ حزیں
ہوا خوب انہیں پر فدا ہو گئی

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے
شہرِ تن میں جب کہ خود اپنا پتہ ملتا نہیں

کشتیِ دل کی الٰہی بحرِ ہستی میں ہو خیر
ناخدا ملتے ہیں لیکن با خدا ملتا نہیں

زندگانی کا مزہ ملتا تھا جن کی بزم میں،
ان کی قبروں کا بھی اب مجھ کو پتا ملتا نہیں

صرف ظاہر ہو گیا سرمایۂ زیب و صفا
کیا تعجب ہے جو باطن با صفا ملتا نہیں

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر
کوہساروں میں نشانِ نقشِ پا ملتا نہیں

شیخ صاحب برہمن سے لاکھ برتیں دوستی
بے بھجن گائے تو مندر سے ٹکا ملتا نہیں

○

آہ جو دل سے نکالی جائے گی
کیا سمجھتے ہو کہ خالی جائے گی؟

یاس ان کی ہے بہت عزلت پسند
آہ بھی دل سے نکالی جائے گی

نزع کہتی ہے کہ روٹھی تجھ سے جان
حشر کہتا ہے منا لی جائے گی

اس نزاکت پر یہ شمشیرِ جفا
آپ سے کیونکر سنبھالی جائے گی

بے تکلف چاہیئے سوز و گداز
شمع کیوں سانچے میں ڈھالی جائیگی

کیا غمِ دنیا کا ڈر مجھ رند کو
اور اک بوتل چڑھالی جائیگی

زندگی کی کل ہے پیچیدہ بہت
سانس لے لے کر چلالی جائیگی

شیخ کی دعوت میں مے کا کام کیا
احتیاطاً کچھ منگالی جائے گی

یادِ ابرو میں ہے اکبر محو کیوں
کب تری یہ کج خیالی جائے گی

○

ترے سحرِ نظر سے ہوا یہ جنوں مرے دل کی تو اس میں خطا ہی نہ تھی
ترے کوچے میں آ کے میں بیٹھ رہا بجز اس کے کچھ اور دوا ہی نہ تھی

ہوئی طبع جو مائلِ دامِ بلا، میں تمہاری ہی زلفِ سیہ میں پھنسا
مرے دامنِ دل کو جو کھینچ سکے، کوئی اور تو ایسی بلا ہی نہ تھی

کیا صحبتِ غیر نے قہر و غضب مجھے کوئی امید رہی نہیں اب
دمِ چند کو مجھ سے ملے بھی جو کل، وہ نظر ہی نہ تھی وہ ادا ہی نہ تھی

نہ نبھی تو پھر اس میں تھی کس کی خطا، یہ گلا ہے مری ہی طرف سے بجا
مرے عشق کا رنگ تو خوب رہا، مگر آپ میں بوئے وفا ہی نہ تھی

میں وطن سے حزین و ملول پھرا، نہ وہ بزم ملی نہ وہ یار ملے
گل و لالہ و سرو کا ذکر کیا، وہ چمن ہی نہ تھا وہ ہوا ہی نہ تھی

غمِ ہجر میں جی سے گیا جو گذر، تو یہ اکبرِ زار نے خوب کیا
کہ علاجِ فراق تو تھا ہی یہی، بجز اس کے کچھ اور دوا ہی نہ تھی

○

ہوائے شب بھی ہے عنبر افشاں عروج بھی ہے مہِ جبیں کا
نثار ہونے کی دو اجازت محل نہیں ہے نہیں نہیں کا

اگر ہو ذوقِ سجود پیدا ستارہ ہو اوج پر جبیں کا
نشانِ سجدہ زمین پر ہو تو فخر ہے وہ رُخِ زمیں کا

صبا بھی اس گل کے پاس آئی تو میرے دل کو ہوا یہ کھٹکا
کوئی شگوفہ نہ یہ کھلائے پیام لائی نہ ہو کہیں کا

نہ مہر و مہ پر مری نظر ہے نہ لالہ و گل کی کچھ خبر ہے
فروغِ دل کے لئے ہے کافی تصوّر اس روئے آتشیں کا

○

نظر کو ہو ذوقِ معرفت کا کرے تو شوقِ اضطراب پیدا
سوال پیدا جو ہوں گے دل میں انہیں سے ہوں گے جواب پیدا

کرو نہ کچھ فکرِ جام و ساقی بہار آنے تو دو چمن میں
گلوں سے ٹپکے گا رنگِ مستی ہوا کرے گی شراب پیدا

نہ اس کو لوٹنے کا موقع نہ شوقِ گستاخیوں کا حامی
اداؤں میں کچھ لگاوٹیں ہیں نگاہ سے ہے عتاب پیدا

ہر اک کے لائق ہے اس کی زینت زہے تری شان تیری قدرت
کہ آنکھ کو اشک سے ہے بھرتی گہر سے کرتی ہے آب پیدا

یہ منزلِ حرصِ مال و دولت نہ دیگی دنیا میں تم کو راحت
ہوس بڑھائے گی تشنگی کو نظر کرے گی سراب پیدا

کبھی جو دعویٔ منصور میں شک آتا ہے
خیالِ یار مجھے آئینہ دکھاتا ہے

وہ بات ہوں کہ جو لاتی ہے جوش میں دل کو
وہ حال ہوں کہ جسے سن کے وجد آتا ہے

ہمیں تو آٹھ پہر رہتی ہے تمہاری یاد
کبھی تمہیں بھی ہمارا خیال آتا ہے؟

نہ جانے کا تو نہیں جانتے بہانہ کچھ
ہزار حیلہ نہ آنے کا تم کو آتا ہے

وہ میکدہ ہے ہمارا کہ جس میں مستوں سے
ہزار ساغرِ جم روز ٹوٹ جاتا ہے

نہ پوچھئے ستم جوششِ حسرتِ دیدار
یہ جانِ زار کو آنکھوں میں کھینچ لاتا ہے

دوئی کا دخل نہیں بزمِ وصل میں منظور
وگرنہ آپ میں آنا تو مجھ کو آتا ہے

فنا کا خوف کچھ اہلِ حیات ہی کو نہیں
ہوا سے شمع کا شعلہ بھی کانپ جاتا ہے

خدا کے واسطے یادِ خدا کرے اکبر
بتوں کے عشق میں جاں اپنی کیوں گنواتا ہے

اس میں عکس آپ کا اتاریں گے
دل کو اپنے یونہی سنواریں گے

آپ ناحق پہ اور ہم حق پر
آپ سے ہم کبھی نہ ہاریں گے

عشق کہتا ہے لطف ہوں گے بڑے
ہجر کہتا ہے جان ماریں گے

لیجئے جان، ہے یہی جو خوشی
کیجئے ظلم، دم نہ ماریں گے

دل کی افسردگی نہ جائے گی
ہاں وہ چاہیں گے تو ابھاریں گے

پند اکبر کو دیں گے کیا ناصح
گل کو کیا باغباں سنواریں گے

شاد عظیم آبادی

...بدنام ہے اک عمر سے کیا اس کا گلہ، کہتے آتی ہے حیا
یہ تمنا، یہ امیدیں، جنھیں برسوں پالا، کب مری ہوں گی بھلا
...ن کج روشی، کج کلہی، کینہ وری، دلبری، عشوہ گری
کون غش کھا کے گرا، کون بچا، کون مُوا، پھر کے دیکھا نہ ذرا
...ن مار اتری آنکھوں نے، جو کی پھر کے نگاہ، نہ ملی دل کو پناہ
یار! کیا قہر ہے چلتا ہوا جادو تیرا، لاکھ روکا، نہ رُکا
...ت پھری ساری ہری ڈالوں میں پھوٹی کونپل، ہو گئے پھول بھی پھل
اک یہ اُجڑا ہوا دل ہے کہ نہ پھولا نہ پھلا، اور سوکھا ہی کیا
...ی کالی وہ گھٹائیں، وہ پپیہوں کی پکار، دھیمی دھیمی وہ پھوار
کیسے ساون بھی ہما! یوں ہی رونے میں کٹا، کیا کہیں چھپ کے سوا
...سے لپٹنے کا مری خاک کو بھی ہے ارماں، تاب اُٹھنے کی کہاں
جامہ زیبی کا بھلا! اے صنمِ تنگ قبا، کچھ تو دامن کو جھٹکا!
... آفتِ جاں، سنگ دل، آشوبِ جہاں، دشمنِ امن و اماں
سرورِ کج کلہاں، خسروِ اقلیمِ جفا، بانیٔ مکر و دغا!
...بھری ہائے وہ آنکھیں تری کالی کالی، بے پیئے متوالی!
سانولا رنگ، کہ ریزۂ اعانتِ جفا، اُف کہاں دھیان گیا
... تیرا کنکھیوں سے ستم آہ یہ برچھی، یار اس کی نہ سہی
... کو کنٹی میں ہے وہ گھاؤ جو اوچھا سا لگا، پھر کے پھر دیکھ ذرا
آنکھیں روئی ہوئی، آواز ہے بھرّائی ہوئی، باتیں گھبرائی ہوئی
اس سے تو اور کسی بھید کا ملتا ہے پتا، شاد قسمیں تو نہ کھا

کچھ نہ جانا تھا، غرق اپنے ہی افسانے میں تھا
مرتے مرتے ہوش باقی تیرے دیوانے میں تھا

مسکرا کر چھپا نکلی تھی کس ادا سے اک پری
چہرۂ ساقی کا شاید عکس پیمانے میں تھا

ہائے وہ خود رفتگی الجھے ہوئے سب سر کے بال
وہ کسی میں اب کہاں جو تیرے دیوانے میں تھا

دیکھتا تھا جس طرف اپنا ہی جلوہ تھا عیاں
میں نہ تھا وحشی کوئی اس آئینہ خانے میں تھا

بوریا تھا، کچھ شیشۂ مے تھی یا ٹوٹے سبو
اور کیا اس کے سوا مستوں کے ویرانے میں تھا

ہنستے ہنستے رو دیا کرتے تھے سب بے اختیار
اک نئی ترکیب کا درد اپنے افسانے میں تھا

شاد کچھ پوچھو نہ مجھ سے میرے دل کے داغ کو
ٹمٹماتا سا چراغ اک اپنے ویرانے میں تھا

○

ڈھونڈوگے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں، نایاب ہیں ہم

تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

اے دردِ پتا کچھ تو ہی بتا، اب تک یہ معمہ حل نہ ہوا

ہم میں ہے دلِ بیتاب نہاں، یا آپ دلِ بیتاب ہیں ہم

میں حیرت و حسرت کا مارا، خاموش کھڑا ہوں ساحل پر

دریائے محبت کہتا ہے آ کر کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم

ہو جائے بکھیڑا پاک کہیں، پاس اپنے بلا لیں بہتر ہے!

اب دردِ جدائی سے ان کے اے آہ! بہت بیتاب ہیں ہم

لاکھوں ہی مسافر چلتے ہیں، منزل پہ پہنچتے ہیں دو ایک

اے اہلِ زمانہ! قدر کرو! نایاب نہ ہوں، کم یاب ہیں ہم

مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شادؔ یہ کہلا بھیجا ہے:

آ جاؤ، جو تم کو آنا ہو، ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

○

اسیرِ جسم ہوں، میعادِ قید لا معلوم
یہ کس گناہ کی پاداش ہے، خدا معلوم!

تری گلی بھی مجھے یوں تو کھینچتی ہے بہت
دراصل ہے مری مٹی کہاں کی، کیا معلوم

تعلقات کا الجھاؤ، ہر طرح ظاہر
گرہ کشائیِ تقدیرِ نارسا معلوم!

سفر ضرور ہے اور عذر کی مجال نہیں
مزہ تو یہ ہے نہ منزل، نہ راستا معلوم

دعا کروں نہ کروں سوچ ہے یہی کہ تجھے
دعا کے قبل، مرے دل کا مدعا معلوم

سنی حکایتِ ہستی، تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے، نہ انتہا معلوم

طلب کریں بھی تو کیا شے طلب کریں اے شادؔ
ہمیں کو آپ نہیں اپنا مدعا معلوم

○

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں!
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

ہوں اس کوچے کے ہر ذرّے سے واقف
ادھر سے عمر بھر آیا گیا ہوں

دلِ مضطر سے پوچھ اے رونقِ بزم!
میں خود آیا نہیں، لایا گیا ہوں

سویرا ہے بہت اے شورِ محشر
ابھی بے کار اٹھوایا گیا ہوں

لحد میں کیوں نہ جاؤں منہ چھپائے
بھری محفل سے اٹھوایا گیا ہوں

کجا میں اور کجا اے شادؔ دنیا
کہاں سے کس جگہ لایا گیا ہوں

○

کہاں یہ تاب کہ چکھ چکھ کے، یا گرا کے پیوں
ملے بھرا ہوا ساغر تو ڈگڈگا کے پیوں

ہزار تلخ ہے، پیرِ مغاں نے جب دی ہے
خدا نکردہ جو میں منہ بنا بنا کے پیوں

مزہ ہے بادہ کشی کا وہیں تو اے ساقی!
پیوں جواب تو ترے آستاں پہ آ کے پیوں

میں وہ نہیں کہ خود اپنے قدح کی خیر مناؤں
پیوں تو بزم میں دس پانچ کو پلا کے پیوں

زمیں پہ جام کو رکھ دے، ذرا ٹھہر ساقی!
میں اس پہ ہو لوں تصدق، تو پھر اٹھا کے پیوں

وہ میکدہ ہے، نہ ساقی ہے، کچھ نہ پوچھو شادؔ
میں کس کے گھر میں پیوں، کس کے گھر سے لا کے پیوں

جہاں تک ہو بسر کر زندگی عالی خیالوں میں
بنا دیتا ہے کامل بیٹھنا صاحب کمالوں میں

زباں میں، حلق میں، سینے میں اک مدت سے چھالے ہیں
خدا جانے بھری تھی کس غضب کی آگ نالوں میں

مری آنکھوں سے دیکھو حسنِ صورت کے علاوہ بھی
بہت سی خوبیاں ہیں اور بھی صاحب جمالوں میں

مرے پہلو سے آخر اُٹھ گیا غمخوار گھبرا کر
بہت مشکل ہے آ کر بیٹھنا آشفتہ حالوں میں

جو آنکھیں ہوں تو چشم غور سے اوراقِ گل دیکھو
کسی کے حسن کی شرحیں لکھی ہیں ان رسالوں میں

غم اس الجھاؤ سے چھٹنے کا اے دل تجھ کو ناحق ہے
وہ کیا تیرے لیے کنگھی نہ کرتے اپنے بالوں میں

خوشا وہ صدر میں جن کو جگہ وہ شاہِ خوباں دے
ہمارا ذکر کیا اے شادؔ! ہم ہیں خستہ حالوں میں

نگاہباں ہیں کچھ ایسے ادا و ناز ان کے
کہ بچتے جاتے ہیں لغزش سے پاکباز ان کے

تجھی کو نزع میں پوچھا ترے خموشوں نے
اخیر وقت جب آیا چھپے نہ راز ان کے

نظر اٹھانے میں ہوتا ہے باز پرس کا ڈر
جھکائے رکھتے ہیں گردن کو سرفراز ان کے

دلوں میں گھر نہیں کرتے جو خود پسندی سے
پھرے ہیں کعبہ سے پیچھے نہ پڑھ نماز ان کے

مراد یہ ہے کہ آئے نہ راستی پہ کبھی
فلک کو پھانستے ہیں گیسوئے دراز ان کے

جنھوں نے ناز اُٹھائے نہ ناز والوں کے
پسند آئیں گے کیوں کہ وہاں نیاز ان کے

تعلقات میں دنیا کے پھنس چکے تھے ہم
بچائے جاتے ہیں گیسوئے فتنہ ساز ان کے

اجل کے غمزۂ بے جا سمائیں کیا دل میں
تمام عمر اٹھائے ہوئے ہیں ناز ان کے

نہیں پسند جنھیں شادؔ عاشقانہ کلام
معاف کر دو انھیں دل نہیں گداز ان کے

اک تم اور لاکھ ادائیں، اُف ری جوانی ہائے زمانے
نیچی نگاہیں، تنگ قبائیں، اُف ری جوانی ہائے زمانے

ہجر ہیں اپنا اور یہی عالم، ابرِ بہاراں دیدۂ پُرنم
حد کہ ہمیں وہ آپ بلائیں، اُف ری جوانی ہائے زمانے

اپنی ادا سے آپ کھٹکنا، اپنی ہوا سے آپ جھجکنا!
چال میں لغزش، منہ پہ حیائیں، اُف ری جوانی ہائے زمانے

ہاتھ میں آڑی تیغ پکڑنا، تاکہ لگے بھی زخم تو اوچھا
قسمہ کہ پھر جی بھر کے ستائیں، اُف ری جوانی ہائے زمانے

کالی گھٹائیں، باغ میں جھولے، دھانی دوپٹے، لٹ چھٹکا کے
مجھ پہ یہ قدغن، آپ نہ آئیں، اُف ری جوانی ہائے زمانے

پچھلے پہر اٹھ اٹھ کے نمازیں، ناک رگڑنی سجدے پہ سجدے
نہیں جائز اس کی دعائیں، اُف ری جوانی ہائے زمانے

شاد نہ وہ دیدار پرستی اور نہ وہ بے نشہ کی مستی
تجھ کو کہاں سے ڈھونڈ کے لائیں، اُف ری جوانی ہائے زمانے

نگہ کی برچھیاں جو سہہ سکے سینا اسی کا ہے
ہمارا آپ کا جینا نہیں جینا اسی کا ہے

یہ بزمِ مے ہے، یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اُٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

مکدر یا مصفا جس کو یہ دونوں ہی یکساں ہوں
حقیقت میں وہی مے خوار ہے پینا اسی کا ہے

امیدیں جب بڑھیں حد سے طلسمی سانپ ہیں زاہد
جو توڑے یہ طلسم اے دوست گنجینہ اسی کا ہے

کدورت سے دل اپنا پاک رکھے اے شاد پیری میں
کہ جس کو منہ دکھانا ہے یہ آئینہ اسی کا ہے

ریاض خیرآبادی

○

ہنگامِ نزع، گریہ یہاں بے کسی کا تھا
تم ہنس پڑے، یہ کون سا موقع ہنسی کا تھا

دل نے مجھے خراب کیا، کوئے یار میں
دشمن پہ اعتبار مجھے دوستی کا تھا

یہ اپنی وضع، اور یہ دشنامِ مے فروش
سن کے جو پی گئے، یہ مزہ مفلسی کا تھا

وہ کیوں ٹھہرتے نزع میں، بالینِ غیر پر
کوئی معاملہ یہ گھڑی دو گھڑی کا تھا

حسرت سے کوئی سوئے فلک دیکھتا تھا آج
لب پہ گلہ کسی کا، نہ شکوا کسی کا تھا

اہلِ حرم بھی آکے ہوئے تھے شریکِ دور
کچھ اور رنگ آج مری مے کشی کا تھا

لوٹے مزے حیا کے، اٹھائے ادا کے لطف
پہروں رہے، آج مجھ کو تصور کسی کا تھا

زاہد تمام عمر فرشتہ بنا رہا
اس نے کیا جو کام، یہ کام آدمی کا تھا

جس انجمن میں بیٹھ گیا، رونق آگئی
کچھ آدمی ریاض عجب دل لگی کا تھا

○

وہ ستاتا ہے، ستاتے جو نہیں تم مجھ کو
دھوکے دیتا ہے بری طرح توہّم مجھ کو

پارسائی کا یقیں غیر کو دلواتے ہیں
اور جو بے ساختہ آجائے تبسّم مجھ کو

خانقاہیں تو ہزاروں ہیں، مگر جی بھی لگے
کہیں تھوڑی سی جگہ دے دو پسِ خُم مجھ کو

جس کے ہر ذرّے میں تھا وادیٔ ایمن پنہاں
بے خودی نے اسی صحرا میں کیا گم مجھ کو

دادخواہوں میں دمِ حشر جو دیکھا ہے ریاض
پیار سے پوچھتے ہیں: بھول گئے تم مجھ کو

○

وارفتہ آج کیسی طبیعت چمن میں تھی
صحرا سے کچھ سوا مجھے وحشت چمن میں تھی

بے دورِ جام باغ میں گزرا تمام وقت
کل ساتھ ساتھ گردشِ قسمت چمن میں تھی

اجڑا جب آشیاں، تو خزاں کیا، بہار کیا
تنکوں سے آشیاں کے محبّت چمن میں تھی

صیّاد گھر ترا مجھے جنّت سہی، مگر
جنّت سے بھی سوا مجھے راحت چمن میں تھی

صحرا کی دیکھ بھال بھی کچھ تھی مرے سپرد
تنکے جنوں چمن سکے یہ خدمت چمن میں تھی

اللہ! اس طرح کی جنوں آفریں بہار
جوشِ بہار تھا کہ قیامت چمن میں تھی

سامان سب تھے آج خدا نے بچا لیا
توبہ کے بعد کچھ مری نیّت چمن میں تھی

کل ہم گئے تھے، آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے
بے شمع و گل ریاضؔ کی تربت چمن میں تھی

○

پی لی ہم نے شراب پی لی
تھی آگ مثالِ آب پی لی

اچھی پی لی خراب پی لی
جیسی پائی شراب پی لی

عادت ہی ہے نشہ ہے نہ اب کیف
پانی نہ پیا، شراب پی لی

چھوٹے کئی دن گزر گئے تھے
آئی شبِ ماہتاب پی لی

منہ چوم لے کوئی اس ادا سے
سرکا کے ذرا نقاب پی لی

منظور تھی شستگی زباں کی
تھوڑی سی شرابِ ناب پی لی

○

او کوسنے والے اب دعا دے
اتنا کہہ دے خدا شفا دے

قطرہ شبنمِ بادہ کا مزا دے
شبنم مری پیاس تو بجھا دے

درماں کی طرح تڑپ مزا دے
یارب مجھے دردِ لادوا دے

صیّاد نہ باغ کی ہوا دے
وہ دور سے آشیاں دکھا دے

سب مے کدے ہیں اس سے خالی
دل کو مرے بے خودی ندا دے

یہ دولتِ حسن و دولتِ عشق
بس کی نہیں، جسے خدا دے!

میری شبِ غم کی صبح ہو جائے
تو رُخ سے ذرا نقاب اٹھا دے

وہ تارِ نفس کہاں سے لاؤں
ٹوٹے ہوئے دل کی جو صدا دے

گائیں وہ اسے ریاضؔ! شرمائیں
تو رو کے یہی غزل سنا دے

○

گُل مرقعے ہیں ترے چاک گریبانوں کے
شکل معشوق کی، انداز ہیں دیوانوں کے

کعبہ و دیر میں ہوتی ہے پرستش کس کی
مے پرستو! یہ کوئی نام ہیں مے خانوں کے

جام مے توبہ شکن، توبہ مری جام شکن
سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

پر پروانہ بنے خود شررِ شمع کبھی
شررِ شمع بنے پر کبھی پروانوں کے!

ذکر کیا اہلِ جنوں کا کہ جب آئی ہے بہار
وہ تو وہ، رنگ بدل جاتے ہیں زندانوں کے

آج بت بیٹھے ہیں تقدیر کے مالک بن کر
اب جو لکھا ہے مقدّر میں مسلمانوں کے

وسعتِ ذات میں گم وحدت و کثرت ہے ریاضؔ
جو بیاباں ہیں، وہ ذرّے ہیں بیابانوں کے

جی اُٹھے حشر میں پھر جی سے گزرنے والے
یاں بھی پیدا ہوئے پھر آپ پہ مرنے والے

ہے اداسی شبِ ماتم کی سہانی کیسی
چھاؤں میں تاروں کی نکلے ہیں سنورنے والے

ہم تو سمجھے تھے کہ دشمن پہ اٹھایا خنجر
تم نے جانا کہ ہمیں تم پہ ہیں مرنے والے

عمر کیا ہے۔ ابھی کم سن ہیں، نہ تنہا لیٹیں
سو رہیں پاس مرے خواب میں ڈرنے والے

نزع میں حشر کے وعدے سے یہ تسکین بخشی
چین سے سو رہے منہ ڈھانپ کے مرنے والے

صبر کی میرے، مجھے داد ذرا دے دینا
او مرے حشر کے دن فیصلہ کرنے والے

کیا مزہ دیتی ہے بجلی کی چمک مجھ کو ریاض
مجھ سے لپٹے ہیں مرے نام سے ڈرنے والے

کوئی جانے یہی ہیں ایک جلوا دیکھنے والے
یہ موسیٰ اچھے آئے جا کے تنہا دیکھنے والے

نئی ناقوس میں پھونکی ہے جس نے روح، وہ ہیں یوں
ابھی موجود ہیں، اہلِ کلیسا، دیکھنے وا ے

کھلیں گی بے ثباتی دیکھ کر آنکھیں حبابوں کی
یہی ہیں سر اٹھا کر جوشِ دریا دیکھنے والے

ہم اپنی وضع رندانہ کریں کیوں ترک محشر میں
یہی ہوں گے وہاں بھی اہلِ دنیا دیکھنے والے

گرے غش کھا کے موسیٰ تو صدا یہ طور سے آئی
کھلیں آنکھیں تری، کچھ تو نے دیکھا، دیکھنے والے

سنو افسانۂ جم! جام رکھ کر سامنے اُن کے
ابھی دو چار ہیں جم کا زمانا دیکھنے والے

نشیمن میں نہیں میں تو شرار و برق کیوں جائیں
یہ جا کر، کون میرا آشیانا دیکھنے والے

یہ جتنے پینے والے ہیں ریاض ان سب کے مرشد ہیں
ہمیشہ جامِ مے میں نورِ حق کا دیکھنے والے

وحدت پکارتی ہے وہ کثرت سے دُور ہے
ہر انکشاف، رازِ حقیقت سے دُور ہے

دونوں ہیں ایک میرے لئے عیش ہو کہ غم
میرا مقام دوزخ و جنّت سے دُور ہے

ہل چل ہیں حشر کی، نہیں موقع وصال کا
وقتِ وفائے عہد، قیامت سے دور ہے

آئینۂ مثال میں ہوں، حسنِ بے مثال
لیکن وہ عکس ہوں کہ جو صورت سے دُور ہے

میں نے کریم جان کے تجھ کو، کئے گناہ
بخشے نہ تو مجھے، تری رحمت سے دُور ہے

توبہ کے بعد بھی مجھے پہنچے نہ تجھ سے فیض
ساقی یہ تیری چشمِ مروّت سے دُور ہے

اے شیخ! اس کی چھاؤں بھی نہیں خلد کو نصیب
یاروں کا میکدہ تری جنّت سے دُور ہے

اس کی بلا سے چاہے قیامت کبھی نہ آئے
ہو جائے صبح، یہ شبِ فرقت سے دُور ہے

پینے کے تو نہیں پسِ توبہ کبھی ریاض
ساغر سے ہاتھ اُٹھائیں یہ حضرت سے دُور ہے

جس دن سے حرام ہو گئی ہے
مے، خلد مقام ہو گئی ہے

قابو میں ہے ان کے وصل کا دن
جب آئے ہیں شام ہو گئی ہے

آتے ہی قیامت اس گلی میں
پامالِ خرام ہو گئی ہے

توبہ سے ہماری بوتل اچھی
جب ٹوٹی ہے، جام ہو گئی ہے

کچھ زہر نہ تھی شرابِ انگور
کیا چیز حرام ہو گئی ہے

مے نوش ضرور ہیں وہ نااہل
جن پر یہ حرام ہو گئی ہے

بجھ بجھ کے جلی تھی قبر پر شمع
جل جل کے تمام ہو گئی ہے

ہر بات میں ہونٹ پر ہے دشنام
اب حسن کلام ہو گئی ہے

ہے دُور ابھی ریاض، منزل
دن ختم ہے، شام ہو گئی ہے

آزاد انصاری

○

لطف کی آنکھوں سے کیا دیکھا!
آہ! کسی مصرف کا نہ رکھا

آج تک آنکھیں ڈھونڈ رہی ہیں
آہ! وہ پیارا پیارا جلوا

سم نہ کھانا، ٹھیک نہیں ہے
دیکھو! ستا کر کچھ نہ ملے گا

دامنِ غفلت چھوٹ نہ جائے
آنکھ اٹھا کر، دیکھ نہ لینا

زیست کے دن کاٹے نہیں کٹتے
کاش! تیرا ارمان نہ ہوتا

آہ ہماری ناؤ کی حالت
موجیں سائل، طوفاں برپا

آزاد آپ اور قیدِ علائق
"مرشئ مولیٰ از ہمہ اولیٰ"

○

مے پی، دل کو غم سے نہ پاٹ
خوش جی اور خوش جی کر کاٹ

آہ! خیالِ فرقتِ دوست
جی بھی بے کل، دل بھی اُچاٹ

جور و جفا کی خُو تو نہ ڈال
مہر و وفا کی جڑ تو نہ کاٹ

رہروِ حیرت! دیکھ کے چل
غافل! آگے راہ نہ گھاٹ

ارض و فلک، سب سرگرداں
جس کو دیکھو، بارہ باٹ

آزاد آپ اور اتنی دُون
"بل بے ندی تیرا پاٹ"

○

کس کی لگاوٹ، کس کی لاگ!
بھاگ! بلا سے عشق سے بھاگ!

زلفوں والو! یہ اندھیر
دُہرے دہرے کالے ناگ

ماشاء اللہ! طرزِ کلام
جیسے کوئی دلکش راگ

قتلِ جہاں اور پھر یہ ستم
"ہولی ہے ہولی، پھاگ ہے پھاگ"

میرا سر اور تیرا در
دھن مری قسمت دھن مرے بھاگ

خوابِ غفلت، ٹھیک نہیں
جاگ! اے غافل، وقت ہے جاگ

حیف آزادِ دانا حیف
تم اور اُلفت کا کھڑاگ

○

امید، سو وہ مفقود۔ ارمان، سو وہ معدوم
اے وائے دلِ مرحوم! صد وائے دلِ مرحوم!!

طالب ہوں، مگر ناکام۔ سائل ہوں، مگر محروم
تقدیر، مری تقدیر۔ مقسوم، مرا مقسوم

اب دل کی نہ کچھ پوچھو، اب دل کا خدا حافظ
مانوس نہ کچھ مایوس، مسرور نہ کچھ مغموم

بس عذرِ خطا کب تک، بس شکرِ جفا کب تک
ظاہر ہے کہ تو ظالم، ثابت ہے کہ ہم مظلوم

قسمت سے وہ ملزم ہوں، شامت سے وہ مجرم ہوں
جو داد سے بھی محروم، بے داد سے بھی محروم

غمخوار یہ کہتے ہیں: "درمانِ غم آساں ہے!"
آثار یہ کہتے ہیں: "خیریتِ جاں معلوم"

آزاد کی مے خواری، آزاد کا حصہ تھی
جب پی تو یہ کہہ کر پی، "النادر کالمعدوم"

○

نہ پوچھو! کون ہیں، کیوں راہ میں ناچار بیٹھے ہیں
مسافر ہیں، سفر کرنے کی ہمت ہار بیٹھے ہیں

اُدھر پہلو سے تم اُٹھے، اِدھر دنیا سے ہم اُٹھے
چلو، ہم بھی تمھارے ساتھ ہی تیار بیٹھے ہیں

کسے فرصت؟ کہ فرضِ خدمتِ الفت بجا لائے
نہ تم بے کار بیٹھے ہو، نہ ہم بے کار بیٹھے ہیں!

جو اُٹھے ہیں، تو گرمِ جستجوئے دوست اُٹھے ہیں
جو بیٹھے ہیں، تو محوِ آرزوئے یار بیٹھے ہیں

مقامِ دستگیری ہے کہ تیرے رہروِ الفت
ہزاروں جستجوئیں کر کے ہمت ہار بیٹھے ہیں

نہ پوچھو، کون ہیں، کیا مدعا ہے، کچھ نہیں بابا!
گدا ہیں اور زیرِ سایۂ دیوار بیٹھے ہیں

یہ ہو سکتا نہیں، آزاد سے مے خانہ خالی ہو
وہ دیکھو! کون بیٹھا ہے، وہی سرکار بیٹھے ہیں

○

سخت مشکل ہے کہ اس کا جاننا ممکن نہیں
اور بے جانے، ہمارا ماننا ممکن نہیں

زندگی بھر جاننے کی کوششیں کرنے کے بعد
صرف یہ جانا: یہاں کچھ جاننا ممکن نہیں

وہ یہ کہتے ہیں: ہمیں پہچاننے کی سعی کر
اور یہاں اپنے کو بھی پہچاننا ممکن نہیں

وحدتِ بے لوث ہاتھ آئے، تو کیوں کر ہاتھ آئے
کثرتیں اتنی ہیں، جن کا چھاننا ممکن نہیں

مادّے کی ساری تعریفات برحق، لیکن اب
روح کو آلودگی میں ساننا ممکن نہیں

رازِ عالم تا زباں لانا تو ممکن ہے مگر
سارے عالم سے لڑائی ٹھاننا ممکن نہیں

کچھ ہو، اب ناقص کو کامل جاننا امرِ محال
کچھ ہو، اب ممکن کو واجب ماننا ممکن نہیں

منکرِ عرفانِ حق! جا، شبہ و شک بالکل فضول
ظرف قابل لے کے آ، عرفان ناممکن نہیں

عقل والو! عقل پر غرّہ تو اک حد تک درست
لیکن اس کو عقل سے پہچاننا ممکن نہیں

حضرتِ آزاد اب ہم ہیں اور اک ایسا جہاں
جس جہاں کو منقلب گرداننا ممکن نہیں

○

(بہ صنعت ترصیع جدید)

وہ تیرا دل میں رہ کر، آنکھ سے مستور ہو جانا
وہ میرا با وجودِ قرب، تجھ سے دُور ہو جانا

وہ تیرا، میری امیدوں کو بے دردی سے ٹھکرانا
وہ میرا شیشۂ دل، سنگِ غم سے چُور ہو جانا

وہ تیرا جور پہ تاکیدِ شکرِ جور فرمانا!
وہ میرا امتثالِ امر سے معذور ہو جانا

وہ تیرا مجھ کو آخر مژدۂ یاسِ وفا دینا
وہ میری غم نصیب امید کا مسرور ہو جانا

وہ تیرا مجھ کو آخر اپنی منزل کا پتا دینا
وہ میری جد و جہدِ شوق کا مشکور ہو جانا

وہ تیرا مجھ کو اپنے درد کی دولت عطا کرنا
وہ میرے دامنِ امید کا بھرپور ہو جانا

وہ تیرا مجھ کو اپنی لم یزل الفت عطا کرنا
وہ میرا سرمدی تسکین سے معمور ہو جانا

خوشا آزاد کا فیضانِ صحبت، جس نے سمجھایا
خدا کا قرب کیا شے ہے، خودی سے دور ہو جانا

○

جو حال دیکھتے ہو، وہ خود عرضِ حال ہے
درویش ہوں، فقیر ہوں، صورت سوال ہے

اب دل ہے اور دل میں تمھارا خیال ہے
اور وہ خیال، جس کا بھلانا محال ہے

ایسا نہ ہو کہ ضبطِ شکایت نہ ہو سکے!
للہ یہ نہ پوچھو کہ "جی کیوں نڈھال ہے؟"

اچھا! اک آرزو نہ سہی، دل کا کیا علاج
دل بھی تو آرزو کی طرح پائمال ہے

اے طاقتِ جواب! یہ بے اعتنائیاں؟
کم بخت! دیکھو تو، کوئی پرسانِ حال ہے

یہ کون چاہتا ہے کہ "افشائے راز ہو!"
یہ عرض تھی کہ "ضبطِ تمنا محال ہے!"

آزاد دل کا درد چھپانے سے فائدہ؟
صورت ہی کہہ رہی ہے: "طبیعت نڈھال ہے!"

○

تو اور پاسِ خاطرِ اہلِ وفا کرے
امید تو نہیں ہے، مگر ہاں خدا کرے!

تکرارِ لن ترانیٔ پیہم روا نہ رکھ
ایسا نہ ہو کہ شوقِ تماشا گلا کرے

کیا فائدہ؟ کہ شکوۂ جور و جفا کروں
کیا جانتا نہیں ہوں کہ تو اور وفا کرے؟

شاید تمہیں ہنوز یہ الفاظ یاد ہوں
"تجھ سے دغا کرے، تو خدا سے دغا کرے"

اب میں ہوں اور کوششِ ترکِ تعلقات
شاید یہی علاج کوئی فائدہ کرے!

درویش کی پرکھ ہے، تو درویش کی سنو!
درویش کی صدا ہے کہ داتا بھلا کرے!

آزاد! اجر خوفِ جزا، امرِ حق سہی
لیکن تری بلا، غمِ روزِ جزا کرے

○

بے خبر! وجہ بنائے دو سرا بھی عشق ہے
کارِ انساں ہی نہیں، کارِ خدا بھی عشق ہے

سمِ قاتل بھی ہے، تریاقِ شفا بھی عشق ہے
موت بھی ہے، موت کے دکھ کی دوا بھی عشق ہے

رہرو! راہِ محبت میں نڈر آگے بڑھو!
صرف رہزن ہی نہیں ہے، رہنما بھی عشق ہے

مشکلاتِ عشق سے گھبرا نہ جانا چاہیے
مشکلاتِ عشق کا مشکل کشا بھی عشق ہے

شیخ صاحب! عشق کارِ اہلِ عصیاں ہی نہیں
پیر و مرشد! مسلکِ اہلِ صفا بھی عشق ہے

زندگی میں ترکِ شغلِ عشق کیوں کر کیجیے!
زندگی بھی، زندگی کا مدعا بھی عشق ہے

آؤ! اب آزاد! آسن مار بیٹھیں اور جپیں
آتما بھی عشق ہے، پرماتما بھی عشق ہے

آرزو لکھنوی

○

کس مست سے ساقی آنکھ لڑی متوالا بنا لہرا کے گرا
آگے تو ہیں راہیں کٹھن دل پہلے ہی ٹھوکر کھا کے گرا

دل شوق کے جوش میں دوڑ پڑا اور شوق تو ہوتا ہے اندھا
ورنہ پتا تھا قسمت کا لکھا جو لگی تیورا کے گرا

کیا عشق کی منزل بھی تھی کٹھن بندھ بندھ کے ہمت ٹوٹ گئی
جو ایک قدم چل کر ٹھہرا وہ دو قدم آگے جا کے گرا

سلگی ہوئی ہے غم کی بھٹی دل کیوں نہ پگھل کر ہو پانی
جو قطرہ آنسو بن کے بہا لہرا کے چلا تیورا کے گرا

جو نالہ فلک سے ٹکرایا وہ آرزو اک تارا ٹوٹا
دشمن کی طرف جو لپکا تھا وہ شعلہ مجھی پر آ کے گرا

○

بجھے جی کا اگلا سا جلنا کہاں اب
دھواں سا تو ہے لو نکلنا کہاں اب

وہ ہر آنے والے پہ دھوکا انھی کا
وہ گھبرا کے گھر سے نکلنا کہاں اب

رہا کرتا ہے جی بھی ڈوبا ہوا سا
وہ ہاتھوں کلیجہ اچھلنا کہاں اب

پڑے رہتے ہیں یونہی منہ کو لپیٹے
وہ اٹھ اٹھ کے پہروں ٹہلنا کہاں اب

للک ہو کسی کی تو ہوکیں بھی اٹھیں
تڑپ کر وہ کروٹ بدلنا کہاں اب

لگی تاک تھا سب کا لگانا بجھانا
جلاتا کہاں اب ہے جلنا کہاں اب

اٹھا اور گرا آرزو اس گلی میں
نہیں پاؤں جمتے سنبھلنا کہاں اب

○

...ب کی متیں پلٹ گئیں سنکیں بندھی ہوئی ہوائیں
جی ہی نہیں اُداس اُداس کتنا ہے بن بھی سائیں سائیں

...ہا ہے جو گزر چکی آپ بھی اس کو بھول جائیں
سنتا ہے کون دھر کے کان لمبی کتھا کسے سنائیں

...کنارے تھے چاہ کے دھوپ میں تیور آگئے
ہم یہی سوچتے رہے چھاؤں ملے تو بیٹھ جائیں

...یہ مار کر پلک لمبی سی سانس لی تھی کیوں
پھر ہوئی ویسی ہی کھٹک کا ہے کی ہے یہ کیا بتائیں

...ی ہے لگی ہوئی چھوڑ دو ہٹو الگ رہو
بجلی ہے ایک ایک نس ہاتھ کہیں نہ جھنجھنائیں

...ں نے کہ چین کھو دیا ہے وہ جی کا چین بھی
یہ بھی نہیں کہ رکھیں دھیان یہ بھی نہیں کہ بھول جائیں

...اندھے من کی ہے وہ چھوٹ جیسے دمکتی بجلیاں
دیکھنے کی مٹھ چکی آنکھیں رہیں کہ پھوٹ جائیں

...ب ہیں تو یہ کہ چپ ہیں کیوں بولیں تو ہاں یہ کیا کہا
بھید ہی بھید تو ہیں سب کس سے بتائیں کیا بتائیں

اس کی گلی میں آ ڈٹے آرزو اب ہٹیں گے کیا
اس سے ہو جائیے تو نکال اس سے ہو جائیے جھائیں جھائیں

○

بھولے بن کر حال نہ پوچھو بہتے ہیں اشک تو بہنے دو
جس سے بڑھے بے چینی دل کی ایسی تسلی رہنے دو

رسمیں اس اندھیر نگر کی نئی نہیں یہ پرانی ہیں
مہر پہ ڈالو رات کا پردہ ماہ کو روشن رہنے دو

روح نکل کر باغِ جہاں سے باغِ جناں میں جا پہنچے
چہرے پہ اپنے میری نگاہیں اتنی دیر تو رہنے دو

خندۂ گل بلبل ہیں ہوگا گل میں نغمہ بلبل کا
قصہ ایک زبانیں دو ہیں آپ کہو یا کہنے دو

اپنا جنونِ شوق دیا کیوں خوف جو تھا رسوائی کا
بات کرو خود قابلِ شکوہ اُلٹے مجھ کو اُلجھنے دو

اوّلِ شب وہ بزم کی رونق شمع بھی تھی پروانہ بھی
رات کے آخر ہوتے ہوتے ختم تھا یہ افسانہ بھی

قید کو توڑ کے نکلا جب میں اٹھ کے بگولے ساتھ ہوئے
دشتِ عدم تک جنگل جنگل جاگ چلا ویرانہ بھی

ہاتھ سے کس نے ساغر پٹکا موسم کی بے کیفی پر
اتنا برسا ٹوٹ کے بادل ڈوب چلا میخانہ بھی

خون ہی کی شرکت وہ نہ کیوں ہو شرکت چیز ہے جھگڑے کی
اپنوں سے وہ دیکھ رہا ہوں جو نہ کرے بیگانہ بھی

ایک لگی کے دو ہیں اثر اور دونوں حسبِ مراتب ہیں
لو جو لگائے شمع کھڑی ہے رقص میں ہے پروانہ بھی

دونوں جولانگاہِ جنوں ہیں بستی کیا ویرانہ کیا
اٹھ کے چلا جب کوئی بگولا دوڑ پڑا دیوانہ بھی

وحدت میں کی کثرت پیدا جلووں کی پاشانی نے
ایک ہی جا تھا کچھ دن پہلے کعبہ بھی بتخانہ بھی

غنچے چپ ہیں گل ہیں ہوا پر کس سے کہئے جی کا حال
خاک نشیں اک سبزہ ہے سو اپنا بھی بیگانہ بھی

حسن و عشق کی لاگ میں اکثر چھیڑ ادھر سے ہوتی ہے
شمع کا شعلہ جب لہرایا اُڑ کے چلا پروانہ بھی

دورِ مسرت آرزو اپنا کیسا زلزلہ آگیں تھا
ہاتھ سے منہ تک آتے آتے چھوٹ پڑا پیمانہ بھی

ہو گئیں کیاریاں ہری جیسے کہ رُت پلٹ چلی
کون یہ مسکرا دیا، ہنسنے لگی کلی کلی

کھلنے کی آس میں یہاں ڈال گئے تھے اک کلی
رو کے اُبھار رہے ہیں آج پنکھڑیاں ملی دلی

تاروں کو دیکھتے ہیں سب اور یہ دیکھتا ہوں میں
آئی کہاں سے یہ چمک کس کی ہے یہ جھلاجھلی

سب سے بدا ہوا تھا دن آنے تھے دیکھنے سبھی
آنکھیں جو چوندھیا گئیں مچ گئی جیسے کھلبلی

دن کی بھی آس ہے یہاں رات کی مگر چاندنی
کتنی رُتیں پلٹ گئیں ڈال کبھی نہ یہ پھلی

چاہ کے ساتھ جی کی تھاہ پائی ہے اور نہ پائے
ایک ہے دوسرے کی آڑ دونوں میں یوں کھلی ملی

اس کے لئے کہ آرزو ہنستا ہوا تھا ساتھ ساتھ
ڈھونڈتے تھکا ہوں بن کے بن چھان پھرا گلی گلی

…ات پہیلی ایسی ہیں وہی بوجھے جس کو بجھائے — بھید نہ پائے تو گھبرائے بھید جو پائے تو گھبرائے
…باتیں بنانے والا ہنس کے ہنسائے رو کے رلائے — جب وہ بلائیں اسے کیا کیجیے جائے تو منہ تکتا رہ جائے
…کلنے میں آ آ کر جیسا تارا رہ رہ کے ستائے — چپکے چپکے بیٹھا روئے آنسو پونچھے اور رہ جائے
…چھا ہنس لو ہنس لو اب نہ کہوگے کوئی بات — ایسا بھولا کوئی نہیں ہے جان چلے پھر دھوکا کھائے
…انی بے چینی کی ماتھے پہ لکھ دیتی ہے — ایسی بات کہ گھٹتے منہ تک آئے اور رہ جائے
…ت کھٹکا کانٹا جس کی بے چینی میں چین — منہ سے نکالے تو پچھتائے جی میں رکھے تو پچھتائے
…چھپے کی چاہت کیوں کر جب اس میں یہ کھٹکا ہے — اپنی بیتی ایک کہے جگ بیتی کا بھرم کھل جائے
…پوچھو پوچھ کے سمجھو سن کے نہ ایسی بات سناؤ — آس لگا کر کہنے والا اپنا سا منہ لے کر رہ جائے
…سننے والے سے کہنا پتھر سے ٹکرانا ہے — بات بھی وہ جو ڈرتے ڈرتے ہو کے ادھوری منہ تک آئے
…کی ہر بات ہے الٹی مت الٹی رونا الٹا — جتنا سوچو اور الجھے بوند برسے ندی بہہ جائے
…ہیں دیتا ہے دل جس نے پھر کھٹکا رونا ہے — یہ تو ہے اپنی اپنی بھاون جیسا مانگے ویسا پائے
…کی چوٹ نہ سہنے والا کھوٹ بھی کرتے ڈرتا ہے — جیسے بے بس سانپ چٹیلا پلٹے کھا کھا کر رہ جائے

آرزو ایسے یوں ہنسیے ہنس مکھ پتھر کوئی نہیں
چین سمجھ لے بے چینی کو ہائے کرے اور ہنستا جائے

دکھ روگ کو چاہت کے سکھ روگ بنانا ہے
وہ بکا ہوا انگارا چھاتی سے لگانا ہے

کھسیانی ہنسی ہنسنا اک بات بنانا ہے
ٹپکے ہوئے آنسو کو پلکوں سے اٹھانا ہے

کیوں مرتے ہیں ہم تم پر اس کیوں کو نہ کچھ پوچھو
پانی نہیں پینا ہے اور پیاس بجھانا ہے

جو آپ سے گزرا ہے پہنچا ہے وہیں تجھ تک
جو آپ کو بھولا ہے اس نے تجھے جانا ہے

ہم یونہی نہیں چپ ہیں کیوں چپ ہیں یہ نہ پوچھو
بات اپنی بنانا ہے بھید ان کا چھپانا ہے

اٹھنا تری چوکھٹ سے اور کچھ ہے یہ رکنا
جائیں تو کدھر جائیں پچھتا کے پھر آنا ہے

چپ ایک پہیلی ہے سوچو گے تو بوجھو گے
تم سے وہی کہنا ہے جو سب سے چھپانا ہے

دکھ میں بھی ہنسی آئے یہ آن ہے چاہت کی
چڑھتی ہوئی ندی ہے اور پیر کے جانا ہے

ہاں آرزو اچھا ہے جو اور بھی دکھ جھیلو
سمجھایا ہے جب تم کو کہنا نہیں مانا ہے

آ گئی پیری، جوانی ختم ہے
صبح ہوتی ہے، کہانی ختم ہے

حسرتوں کا دل سے قبضہ اُٹھ گیا
غاصبوں کی حکمرانی ختم ہے

ہو گیا ذوقِ نظر رہ خود فنا
یا بہارِ بوستانی ختم ہے

ماجرائے غم چراغِ صبح کا
ختم اور اپنی زبانی ختم ہے

صورتِ یخ بستہ ہے جوشِ گداز
بہتے دریا کی روانی ختم ہے

ذکرِ غم میں لذتِ غم پھر کہاں
اپنے ساتھ اپنی کہانی ختم ہے

آرزو تھا اک اندھیرے کا چراغ
اس کی بھی اب ضو فشانی ختم ہے

ہیرا بھی ہے دل تو پتھر ہے، یوں قدر نہیں کچھ ہوتی ہے
ہاں پانی ہو کر بہہ نکلے، پھر جو قطرہ ہے موتی ہے

سو پلٹے کھائے زمانے نے، اور دل کا رنج خوشی نہ بنا
کیا موت کی نیند میں ہے قسمت جو ایک ہی کروٹ سوتی ہے

وہ نازِ غضب یہ نیازِ ستم دم بند ہے اور جینا مشکل
چپ ہیں تو ستائے جاتے ہیں، بولیں تو شکایت ہوتی ہے

غم خوار ہی جب کاوش رکھیں، راحت کی امید کروں کس سے
اب نیند بھی راتوں کو آکر کانٹے آنکھوں میں چبھوتی ہے

اس فیصلے پر تیرے ظالم رونے کے ہے قابل حالتِ دل
ٹوٹا نہ اگر تو پتھر ہے اور چور ہوا تو موتی ہے

الفت میں خموشی پر میری حیرت میں ہیں جو یہ کیا جانیں
پڑتا ہے داغ کلیجے میں اور مُہر لبوں پہ ہوتی ہے

اے آرزو اب ہم چشموں میں ہے ظرف کا اس کے خدا حافظ
جس دل میں جہاں کی نیرنگی سب سرد و گرم سموتی ہے

علامہ اقبال

○

کبھی اے حقیقتِ منتظر، نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

طرب آشنائے خروش ہو، تو نوا ہے، محرمِ گوش ہو
وہ سرود کیا، کہ چھپا ہوا ہو سکوتِ پردۂ ساز میں

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئنہ ہے وہ آئنہ
کہ شکستہ ہو، تو عزیز تر ہے نگاہِ آئنہ ساز میں

دمِ طوف، کرمکِ شمع نے یہ کہا کہ وہ اثرِ کہن
نہ تری حکایتِ سوز میں، نہ مری حدیثِ گداز میں
نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی، تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو، ترے عفوِ بندہ نواز میں

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں، نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی، نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

جو میں سربسجدہ ہوا کبھی، تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

○

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ! کیا چاہتا ہوں

ستم ہو، کہ ہو وعدۂ بے حجابی
کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں

یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو
کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں

ذرا سا تو دل ہوں، مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں

کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہلِ محفل!
چراغِ سحر ہوں، بجھا چاہتا ہوں

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں، سزا چاہتا ہوں

جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں، زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

اگر کچھ آشنا ہوتا، مذاقِ جبہہ سائی سے
تو سنگِ آستانِ کعبہ، جا ملتا جبینوں میں

کبھی اپنا بھی نظارہ کیا ہے تو نے اے مجنوں!
کہ لیلیٰ کی طرح، تو خود بھی ہے محمل نشینوں میں

مہینے وصل کے، گھڑیوں کی صورت اُڑتے جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جدائی کی، گزرتی ہیں مہینوں میں

مجھے روکے گا تو اے ناخدا! کیا غرق ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہو، ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو، موجِ نفس ان کی
الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں

تمنا دردِ دل کی ہو، تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر، بادشاہوں کے خزینوں میں

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

کسی ایسے شرر سے پھونک، اپنے خرمنِ دل کو
کہ خورشیدِ قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں

محبت کے لیے، دل ڈھونڈھ! کوئی ٹوٹنے والا
یہ وہ مے ہے، جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں

خموش، اے دل! بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے، محبت کے قرینوں میں

برا سمجھوں انھیں، مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا
کہ میں خود بھی تو ہوں اقبال اپنے نکتہ چینوں میں

چمک تیری عیاں بجلی میں، آتش میں، شرارے
جھلک تیری ہویدا چاند میں، سورج میں، تارے

شریعت کیوں گریباں گیر ہو، ذوقِ تکلم
چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب استعارے

جو ہے بیدار انساں میں، وہ گہری نیند سوتا
شجر میں، پھول میں، حیواں میں، پتھر میں، ستارے

مجھے پھونکا ہے سوزِ قطرۂ اشکِ محبت
غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے سے شرارے

نہیں جنسِ ثوابِ آخرت کی آرزو
وہ سوداگر ہوں، میں نے نفع دیکھا ہے

صدائے لن ترانی سن کے اے اقبال میں
تقاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فرقت کے

نرالی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب! رہنے والے ہیں

علاجِ درد میں بھی، درد کی لذت پہ مرتا ہوں
جو تھے چھالوں میں کانٹے، نوکِ سوزن سے نکالے ہیں

پھلا پھولا رہے یارب! چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

نہ پوچھو! مجھ سے لذت خانماں برباد رہنے کی
نشیمن سینکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

نہیں بیگانگی اچھی، رفیقِ راہِ منزل سے
ٹھہر جا، اے شرر! ہم بھی تو آخر مٹنے والے ہیں

امیدِ حور نے سب کچھ سکھا رکھا ہے واعظ کو
یہ حضرت دیکھنے میں سیدھے سادے بھولے بھالے ہیں

مرے اشعار اے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
مرے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ دردانگیز نالے ہیں

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینہ میں اسے اور ذرا تھام ابھی

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش، تو ہے خام ابھی

بے خطر کود پڑا، آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گامِ عمل
عقل سمجھی ہی نہیں، معنیِ پیغام ابھی

شیوۂ عشق ہے آزادی و دہر آشوبی
تو ہے زناریِ بت خانۂ ایام ابھی

عذرِ پرہیز پہ کہتا ہے بگڑ کر ساقی
ہے ترے دل میں وہی کاوشِ انجام ابھی

سعیِ پیہم ہے ترازوئے کم و کیفِ حیات
تیری میزاں ہے شمارِ سحر و شام ابھی

ابرِ نیساں! یہ تنک بخشیِ شبنم کب تک؟
میرے کہسار کے لالے ہیں تہی جام ابھی

بادہ گردانِ عجم وہ، عربی میری شراب
میرے ساغر سے جھجکتے ہیں مے آشام ابھی

خبر اقبال کی لائی ہے گلستاں سے نسیم
نو گرفتار، پھڑکتا ہے تہِ دام ابھی

○

نہ آتے، ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی

تمھارے پیامی نے سب راز کھولا
خطا اس میں بندے کی سرکار! کیا تھی

بھری بزم میں اپنے عاشق کو تاڑا
تری آنکھ، مستی میں ہشیار کیا تھی

تامل تو تھا ان کو آنے میں قاصد!
مگر یہ بتا! طرزِ انکار کیا تھی؟

کہیں ذکر رہتا ہے اقبال تیرا
فسوں تھا کوئی، تیری گفتار کیا تھی

○

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا، تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

منصور کو ہوا، لبِ گویا، پیامِ موت
اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی

ہو دید کا جو شوق، تو آنکھوں کو بند کر!
ہے دیکھنا یہی، کہ نہ دیکھا کرے کوئی

عذر آفرینِ جرمِ محبت ہے حسنِ دوست
محشر میں عذرِ تازہ نہ پیدا کرے کوئی

نظارہ کو یہ جنبشِ مژگاں بھی بار ہے
نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

کھل جائیں کیا مزے ہیں تمنائے شوق کے
دو چار دن جو میری تمنا کرے کوئی

مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑ دے
نظارہ کی ہوس ہے تو لیلیٰ بھی چھوڑ دے

واعظ! کمالِ ترک سے ملتی ہے یاں مراد
دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی
رستہ بھی ڈھونڈ! خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

ہے عاشقی میں رسم الگ سب سے بیٹھنا
بت خانہ بھی، حرم بھی، کلیسا بھی چھوڑ دے

سوداگری نہیں، یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

اچھا ہے، دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

جینا وہ کیا، جو ہو نفسِ غیر پر مدار
شہرت کی زندگی کا بھروسا بھی چھوڑ دے

شوخی سی ہے، سوالِ مکرر میں اے کلیم!
شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

واعظ ثبوت لائے، جو مے کے جواز میں
اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

کہوں کیا، آرزوئے بے دلی مجھ کو کہاں تک ہے
مرے بازار کی رونق ہی سودائے زیاں تک ہے

وہ مے کش ہوں، فروغِ مے سے خود گلزار بن جاؤں
ہوائے گل، فراقِ ساقی، نامہرباں تک ہے

جرس ہوں، نالہ خوابیدہ ہے، میرے ہر رگ و پے میں
یہ خاموشی مری، وقتِ رحیلِ کارواں تک ہے

سکونِ دل سے، سامانِ کشودِ کار پیدا کر!
کہ عقدہ خاطرِ گرداب کا، آبِ رواں تک ہے

چمن زارِ محبت میں، خموشی، موت ہے بلبل!
یہاں کی زندگی، پابندیٔ رسمِ فغاں تک ہے

جوانی ہے، تو ذوقِ دید بھی، لطفِ تمنا بھی
ہمارے گھر کی آبادی، قیامِ میہماں تک ہے

زمانے بھر میں رسوا ہوں، مگر اے وائے نادانی!
سمجھتا ہوں کہ میرا عشق، میرے رازداں تک ہے

حسرتؔ موہانی

○

سرگرمِ ناز آپ کی شانِ جفا ہے کیا
باقی ستم کا اور ابھی حوصلا ہے کیا

آنکھیں تری جو ہوش ربائی میں فرد ہیں
ان میں یہ سحر کاریٔ رنگِ حیا ہے کیا

گر جوشِ آرزو کی ہیں کیفیتیں یہی
میں بھول جاؤں گا کہ مرا مدعا ہے کیا

آتے ہیں وہ خیال میں کیوں میرے بار بار
عشقِ خدا نما کی یہی ابتدا ہے کیا

اک برقِ مضطرب ہے کہ اک سحرِ بے قرار
کچھ پوچھئے نہ وہ نگہِ فتنہ زا ہے کیا

اس درجہ دل پذیر ہے آہنگِ نغمہ کیوں
پنہاں لباسِ د ، د میں تیری صدا ہے کیا

چل بھی دئے وہ چھین کے صبر و قرارِ دل
ہم سوچتے ہی رہ گئے یہ ماجرا ہے کیا

نزدیک بامِ یار سے ہے نردبانِ عشق
[illegible]

[illegible]

○

لایا ہے دل پہ کتنی خرابی
اے یار! تیرا حسن شرابی

پیراہن اس کا ہے سادہ رنگیں
یا عکسِ مے سے شیشہ گلابی

ق

عشرت کی شب کا وہ دورِ آخر
نورِ سحر کی وہ لاجوابی
پھرتی ہے اب تک دل کی نظر میں
کیفیت ان کی وہ نیم خوابی
بزمِ طرب ہے وہ بزم، کیوں ہو
ہم غم زدوں کو واں باریابی

ق

اس نازنیں نے باوصفِ عصمت
کی وصل کی شب وہ بے حجابی
شوق اپنی بھولا گستاخ دستی
دل ساری شوخی، حاضر جوابی
وہ روئے زیبا ہے جانِ خوبی
ہیں وصف جس کے سارے کتابی

[illegible]
[illegible]

○

بھلاتا لاکھ ہوں، لیکن برابر یاد آتے ہیں
الٰہی! ترکِ الفت پر وہ کیوں کر یاد آتے ہیں

نہ چھیڑ اے ہم نشیں! کیفیتِ صہبا کے افسانے
شرابِ بیخودی کے مجھ کو ساغر یاد آتے ہیں

رہا کرتے ہیں قیدِ ہوش میں اے وائے ناکامی
وہ دشتِ خود فراموشی کے چکر یاد آتے ہیں

نہیں آتی، تو یاد اُن کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں، تو اکثر یاد آتے ہیں

حقیقت کھل گئی حسرت ترے ترکِ محبت کی
تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں

○

وصل کی بنتی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں
آرزوؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں

بے زبانی ترجمانِ شوقِ بے حد ہو تو ہو
ورنہ پیشِ یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں

مٹ رہی ہیں دل سے یادیں روزگارِ عیش کی
اب نظر کاہے کو آئیں گی یہ تصویریں کہیں!

التفاتِ یار تھا اک خوابِ آغازِ وفا
سچ ہوا کرتی ہیں ان خوابوں کی تعبیریں کہیں

تیری بے صبری ہے حسرت خامکاری کی دلیل
گریۂ عشاق میں ہوتی ہیں تاثیریں کہیں

توڑ کر عہدِ کرم نا آشنا ہو جائیے — بندہ پرور! جائیے، اچھا خفا ہو جائیے

میرے عذرِ جرم پر مطلق نہ کیجے التفات — بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کر کج ادا ہو جائیے

خاطرِ محروم کو کر دیجئے محوِ الم — درپئے ایذائے جانِ مبتلا ہو جائیے

راہ میں ملئے کبھی مجھ سے تو از راہِ ستم — ہونٹ اپنا کاٹ کر فوراً جدا ہو جائیے

گر نگاہِ شوق کو محوِ تماشا دیکھئے — قہر کی نظروں سے مصروفِ سزا ہو جائیے

میری تحریرِ ندامت کا نہ دیجے کچھ جواب — دیکھ لیجے اور تغافل آشنا ہو جائیے

مجھ سے تنہائی میں گر ملئے تو دیجے گالیاں — اور بزمِ غیر میں جانِ حیا ہو جائیے

ہاں یہی میری وفائے بے اثر کی ہے سزا — آپ کچھ اس سے بھی بڑھ کر پُر جفا ہو جائیے

جی میں آتا ہے کہ اس شوخِ تغافل کیش سے — اب نہ ملئے پھر کبھی اور بے وفا ہو جائیے

دل سے یادِ روزگارِ عاشقی دیجے نکال — آرزوئے شوق سے نا آشنا ہو جائیے

کاوشِ دردِ جگر کی لذتوں کو بھول کر — مائلِ آرام و مشتاقِ شفا ہو جائیے

ایک بھی ارماں نہ رہ جائے دلِ مایوس میں — یعنی آخر بے نیازِ مدعا ہو جائیے

بھول کر بھی اس ستم پرور کی پھر آئے نہ یاد — اس قدر بیگانۂ عہدِ وفا ہو جائیے

ہائے ری بے اختیاری، یہ تو سب کچھ ہو، مگر — اس سراپا ناز سے کیوں کر خفا ہو جائیے

چاہتا ہے مجھ کو تو بھولے، نہ بھولوں میں تجھے — تیرے اس طرزِ تغافل کے فدا ہو جائیے

کشمکش ہائے الم سے اب یہ حسرت جی میں ہے
چھٹ کے ان جھگڑوں سے مہمانِ قضا ہو جائیے

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانا یاد ہے

باہزاراں اضطراب و صد ہزاراں اشتیاق
تجھ سے وہ پہلے پہل دل کا لگانا یاد ہے

بار بار اٹھنا اسی جانب نگاہِ شوق کا
اور ترا غرفے سے وہ آنکھیں لڑانا یاد ہے

تجھ سے کچھ ملتے ہی وہ بے باک ہو جانا مرا
اور ترا دانتوں میں وہ انگلی دبانا یاد ہے

کھینچ لینا وہ مرا پردے کا کونا دفعتاً
اور دوپٹے سے ترا وہ منہ چھپانا یاد ہے

جان کر سوتا تجھے وہ قصدِ پابوسی مرا
اور ترا ٹھکرا کے سر، وہ مسکرانا یاد ہے

تجھ کو تنہا جب کبھی پانا، تو از راہِ لحاظ
حالِ دل باتوں ہی باتوں میں جتانا یاد ہے

جب سوا میرے تمہارا کوئی دیوانہ نہ تھا
سچ کہو! کچھ تم کو بھی وہ کارخانا یاد ہے

غیر کی نظروں سے بچ کر سب کی مرضی کے خلاف
وہ ترا چوری چھپے راتوں کو آنا یاد ہے

آ گیا گر وصل کی شب بھی کہیں ذکرِ فراق
وہ ترا رو رو کے مجھ کو بھی رلانا یاد ہے

دوپہر کی دھوپ میں میرے بلانے کے لئے
وہ ترا کوٹھے پہ ننگے پاؤں آنا یاد ہے

آج تک نظروں میں ہے وہ صحبتِ راز و نیاز
اپنا جانا یاد ہے، تیرا بلانا یاد ہے

میٹھی میٹھی چھیڑ کی باتیں نرالی پیار کی
ذکر دشمن کا وہ باتوں میں اڑانا یاد ہے

دیکھنا مجھ کو جو برگشتہ تو سو سو ناز سے
جب منا لینا، تو پھر خود روٹھ جانا یاد ہے

چوری چوری ہم سے تم آ کر ملے تھے جس جگہ
مدتیں گزریں، پر اب تک وہ ٹھکانا یاد ہے

شوق میں مہندی کے وہ بے دست و پا ہونا ترا
اور مرا وہ چھیڑنا، وہ گدگدانا یاد ہے

باوجودِ ادعائے اتقا حسرتؔ مجھے
آج تک عہدِ ہوس کا وہ فسانا یاد ہے

○

یاد ہیں سارے وہ عیشِ بافراغت کے مزے
دل ابھی بھولا نہیں آغازِ الفت کے مزے

وہ سراپا ناز تھا بیگانۂ رسمِ جفا
اور مجھے حاصل تھے لطفِ بے نہایت کے مزے

حسن سے اپنے وہ غافل تھا، میں اپنے عشق سے
اب کہاں سے لاؤں وہ ناواقفیت کے مزے

میری جانب سے نگاہِ شوق کی گستاخیاں
یار کی جانب سے آغازِ شرارت کے مزے

یاد ہیں وہ حسن و الفت کی نرالی شوخیاں
التماسِ عذر و تمہیدِ شکایت کے مزے

صحتیں لاکھوں مری بیماریٔ غم پر نثار
جس میں اٹھے بارہا ان کی عیادت کے مزے

○

تجھ کو پاسِ وفا ذرا نہ ہوا — ہم سے پھر بھی ترا گلا نہ ہوا
ایسے بگڑے کہ پھر جفا بھی نہ کی — دشمنی کا بھی حق ادا نہ ہوا
جانِ عاشق نثارِ دوست ہوئی — شادیٔ مرگ کا بہانہ ہوا
کٹ گئی احتیاطِ عشق میں عمر — ہم سے اظہارِ مدعا نہ ہوا
کچھ عجب چیز ہے وہ چشمِ سیاہ — تیر جس کا کبھی خطا نہ ہوا
حیف ہے اس کی بادشاہی پہ — تیرے کوچہ کا جو گدا نہ ہوا
مر مٹے ہم تو مٹ گئے سب رنج — یہ بھی اچھا ہوا برا نہ ہوا
جب تلک میرے دل میں جان رہی — دردِ مایوس مرحبا نہ ہوا
مل گئی مجھ کو صبرِ عشق کی داد — وہ جو شرمندۂ جفا نہ ہوا

فارغِ رنجِ عشق تھا حسرت
عیشِ دنیا سے آشنا نہ ہوا

سبد کار تھے، باصفا ہو گئے ہم
ترے عشق میں کیا سے کیا ہو گئے ہم

نہ جانا کہ شوق اور بھڑکے گا میرا
وہ سمجھے کہ اس سے جدا ہو گئے ہم

دمِ واپسیں آئے پرسش کو ناحق
بس اب جاؤ! تم سے خفا ہو گئے ہم

جب ان سے ادب نے نہ کچھ منہ سے مانگا
تو اک پیکرِ التجا ہو گئے ہم

فنا ہو کے راہِ محبت میں حسرت
سزاوارِ خلدِ بقا ہو گئے ہم

ہم حال انہیں یوں دل کا سنانے میں لگے ہیں
کچھ کہتے نہیں- پاؤں دبانے میں لگے ہیں

اور ایسے کہاں حیرت و حسرت کے مرقعے
اے دل! جو ترے آئینہ خانے میں لگے ہیں

کہنا ہے انھیں یہ کہ "نہ ہم ہوں گے مخاطب"
پر کہتے نہیں، زلف بنانے میں لگے ہیں

کچھ ہوش سر و پا کا نہیں، رندِ خرابات
اٹھی ہے گھٹا، دھوم مچانے میں لگے ہیں

قاتل! ترے دامن پہ مرے خون کے دھبے
کچھ اور بھی خنجر سے چھپانے میں لگے ہیں

ہر دم ہے یہ ڈر، پھر نہ بگڑ جائیں وہ حسرت
پہروں جنھیں رو رو کے ہنسانے میں لگے ہیں

اصغر گونڈوی

زاہد نے مرا حاصلِ ایماں نہیں دیکھا
رُخ پر تری زلفوں کو پریشاں نہیں دیکھا

آئے تھے سبھی طرح کے جلوے مرے آگے
میں نے مگر اے دیدۂ حیراں نہیں دیکھا

اس طرح زمانہ کبھی ہوتا نہ پر آشوب
فتنوں نے ترا گوشۂ داماں نہیں دیکھا

ہر حال میں بس پیشِ نظر ہے وہی صورت
میں نے کبھی روئے شبِ ہجراں نہیں دیکھا

کچھ دعوئ تمکیں میں ہے معذور بھی زاہد
مستی میں تجھے چاک گریباں نہیں دیکھا

رودادِ چمن سنتا ہوں اس طرح قفس میں
جیسے کبھی آنکھوں سے گلستاں نہیں دیکھا

کیا کیا ہُوا ہنگامِ جنوں، یہ نہیں معلوم
کچھ ہوش جو آیا، تو گریباں نہیں دیکھا

شائستۂ صحبت کوئی ان میں نہیں اصغر
کافر نہیں دیکھے، کہ مسلماں نہیں دیکھا

ترے جلووں کے آگے ہمتِ شرح و بیاں رکھ دی
زبانِ بے نگہ رکھ دی، نگاہِ بے زباں رکھ دی

مٹی جاتی تھی بلبل، جلوۂ گل ہائے رنگیں پر
چھپا کر کس نے ان پردوں میں برقِ آشیاں رکھ دی

نیازِ عشق کو سمجھا ہے کیا؟ اے واعظِ ناداں!
ہزاروں بن گئے کعبے، جبیں میں نے جہاں رکھ دی

قفس کی یاد میں یہ اضطرابِ دل، معاذاللہ!
کہ میں نے توڑ کر ایک ایک شاخِ آشیاں رکھ دی

کرشمے حسن کے پنہاں تھے شاید رقصِ بسمل میں
بہت کچھ سوچ کر ظالم نے تیغِ خوں فشاں رکھ دی

الٰہی کیا کیا تو نے کہ عالم میں تلاطم ہے!
غضب کی ایک مشتِ خاک زیرِ آسماں رکھ دی

جانِ بلبل کا خزاں میں نہیں پرساں کوئی
اب چمن میں نہ رہا، شعلۂ عریاں کوئی

بے محابا ہو اگر حسن، تو وہ بات کہاں
چھپ کے جس شان سے ہوتا ہے نمایاں کوئی

دامنِ گل سے لپٹ کر وہیں مر جانا تھا
اب کرے کیوں گلۂ تنگیٔ داماں کوئی

کیا مرے حال پہ سچ مچ انھیں غم تھا قاصد؟
تو نے دیکھا تھا ستارہ سرِ مژگاں کوئی؟

کیا کرے زاہدِ بے چارہ، اسے کیا معلوم
رحم کرتا ہے بہ اندازۂ عصیاں کوئی

دل میں اک بوند لہو کی نہیں، رونا کیسا
اب ٹپکتا نہیں آنکھوں سے گلستاں کوئی

اب اسے ہوش کہوں یا کہ جنوں اے اصغر
مجھ کو ہر تار میں ملتا ہے گریباں کوئی

کیا کہیے! جاں نوازیٔ پیکانِ یار کو
سیراب کر دیا دلِ منت گزار کو

جوشِ شباب، نشۂ صہبا، ہجومِ شوق
تعبیر یوں بھی کرتے ہیں فصلِ بہار کو

ہر ذرّہ آئینہ ہے کسی کے جمال کا
یوں ہی نہ جانیے مری مشتِ غبار کو

میرے مذاقِ شوق کا اس میں بھرا ہے رنگ
میں خود کو دیکھتا ہوں کہ تصویرِ یار کو

ہاں اے نگارِ خوبی و اے جانِ دلبری
تو نے حیات بخشی ہے صبحِ بہار کو

اس جوئبارِ حسن سے سیراب ہے فضا
روکو نہ اپنی لغزشِ مستانہ وار کو

تھی بوئے دوست موجِ نسیمِ سحر کے ساتھ
یہ اور لے اڑی مری مشتِ غبار کو

یہ رازِ دل ہے، ہستیٔ کل کائنات ہے
دیکھیں حضورِ دیدۂ امیدوار کو

کچھ اور ہی فضا دلِ بے مدعا کی ہے
دیکھا ہے روزِ وصل و شبِ انتظار کو

اصغر نشاطِ روح کا اک کھل گیا چمن
جنبش ہوئی جو خامۂ رنگیں نگار کو

صحنِ حرم نہیں ہے، یہ کوئے بتاں نہیں!
اب کچھ نہ پوچھیے کہ کہاں ہوں کہاں نہیں!

مدت ہوئی کہ چشمِ تحیر کو ہے سکوت
اب جنبشِ نظر میں کوئی داستاں نہیں

اب ہو، تو سنگ در ہی سے سر کو سکون ہو
وہ آستاں نہیں، تو کوئی آستاں نہیں

سارا حصولِ عشق کی ناکامیوں میں ہے
جو عمر رائیگاں ہے، وہی رائیگاں نہیں

کسبِ حیاتِ نو، تری ہر ہر ادا سے ہے
مرنا پسندِ خاطرِ اربابِ جاں نہیں!

تسلیم مجھ کو خانۂ کعبہ کی منزلت
سب کچھ سہی، مگر وہ ترا آستاں نہیں

ہوتا ہے رازِ عشق و محبت انھیں سے فاش
آنکھیں زباں نہیں ہیں، مگر بے زباں نہیں

فطرت سنا رہی ہے ازل سے اسی طرح
لیکن ہنوز ختم مری داستاں نہیں

دیکھوں! ہجومِ غم میں وہ لے کس طرح خبر
یہ اس کا امتحاں ہے، مرا امتحاں نہیں

اب اس نگاہِ ناز سے ربطِ لطیف ہے
مجھ کو دماغِ صحبتِ روحانیاں نہیں

آلامِ روزگار کو آساں بنا دیا
جو غم ہوا، اسے غمِ جاناں بنا دیا

یوں مسکرائے، جان سی کلیوں میں پڑ گئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا

اے شیخ! وہ بسیط حقیقت ہے کفر کی
کچھ قید و رسم نے جسے ایماں بنا دیا

کچھ آگ دی ہوس میں تو تعمیرِ عشق کی
جب خاک کر دیا اسے عرفاں بنا دیا

اک برق تھی ضمیر میں فطرت کے موجزن
آج اس کو حسن و عشق کا ساماں بنا دیا

مجبوریِ حیات میں رازِ حیات ہے
زنداں کو میں نے روزنِ زنداں بنا دیا

وہ شورشیں، نظامِ جہاں جن کے دم سے ہے
جب مختصر کیا انھیں انساں بنا دیا

ہم اس نگاہِ ناز کو سمجھے تھے نیشتر
تم نے تو مسکرا کے رخِ جاں بنا دیا

بلبل بہ آہ و نالہ و گل مست رنگ و بو
مجھ کو شہیدِ رسمِ گلستاں بنا دیا

کہتے ہیں: اک فریبِ مسلسل ہے زندگی
اس کو بھی وقفِ حسرت و حرماں بنا دیا

عالم سے بے خبر بھی ہوں، عالم میں بھی ہوں میں
ساقی نے اس مقام کو آساں بنا دیا

اس حسن کاروبار کو مستوں سے پوچھیے
جس کو فریبِ ہوش نے عصیاں بنا دیا

جلوہ ترا اب تک ہے نہاں چشمِ بشر سے
ہر ایک نے دیکھا ہے تجھے اپنی نظر سے

یہ عارضِ پرنور یہ زلفیں ہیں پریشاں
کم بخت! نکل گھر ہی سے شام و سحر سے

مے دافعِ آلام ہے، تریاق ہے لیکن
کچھ اور ہی ہو جاتی ہے ساقی کی نظر سے

وہ شوخ بھی معذور ہے مجبور ہوں میں بھی
کچھ فتنے اُٹھے حسن سے کچھ حسنِ نظر سے

اس عالمِ ہستی میں نہ مرنا ہے، نہ جینا
تو نے کبھی دیکھا نہیں، مستوں کی نظر سے

جاں بازوں کے سینے میں ابھی اور بھی دل ہیں
پھر دیکھئے اک بار محبت کی نظر سے!

نہ ہوگا کاوشِ بے مدعا کا رازداں برسوں
وہ زاہد جو رہا سرگشتۂ سود و زیاں برسوں

کچھ اس انداز سے چھیڑا تھا میں نے نغمۂ رنگیں
کہ فرطِ ذوق سے جھومی ہے شاخِ آشیاں برسوں

جبینِ شوق لائی ہے وہاں سے داغِ ناکامی
یہ کیا کرتی رہی کم بخت، ننگِ آستاں برسوں

وہی تھا حال میرا، جو بیاں میں آ نہ سکتا تھا
جسے کرتا رہا افشا سکوتِ رازداں برسوں

نہ پوچھو! مجھ پہ کیا گزری ہے میری مشقِ حسرت سے
قفس کے سامنے رکھا رہا ہے آشیاں برسوں

خروشِ آرزو ہو، نغمۂ خاموشِ الفت بن
یہ کیا اک شیوۂ فرسودۂ آہ و فغاں برسوں

نہ کی کچھ لذّتِ افتادگی میں اعتنا میں نے
مجھے دیکھا کیا اٹھ کر غبارِ کارواں برسوں

وہاں کیا ہے؟ نگاہِ ناز کی ہلکی سی جنبش ہے
مزے لے لے کے اب تڑپا کریں اربابِ جاں برسوں

محبت ابتدا سے تھی مجھے گلہائے رنگیں سے
رہا ہوں آشیاں میں لے کے برقِ آشیاں برسوں

میں وہ ہرگز نہیں جس کو قفس سے موت آتی ہو
میں وہ ہوں جس نے خود دیکھا نہ سوئے آشیاں برسوں

○

کوئی محمل نشیں کیوں شاد یا ناشاد ہوتا ہے
غبارِ قیس خود اُٹھتا ہے خود برباد ہوتا ہے

قفس کیا؟ حلقہ ہائے دام کیا؟ رنجِ اسیری کیا؟
چمن پر مٹ گیا جو، ہر طرح آزاد ہوتا ہے

بنا لیتا ہے موجِ خونِ دل سے اک چمن اپنا
وہ پابندِ قفس، جو فطرتاً آزاد ہوتا ہے

بہار انجام سمجھوں اُس چمن کا، یا خزاں سمجھوں
زبانِ برگِ گل سے مجھ کو کیا ارشاد ہوتا ہے

سمائے جا رہے ہیں اب وہ جلوے دیدہ و دل میں
یہ نظارہ ہے، یا ذوقِ نظر برباد ہوتا ہے

یہاں کوتاہیِ ذوقِ عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

یہاں مستوں کے سر الزام ہستی ہی نہیں اصغر
پھر اس کے بعد ہر الزام بے بنیاد ہوتا ہے

○

وہ نغمہ، بلبلِ رنگیں نوا اک بار ہو جائے
کلی کی آنکھ کھل جائے، چمن بیدار ہو جائے

نظر وہ ہے، جو اس کون و مکاں سے پار ہو جائے
مگر جب رُوئے تاباں پر پڑے، بیکار ہو جائے

تم اُس کافر کا ذوقِ بندگی اب پوچھتے کیا ہو
جسے طاقِ حرم بھی ابروئے خمدار ہو جائے

سحر لائے گی کیا پیغامِ بیداری شبستاں میں
نقابِ رُخ الٹ دو، خود سحر بیدار ہو جائے

یہ اقرارِ خودی ہے، دعویٔ ایمان و دیں کیسا؟
ترا اقرار جب ہے، خود سے بھی انکار ہو جائے

نظر اس حسن پر ٹھیرے، تو آخر کس طرح ٹھیرے
کبھی خود پھول بن جائے، کبھی رخسار ہو جائے

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں، زندگی دشوار ہو جائے

فانی بدایونی

○

شوق سے ناکامی کی بدولت کوچہ دل ہی چھوٹ گیا
ساری امیدیں ٹوٹ گئیں، دل بیٹھ گیا، جی چھوٹ گیا

فصلِ گل آئی، یا اجل آئی، کیوں درِ زنداں کھلتا ہے
کیا کوئی وحشی اور آ پہنچا، یا کوئی قیدی چھوٹ گیا

لیجیے کیا دامن کی خبر اور دستِ جنوں کو کیا کہیے!
اپنے ہی ہاتھ سے دل کا دامن مدت گزری چھوٹ گیا

منزلِ عشق پہ تنہا پہنچے، کوئی تمنا ساتھ نہ تھی!
تھک تھک کر اس راہ میں آخر ایک اک ساتھی چھوٹ گیا

فانی ہم تو جیتے جی وہ میت ہیں بے گور و کفن!
غربت جس کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

○

پھر وہ اندازِ نظر یاد آیا
چاکِ دل تا بہ جگر یاد آیا

ذوقِ اربابِ نظر یاد آیا
سجدۂ بے منتِ سر یاد آیا

ہر تبسم پہ یہ کھاتا ہوں فریب
کہ انہیں دیدۂ تر یاد آیا!

پھر ترا نقشِ قدم ہے درکار
سجدۂ راہ گزر یاد آیا!

جمع کرتا ہوں غبارِ رہِ دوست
سرِ شوریدہ مگر یاد آیا!

ہائے وہ معرکۂ ناوکِ ناز
دل بچایا، تو جگر یاد آیا!

آئینہ اب نہیں دیکھا جاتا
میں بہ عنوانِ دگر یاد آیا!

درد کو پھر ہے کسی دل کی تلاش
خانہ برباد کو گھر یاد آیا!

اس میں گو جبر ہے تو بکتے ہو فانی
کیا کرو گے وہ اگر یاد آیا!

ضبط اپنا شعار تھا، نہ رہا
دل پہ کچھ اختیار تھا، نہ رہا

دلِ مرحوم کو خدا بخشے
ایک ہی غم گسار تھا، نہ رہا

آ، کہ وقتِ سکونِ مرگ آیا
نالہ ناخوشگوار تھا، نہ رہا

ان کی بے مہریوں کو کیا معلوم
کوئی امیدوار تھا، نہ رہا

آہ کا اعتبار بھی کب تک
آہ کا اعتبار تھا، نہ رہا

کچھ زمانے کو سازگار سہی
جو ہمیں سازگار تھا، نہ رہا

اب گریباں کہیں سے چاک نہیں
شغلِ فصلِ بہار تھا، نہ رہا

موت کا انتظار باقی ہے!
آپ کا انتظار تھا، نہ رہا

مہرباں، یہ مزارِ فانی ہے

جی ڈھونڈتا ہے گھر کوئی دونوں جہاں سے دور
اس آپ کی زمیں سے الگ آسماں سے دور

شاید میں درخورِ نگہِ گرم بھی نہیں!!
بجلی تڑپ رہی ہے مرے آشیاں سے دور

وہ پوچھتے ہیں اور کوئی دیتا نہیں جواب
کس کی وفا ہے دسترسِ امتحاں سے دور

آنکھیں چرا کے آپ نے افسانہ کر دیا
جو حال تھا زباں سے قریب اور بیاں سے دور

ہے منع راہِ عشق میں دیر و حرم کا ہوش
یعنی کہاں سے پاس ہے منزل کہاں سے دور

تا عرضِ شوق میں نہ رہے بندگی کی لاگ
اک سجدہ چاہتا ہوں ترے آستاں سے دور

فانی وطن میں آ کے یہ عقدہ کھلا کہ ہم
ہندوستاں میں رہتے ہیں ہندوستاں سے دور

○

آپ سے شرحِ آرزو تو کریں
آپ تکلیفِ گفتگو تو کریں!

وہ یہیں ہیں، جو وہ کہیں بھی نہیں
آئیے! دل میں جستجو تو کریں!

اہلِ دنیا مجھے سمجھ لیں گے
مِل کسی دن ذرا لہو تو کریں!

رنگ و بو کیا ہے یہ تو سمجھا دو
سیرِ دنیائے رنگ و بُو تو کریں!

تم سے ملنے کی آرزو ہی سہی!
تم سے ملنے کی آرزو تو کریں

وہ اُدھر رخ اِدھر ہے میّت کا
اگ فانی کو قبلہ رُو تو کریں

○

مشتاقِ خبر دار رہیں دل سے، جگر سے
ملتی ہے زمانے کی نظر اُن کی نظر سے

دل جن سے ملے اب وہ نگاہیں نہیں ملتیں
ملنے کو تو ملتی ہے نظر، اُن کی نظر سے!

پیکاں کے بھی ٹکڑے ہیں، نوکے بھی ہیں تانکے
سینے میں دھواں خیر ہے اُٹھتا ہے کدھر سے

کیا پھر ترے ناوک نے کیا عزمِ نوازش
لبیک کی آتی ہے صدا چاکِ جگر سے

کس صبح کے مشتاق کا ماتم ہے کہ فانی
روتی ہے گلے مل کے سحر، شمع سحر سے!

○

تیرِ غمزہ بھی جو بسمل نہیں ہونے پاتے
مر کے شرمندۂ قاتل نہیں ہونے پاتے

حرم و دیر کی گلیوں میں پڑے پھرتے ہیں
بزمِ رنداں میں جو شامل نہیں ہونے پاتے

موج نے ڈوبنے والوں کو بہت کچھ پلٹا
رخ مگر جانبِ ساحل نہیں ہونے پاتے

دل تو سب کو تری سرکار سے مل جاتے ہیں
درد جب تک نہ ملے، دل نہیں ہونے پاتے

تو کہاں ہے کہ تری راہ میں یہ کعبہ و دیر
نقش بن جاتے ہیں، منزل نہیں ہونے پاتے

کوئی چٹکی سی کلیجے میں لیے جاتا ہے!
ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے

تیرا انعام سمجھتا ہوں ان ارمانوں کو!
میری کوشش کا جو حاصل نہیں ہونے پاتے

خود تجلی کو نہیں اذنِ حضوری فانی
آئینے اُن کے مقابل نہیں ہونے پاتے

○

اس کشمکشِ ہستی میں کوئی راحت نہ ملی، جو غم نہ ہوئی
تدبیر کا حاصل کیا کہیے! تقدیر کی گردش کم نہ ہوئی

اللہ رے سکونِ قلب اس کا، دل جس نے لاکھوں توڑ دیے
جس زلف نے دنیا برہم کی، وہ آپ کبھی برہم نہ ہوئی

غم راز ہے اُن کی تجلی کا، جو عالم بن کر عام ہوا
دل راز ہے ان کی تجلی کا جو راز رہی عالم نہ ہوئی

دل کی یہ ویرانی ہی عجب ہے، وہ بھی آخر کیا کرتے
جب دل میں ان کے بستے بستے یہ ویرانی کم نہ ہوئی

انسان کی ساری ہستی کا مقصد ہے فانی ایک نظر
یعنی وہ نظر، جو دل میں اُتر کر زخم بنی، مرہم نہ ہوئی

تذکرے کیوں ہیں رہ گئی دل کے
آخری کچھ پیام تھے دل کے

تو نے دیکھے ہیں اے نسیم سحر!
کچھ فدائی تھے شمعِ محفل کے

خلشیں تھیں ہمارے دم کے ساتھ
آج کانٹے نکل گئے دل کے

پھول کر پھول جب تنے والے
کل یہ چھینٹے تھے خونِ بسمل کے

تیز تر جادۂ وفا سے گزر!
مٹ رہے ہیں نشان منزل کے

مل بھی جاتے ہیں چھوٹنے والے
چھوڑ جاتا ہے یوں کوئی دل کے

خاک ہے تو اسی گلی کی خاک!
اللہ اللہ یہ حوصلے دل کے!

اُن کی نظریں ہی کچھ کہیں تو کہیں
ان کی نظروں نے کیا کیا دل سے

رگِ فانی میں اب تو دیکھ کر
سہل فرمانے والے مشکل کے

دنیا میری بلا جانے، مہنگی ہے یا سستی ہے
موت ملے تو مفت نہ لوں، ہستی کی کیا ہستی ہے

آبادی بھی دیکھی ہے، ویرانے بھی دیکھے ہیں
جو اجڑے اور پھر نہ بسے، دل وہ نرالی بستی ہے

عجزِ گناہ کے دم تک ہیں، عصمتِ کامل کے جلوے
پستی ہے تو بلندی ہے، رازِ بلندی پستی ہے

جان سی شے بک جاتی ہے ایک نظر کے بدلے میں!
آگے مرضی گاہک کی، ان داموں تو سستی ہے

وحشتِ دل سے پھرنا ہے، اپنے خدا سے پھر جانا
دیوانے یہ ہوش نہیں، یہ تو ہوش پرستی ہے

جگ سونا ہے تیرے بغیر، آنکھوں کا کیا حال ہوا
جب بھی دنیا بستی تھی، اب بھی دنیا بستی ہے

آنسو تھے سو خشک ہوئے، جی ہے کہ امڈا آتا ہے
دل پہ گھٹا سی چھائی ہے، کھلتی ہے نہ برستی ہے

دل کا اجڑنا سہل سہی، بسنا سہل نہیں ظالم!
بستی بسنا کھیل نہیں، بستے بستے بستی ہے،

فانی جس میں آنسو کیا، دل کے لہو کا کال نہ تھا!
ہائے! وہ آنکھ اب پانی کی دو بوندوں کو ترستی ہے

جگر مُراد آبادی

○

تیرا تصور شب ہمہ شب — خلوتِ غم بھی بزمِ طرب
دعوئ شوق اور شکوۂ لب — شرمِ دلِ آرام طلب
باتیں ہیں دو مقصود ہے ایک — تیری طلب، یا اپنی طلب
آ ہی گیا اک مستِ شباب — شیشہ بدست و نغمہ بلب
ختم ہوا انعامِ فراق — آ ہی گیا پیغامِ طلب
بیت گئی، جو دل پہ نہ پوچھ — ہجر کی شب اور آخرِ شب
حسن مکمل جذب و گریز — عشق مسلسل ترک و طلب

ترکِ طلب اور اطمینان
دیکھ تو میرا حسنِ طلب

○

دنیا کے ستم یاد، نہ اپنی ہی وفا یاد
اب مجھ کو نہیں کچھ بھی محبت کے سوا یاد

کیا لطف کہ میں اپنا پتہ آپ بتاؤں
کیجیے کوئی بھولی ہوئی خاص اپنی ادا

میں ترکِ رہ و رسمِ جنوں کر ہی چکا ت
کیوں آگئی ایسے میں تری لغزشِ پا

کیا جانیے، کیا ہو گیا اربابِ جنو
جینے کی ادا یاد، نہ مرنے کی ادا

مدت ہوئی اک حادثۂ عشق کو لیکن
[illegible] دل کے دھڑکنے کی صدا

○

دن بہار کے اب کے بھی راس آ نہ سکے — کہ غنچے کھل تو سکے، کھل کے مسکرا نہ سکے

تباہیٔ دل پر تو رحم کھا نہ سکے — مگر کبھی وہ نظر سے نظر ملا نہ سکے

آدمی ہے وہ پروانہ شمعِ دانش کا — جو روشنی میں رہے، روشنی کو پا نہ سکے

سعادتِ منزل رسی نصیب ہوگیا — وہ پاؤں راہِ طلب میں جو ڈگمگا نہ سکے

نہ جانے آہ! کہ ان آنسوؤں پہ کیا گذری — جو دل سے آنکھ تک آئے، مژہ تک آ نہ سکے

گئے مر کے بقائے دوام کیا حاصل — جو زندہ رہ کے مقامِ حیات پا نہ سکے

خلوصِ محبت! کہ حادثاتِ جہاں — مجھے تو کیا، مرے نقشِ قدم مٹا نہ سکے

سفر سے گریزاں بہت رہے لیکن — مرے خلوصِ محبت سے بچ کے جا نہ سکے

زمانہ مرے ہم سفر رہے برسوں — پھر اس کے بعد مری گرد کو بھی پا نہ سکے

شبِ غم انھیں بھی دیکھ لیا — وہ بے شمار ستارے کہ جگمگا نہ سکے

نیا زمانہ بنانے چلے تھے دیوانے
نئی زمین، نیا آسماں بنا نہ سکے!

○

جہلِ خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

ہائے وہ کیونکر جی بہلائے
غم بھی جس کو راس نہ آئے

دل پہ کچھ ایسا وقت پڑا ہے
بھاگ لیکن راہ نہ پائے

جھوٹی ہے ہر ایک مسرت
روح اگر تسکین نہ پائے

حسن وہی ہے حسن جو ظالم
ہاتھ لگائے ہاتھ نہ آئے

ضبطِ محبت، شرطِ محبت
جی ہے کہ ظالم امڈا آئے

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو
روح سنے اور روح سنائے

راہِ طلب آسان ہوئی ہے
زلف و مژہ کے سائے سائے

کوئی یہ کہہ دے گلشن گلشن
لاکھ بلائیں ایک نشیمن

کامل رہبر، قاتل رہزن
دل سا دوست نہ دل سا دشمن

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن
لیکن اپنا اپنا دامن

عمریں بیتیں، صدیاں گزریں
ہے وہی اب تک عقل کا بچپن

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے
عشق ہے کارِ شیشہ و آہن

ہمتِ حوادث اللہ اللہ!
جھوم رہی ہے شاخِ نشیمن

بیٹھے ہیں ہم بزم میں لیکن
جھاڑ کے اٹھے اپنا دامن

دل کہ مجسم آئینہ ساماں
اور وہ ظالم آئینہ دشمن

خیر مزاجِ حسن کی یارب!
تیز بہت ہے دل کی دھڑکن

تجھ سا حسیں اور خونِ محبت
وہم ہے شاید سرخیٔ دامن

آج نہ جانے راز یہ کیا ہے
ہجر کی رات اور اتنی روشن

آ، کہ نہ جانے تجھ بن کب سے
روح ہے لاشہ، جسم ہے مدفن

ق

کام ادھورا اور آزادی،
نام بڑے اور تھوڑے درشن

شمع ہے لیکن دھندلی دھندلی
سایہ ہے لیکن روشن روشن

علم ہی ٹھیرا علم کا باغی
عقل ہی نکلی عقل کی دشمن

ق

ہستیٔ شاعر، اللہ اللہ
حسن کی منزل عشق کا مسکن

رنگیں فطرت، سادہ طبیعت
فرش نشیں اور عرش نشیمن

کانٹوں کا بھی حق ہے کچھ آخر
کون چھڑائے اپنا دامن

○

سراپا حقیقت، مجسم فسانہ
محبت کا عالم، جنوں کا زمانہ

وہ پہلے پہل دونوں جانب یہ عالم
ادا بے تعلق، نظر محرمانہ

نظر اٹھتے اٹھتے، نظر ملتے ملتے
دھڑکتے دلوں کا وہ نازک فسانہ

طبیعت شگفتہ، مگر کھوئی کھوئی
ہر انداز دلکش، مگر والہانہ

وہ شعر و ترنم کا پرکیف موسم
وہ اشک و تبسم کا رنگیں زمانہ

غرورِ تجمل، مگر زخم خوردہ
شکستِ محبت، مگر فاتحانہ

یہ ترا جمالِ کامل، یہ شباب کا زمانہ
دلِ دشمناں سلامت، دلِ دوستاں نشانہ

مجھے عشق کی صداقت پہ بھی شک سا ہو چلا ہے
مرے دل سے کہہ گئی کیا؟ وہ نگاہِ ناقدانہ

مری زندگی تو گزری ترے ہجر کے سہارے
مری موت کو بھی پیارے کوئی چاہیے بہانہ

میں وہ صاف ہی نہ کہہ دوں جو ہے فرق تجھ میں مجھ میں
ترا درد، دردِ تنہا، مرا غم، غمِ زمانہ

مرے دل کے ٹوٹنے پر ہے کسی کو ناز کیا کیا!
مجھے اے جگر مبارک! یہ شکستِ فاتحانہ

کسی صورت نمودِ سوزِ پنہانی نہیں جاتی
بجھا جاتا ہے دل چہرے کی تابانی نہیں جاتی

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

چلے جاتے ہیں بڑھ بڑھ کر مٹے جاتے ہیں گر گر کر
حضورِ شمع پروانوں کی نادانی نہیں جاتی

وہ یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی
وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی

محبت میں ایک ایسا وقت بھی دل پر گزرتا ہے
کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی

جگر وہ بھی ز سر تا پا محبت ہی محبت ہیں
مگر ان کی محبت صاف پہچانی نہیں جاتی

○

عجب عالم سا دل پر چھا رہا ہے
کہیں جیسے کوئی شرما رہا ہے

وہ زلفیں دوش پر بکھری ہوئی ہیں
جہانِ آرزو تھرّا رہا ہے

گلے مل کر وہ رخصت ہو رہے ہیں
محبت کا زمانہ آ رہا ہے!

وہ خود تسکینِ خاطر کر رہے ہیں
مگر دل ہے کہ ڈوبا جا رہا ہے

طبیعت ہے کہ گھبری جا رہی ہے
زمانہ ہے کہ گزرا جا رہا ہے

مری رودادِ غم وہ سن رہے ہیں
تبسّم سا لبوں پہ آ رہا ہے

جگرؔ ہی کا نہ ہو افسانہ کوئی ۔
در و دیوار کو حال آ رہا ہے

○

محبت صلح بھی، پیکار بھی ہے
یہ شاخِ گل بھی ہے تلوار بھی ہے

طبیعت عشق کی خود دار بھی ہے
ادھر نازکؔ مزاجِ یار بھی ہے

یہ فتنے، جن سے اک دنیا ہے نالاں
انھیں سے گرمئ بازار بھی ہے

غنیمت ہے کہ اس دورِ ہوس میں
ترا ملنا بہت دشوار بھی ہے

خبردار اے سبک سارانِ ساحل
یہ ساحل ہی کبھی منجدھار بھی ہے

جو کوئی سن سکے تو نکہتِ گل
[illegible]

جوشؔ ملیح آبادی

سوزِ غم دے کے مجھے اس نے یہ ارشاد کیا
جا تجھے کشمکشِ دہر سے آزاد کیا

وہ کریں بھی تو کن الفاظ میں تیرا شکوہ
جن کو تیری نگہِ لطف نے برباد کیا

دل کی چوٹوں نے کبھی چین سے رہنے نہ دیا
جب چلی سرد ہوا، میں نے تجھے یاد کیا

اے میں سو جان سے اس طرزِ تکلم کے نثار!
پھر تو فرمائیے! کیا آپ نے ارشاد کیا

اس کا رونا نہیں کیوں تم نے کیا دل برباد
اس کا غم ہے کہ بہت دیر میں برباد کیا

اتنا مانوس ہوں فطرت سے، کلی جب چٹکی
جھک کے میں نے یہ کہا: مجھ سے کچھ ارشاد کیا

مجھ کو تو ہوش نہیں تم کو خبر ہو شاید
لوگ کہتے ہیں کہ تم نے مجھے برباد کیا!

ملا جو موقع تو روک دوں گا جلال روزِ حساب تیرا
پڑھوں گا رحمت کا وہ قصیدہ کہ ہنس پڑے گا عتاب تیرا

یہی تو ہیں دو ستونِ محکم، انہیں پہ قائم ہے نظمِ عالم
یہی تو ہے رازِ خلدِ آدم، نگاہ میری شباب تیرا

صبا تصدق ترے نفس پر چمن ترے پیرہن پہ قرباں
شمیمِ دوشیزگی میں کیسا بسا ہوا ہے شباب تیرا

تمام محفل کے روبرو گو، اٹھائیں نظریں ملائیں آنکھیں
سمجھ سکا ایک بھی نہ لیکن، سوال میرا جواب تیرا

ہزار شاخیں ادا سے لچکیں، ہوا نہ تیرا سا لوچ پیدا
شفق نے کتنے ہی رنگ بدلے، ملا نہ رنگِ شباب تیرا

ادھر مرا دل تڑپ رہا ہے تری جوانی کی جستجو میں
ادھر مرے دل کی آرزو میں مچل رہا ہے شباب تیرا

کرے گی دونوں کا چاک پردہ رہے گا دونوں کو کر کے رسوا
یہ شورشِ ذوقِ دید میری یہ اہتمامِ حجاب تیرا

جڑیں پہاڑوں کی ٹوٹ جاتیں فلک تو کیا عرش کانپ اٹھتا
اگر میں دل پر نہ روک لیتا، تمام زورِ شباب تیرا

بھلا ہوا جوشؔ نے اٹھایا نگاہ کا چشمِ تر سے پردہ
بلا سے جاتی رہیں گر آنکھیں کھلا تو بندِ نقاب تیرا

○

پہچان گیا، سیلاب ہے اس کے سینے میں ارمانوں کا!
دیکھا جو سفینے کو میرے جی چھوٹ گیا طوفانوں کا

یہ شوخ فضا، یہ تازہ چمن، یہ مست گھٹا، یہ سرد ہوا
کافر ہے اگر اس وقت بھی کوئی رُخ نہ کرے میخانوں کا

یہ کس کی حیات افروز نظر نے چھیڑ دیا ہے عالم کو
ہر خاک کے ادنیٰ ذرّے میں ہنگامہ ہے لاکھوں جانوں کا

مطرب! بربط ہاتھ سے رکھ دے، ناصح نے در کھول دیا
فریاد کہ چھو کر ٹوٹ گیا، پھر کانٹا سا ارمانوں کا!

ہاں! ظلم و ستم سے بھی تیرے پڑتی ہیں خراشیں سینے میں
سب سے ہے مہلک زخم مگر اے حسن ترے احسانوں کا

اے دینِ وفا! اے جانِ کرم! یوں غم میں نہ میرا ہاتھ بٹا
مر جاؤں گا میں اے شمع! خدارا! روپ نہ بھر پروانوں کا

دنیا نے فسانوں کو بخشی افسردہ حقائق کی تلخی!
اور ہم نے حقائق کے نقشے میں رنگ بھرا افسانوں کا

کم بخت جوانی سینے میں ناگن کی طرح لہراتی ہے
ہر موجِ نفس اک طوفاں ہے کہ دین شکن ارمانوں کا

اے جوش! جنوں کی شام و سحر میں وقت کی یہ رفتار نہیں
داناؤں کا، طولانی صدیاں، اور ایک نفس دیوانوں کا

○

ہٹ گئے دل سے تیرگی کے حجاب
آفریں! اے نگاہِ عالم تاب!

آڑے آیا نہ کوئی مشکل میں!
مشورے دے دے کے ہٹ گئے احباب

کیا قیامت تھی صبر کی تلقین!
اور بھی روح ہو گئی بے تاب

بارے اٹھے تو ناصحِ مشفق!
ہاں! کدھر ہے صراحیٔ مئے ناب

ہاں! اثر اب ہوا محبت کا!
ہم سے آنے لگا ہے اُن کو حجاب

شب جو وہ بیٹھے میرے پہلو میں!
مسکرانے لگی شبِ مہتاب!

جوش! کھلتی تھی جن سے دل کی کلی،
کیسے وہ لوگ ہو گئے نایاب!

○

عشووں کو چین ہی نہیں آفت کئے بغیر
تم اور مان جاؤ شرارت کئے بغیر!

اہلِ نظر کو یار دکھاتا رہے وفا!
اے کاش! ذکرِ دوزخ و جنت کئے بغیر!

اب دیکھ اس کا حال کہ آتا نہ تھا قرار
خود تیرے دل کو جس پہ عنایت کئے بغیر

اے ہم نشیں محال ہے ناصح کا ٹالنا!
یہ اور یہاں سے جائیں نصیحت کئے بغیر!

تم کتنے تند خو ہو کہ پہلو سے آج تک
اک بار بھی اٹھے نہ قیامت کئے بغیر!

چلتا نہیں ہے محفلِ حسنِ جواں میں کام!
ہر جنبشِ نظر سے عبادت کئے بغیر!

مانا کہ ہر قدم پہ قیامت ہے پھر بھی جوش
بنتا نہیں کسی سے محبت کئے بغیر!

○

جہنم سرد ہے جنت سے دہلوائے جاتے ہیں
مرے محشر بکاری حسن کے بلوائے جاتے ہیں!

غضب ہے یہ ادا اُن کی دمِ آرائشِ گیسو!
جھکی جاتی ہیں آنکھیں خود بخود شرمائے جاتے ہیں

سحر کی ضَو، شفق کی سرخیاں، برسات کے بادل
مجھے ہم راز پا کر یہ مناظر دکھائے جاتے ہیں

نہ جانے کتنی رنگیں صحبتیں ہیں میری نظروں میں
بس اے مطرب مری آنکھوں میں آنسو آئے جاتے ہیں

شبِ مہ، یہ کیسی تیرگی ہے؟ وقت کیا ہوگا!
تمناؤں کے غنچے ہم نفس! کمھلائے جاتے ہیں

کوئی حد ہی نہیں اس احترامِ آدمیت کی!
بدی کرتا ہے دشمن اور ہم شرمائے جاتے ہیں

بہت جی خوش ہوا اے ہم نشیں کل جوش سے مل کر
ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں!

○

قدمِ انساں کا راہِ دہر میں تھرا ہی جاتا ہے
چلے کتنا ہی کوئی بچ کے، ٹھوکر کھا ہی جاتا ہے

نظر ہو خواہ کتنی ہی حقائق آشنا، پھر بھی!
ہجومِ کشمکش میں آدمی گھبرا ہی جاتا ہے

خلافِ مصلحت میں بھی سمجھتا ہوں، مگر واعظ
وہ آتے ہیں تو چہرہ پہ تغیر آ ہی جاتا ہے

ہوائیں زور کتنا ہی لگائیں آندھیاں بن کر
مگر جو گھر کے آتا ہے وہ بادل چھا ہی جاتا ہے

شکایت کیوں اسے کہتے ہو؟ یہ فطرت ہے انساں کی
مصیبت میں خیالِ عیشِ رفتہ آ ہی جاتا ہے

سمجھتی ہیں مآلِ گل، مگر کیا زورِ فطرت ہے!
سحر ہوتے ہی کلیوں کو تبسم آ ہی جاتا ہے

○

اٹھی وہ گھٹا، رنگ سامانیاں کر
گہر پاشیاں کر، زر افشانیاں کر!
وہ چہکے عنادل، وہ سنکیں ہوائیں
گلوں کی طرح چاک دامانیاں کر
صراحی جھکا اور دھومیں مچا دے!
گلابی اٹھا اور گل افشانیاں کر!
مٹا داغِ ہوش اور مدہوش بن جا
اٹھا جام زر اور سلطانیاں کر!!
نگاہوں سے برسا دے ابرِ جوانی!
مئے لالہ گوں سے گلستانیاں کر

سمندر پہ چل، اور الیاس بن جا!
ہواؤں پہ اڑ اور سلیمانیاں کر
صبا کی طرح کنج میں رقص فرما
بگولوں کی مانند جولانیاں کر
سکوں پاؤں چومے وہ ہلچل مچا دے
خرد سر جھکا دے وہ نادانیاں کر!
علم کھول کر جوشؔ بستیوں کے
جہاں داریاں کر، جہاں بانیاں کر!

جہاں ہے شوق وہاں کیف و کم کی بات نہیں
دیارِ عشق میں دَیر و حرم کی بات نہیں !

جہاں بھی روک لے منظر، وہیں ٹھہر جاؤں
عرب کی بات نہیں ہے عجم کی بات نہیں

ازل سے وحشت نوردی کا شوق ہے دل کو !!
غزالِ وحشت سے، ندا تو رم کی بات نہیں !

جلا رہی ہے مری خو سے اعتبار مجھے !
کسی کے قول کسی کی قسم کی بات نہیں !

گدائے راہ ہے رسمِ وفا سے حلقہ بگوش
جہاں پناہ سے طبل و علم کی بات نہیں !

خود اپنا ذوقِ اسیری ہے پاؤں کی زنجیر
حضور آپ کی زلفوں کے خم کی بات نہیں !

دل اپنی وضعِ محبت سے ہے رہنِ وفا !
خطا معاف ! یہ لطف و کرم کی بات نہیں !

جہاں نما ہے جو ہٹتی نہیں نگاہ مری !
یہ فیضِ جام کی ہے، فرِ جم کی بات نہیں

مرے وجود کی بنیاد ہے، عبادت پر
بہار کوثر و باغِ ارم کی بات نہیں !

کسی کے عشوۂ دریا دلی پہ مرتا ہوں !!
کسی کی بخشش دام و درم کی بات نہیں !

جہاں مزاج کی افتاد میں ہے ذوقِ سجود !
کسی کی شوخیٔ نقشِ قدم کی بات نہیں !

یہ مری شیفتگی، دل کا اک تقاضا ہے !
کرم مسند نشیں آں محترم کی بات نہیں

نمایاں منتہائے سعیِ پیہم ہوتی جاتی ہے
طبیعت بے نیازِ ہر دو عالم ہوتی جاتی ہے

اٹھی جاتی ہے دل سے ہیبتِ آلامِ روحانی
جراحت بہرِ طلب زار مرہم ہوتی جاتی ہے

گزر رہا ہے روح سے ہیجانِ بے تابی !
کہ گردوں جستجو کے ذوق میں گم ہوتی جاتی ہے

جنوں کا چھا رہا ہے زندگی پر اک دھندلکا سا
خرد کی روشنی سینے میں مدھم ہوتی جاتی ہے

نسیمِ بے نیازی آ رہی ہے بامِ گردوں سے
ہوسِ مدعا کی زلف برہم ہوتی جاتی ہے

نمایاں ہو چلا ہے اک جہاں چشمِ تصور پر
نظر شاید حریفِ ساغرِ جم ہوتی جاتی ہے

گرہ یوں کھل رہی ہے ہر نفس ذوقِ تماشا کی
کہ ہر ادنیٰ سی شے اب ایک عالم ہوتی جاتی ہے

فضا میں کانپتی ہیں دھندلی دھندلی نقرئی شکلیں
ہر اک تمثیل پاکیزہ مجسم ہوتی جاتی ہے

نہ جانے سینۂ احساس پر یہ ہاتھ ہے کس کا
طبیعت بے نیازِ شادی و غم ہوتی جاتی ہے

سمجھ میں آئیں کیا باریکیاں قانونِ قدرت کی
عبارت کثرتِ معنیٰ سے مبہم ہوتی جاتی ہے

خجل تھا جس کی شورش سے تلاطم بحرِ ہستی کا
مرے دل میں وہ ہلچل تھم کے اب کم ہوتی جاتی ہے

فراقؔ گورکھپوری

○

آج بھی قافلۂ عشق رواں ہے کہ جو تھا
وہی میل اور وہی سنگِ نشاں ہے کہ جو تھا

پھر ترا غم وہی رسوائے جہاں ہے کہ جو تھا
پھر فسانہ بحدیثِ دگراں ہے کہ جو تھا

منزلیں گرد کی مانند اڑی جاتی ہیں
وہی اندازِ جہانِ گذراں ہے کہ جو تھا

منزلیں عشق کی تا حدِ نظر سونی ہیں
کوئی رہرو نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے کہ جو تھا

یوں تو اس دور میں بے کیف سی ہے بزمِ حیات
ایک ہنگامہ سرِ رطلِ گراں ہے کہ جو تھا

جو بھی کر جور و ستم جو بھی کر احسان و کرم
تجھ پہ اے دوست وہی وہم و گماں ہے کہ جو تھا

آنکھ جھپکی کہ ادھر ختم ہوا روزِ وصال
پھر بھی اس دن پہ قیامت کا گماں ہے کہ جو تھا

قرب ہی کم ہے نہ دوری ہی زیادہ لیکن
آج وہ ربط کا احساس کہاں ہے کہ جو تھا

پھر سرِ میکدۂ عشق ہے اک بارشِ نور
چھلکے جاموں سے چراغاں کا سماں ہے کہ جو تھا

آج بھی آگ دبی ہے دلِ انساں میں فراقؔ
آج بھی سینوں سے اٹھتا وہ دھواں ہے کہ جو تھا

○

یہ نکہتوں کی نرم روی یہ ہوا یہ رات
یاد آ رہے ہیں عشق کو ٹوٹے تعلقات

مایوسیوں کی گود میں دم توڑتا ہے عشق
اب بھی کوئی بنا لے تو بگڑی نہیں ہے بات

کچھ اور بھی تو ہو ان اشارات کے سوا
یہ سب تو اے نگاہِ کرم، بات بات بات

اک عمر کٹ گئی ہے ترے انتظار میں
ایسے بھی ہیں کہ کٹ نہ سکی جن سے ایک رات

ہم اہلِ انتظار کے آہٹ پہ کان تھے
ٹھنڈی ہوا تھی غم تھا ترا ڈھل چلی تھی رات

یوں تو بچی بچی سی اٹھی وہ نگاہِ ناز
دنیائے دل میں ہو ہی گئی کوئی واردات

جن کا سراغ پا نہ سکی غم کی روح بھی
ناداں ہوئے ہیں عشق میں ایسے بھی سانحات

ہر سعی و ہر عمل میں محبت کا ہاتھ ہے
تعمیرِ زندگی کے سمجھ کچھ محرکات

مجھ کو تو غم نے فرصتِ غم بھی نہ دی فراقؔ
دے فرصتِ حیات نہ جیسے غمِ حیات

یہ نرم نرم ہوا جھلملا رہے ہیں چراغ
ترے خیال کی خوشبو سے بس رہے ہیں دماغ

دلوں کو تیرے تبسم کی یاد یوں آئی
کہ جگمگا اٹھیں جس طرح مندروں میں چراغ

تمام شعلۂ گل ہے تمام موجِ بہار
کہ تا حدِ نگہِ شوق لہلہاتے ہیں باغ

"نئی زمین، نیا آسماں، نئی دنیا"
سنا تو ہے کہ محبت کو ان دنوں ہے فراغ

جو چھپ کے تاروں کی آنکھوں سے پاؤں دھرتا ہے
اسی کے نقشِ کفِ پا سے جل اٹھے ہیں چراغ

نگاہیں مطلعِ نو پر ہیں ایک عالم کی
کہ مل رہا ہے کسی پھوٹتی کرن کا سراغ

دلوں میں داغِ محبت کا اب یہ عالم ہے
کہ جیسے نیند میں ڈوبے ہوں پچھلی رات چراغ

فراقؔ بزمِ چراغاں ہے محفلِ رنداں
سجے ہیں پگھلی ہوئی آگ سے چھلکتے ایاغ

جولانگہِ حیات کہیں ختم ہی نہیں — منزل نہ کر حدود سے دنیا بنی نہیں
مانا کہ تیرے لطف و کرم میں کمی نہیں — آساں اس قدر تو تری دوستی نہیں
کچھ ٹھوکریں تو کھا چمک اٹھیں گی منزلیں — پائے طلب کو فکرِ سلامت روی نہیں
کب دیکھیے دلوں کو ملے اذنِ بار ابھی — بیگانہ وار کہتی ہے وہ آنکھ ابھی نہیں
بیخود سے تھے تو وقت کا یہ بھی فریب تھا — ہم اور تجھ کو دل سے بھلا دیں کبھی نہیں
نیند آچلی ہے انجمِ شامِ ابد کو بھی — آنکھ اہلِ انتظار کی اب تک لگی نہیں
بادِ بہار دیکھ کے کس طرح یہ کہیں — رنگینیوں کی جان تری سادگی نہیں
اے دوست یوں تو ہم تری حسرت کو جو کہیں — لیکن یہ زندگی تو کوئی زندگی نہیں
اے عشق کاروانِ دو عالم بچھڑ گئے — اے خضرِ راہ یہ تو کوئی رہبری نہیں
یہ کیفیت سکونِ سحر میں کہاں کی ہے — وہ شام ہے جو صبح بھی ہو کر گئی نہیں

شامیں کسی کو مانگتی ہیں آج بھی فراقؔ
گو زندگی میں یوں مجھے کوئی کمی نہیں

سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں
لیکن اس ترکِ محبت کا بھروسا بھی نہیں

تم نے پوچھا بھی نہیں ہم نے بتایا بھی نہیں
کون سا راز وہ ایسا تھا کہ جانا بھی نہیں

یہ بھی سچ ہے کہ محبت پہ نہیں میں مجبور
یہ بھی سچ ہے کہ ترا حسن کچھ ایسا بھی نہیں

بدگماں ہو کے مل اے دوست جو ملنا ہے تجھے
بے جھجکتے ہوئے ملنا کوئی ملنا بھی نہیں

دل کی گنتی نہ یگانوں میں نہ بیگانوں میں
لیکن اس جلوہ گہِ ناز سے اٹھتا بھی نہیں

مہربانی کو محبت نہیں کہتے اے دوست
آہ اب مجھ سے تری رنجشِ بے جا بھی نہیں

مدتیں گزریں تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

تجھ سے سنبھلیں تو سنبھالیں اپنے حجابِ بے باک
میں اٹھا، تا حدِ آدابِ تماشا بھی نہیں

ہائے وہ رازِ محبت جو چھپائے نہ بنے
ہائے وہ داغِ محبت جو ابھرتا بھی نہیں

آہ یہ مجمعِ احباب یہ بزمِ خاموش
آج محفل میں فراقِ سخن آرا بھی نہیں

شامِ غم کچھ اس نگاہِ ناز کی باتیں کرو
بے خودی بڑھتی چلی ہے راز کی باتیں کرو

یہ سکوتِ ناز یہ دل کی رگوں کا ٹوٹنا
خامشی میں کچھ شکستِ ساز کی باتیں کرو

نکہتِ زلفِ پریشاں داستانِ شامِ غم
صبح ہونے تک اسی انداز کی باتیں کرو

ہر رگِ دل وجد میں آتی رہے دکھتی رہے
یونہی اس کے جا و بے جا ناز کی باتیں کرو

جو عدم کی جان ہے جو ہے پیامِ زندگی
اس سکوتِ راز اس آواز کی باتیں کرو

عشق رسوا ہو چلا بے کیف سا بیزار سا
آج اس کی نرگسِ غماز کی باتیں کرو

کچھ قفس کی تیلیوں سے چھن رہا ہے نور سا
کچھ فضا کچھ حسرتِ پرواز کی باتیں کرو

جس کی فرقت نے پلٹ دی عشق کی کایا فراق
آج اس عیسیٰ نفس دمساز کی باتیں کرو

وہ سب سے کہو آج اس انداز سے گائے
ہر دل کو لگے چوٹ سی، ہر آنکھ بھر آئے
وہ بات جو کیا جانئے کہاں سے ابھر آئے
وہ درد، فرشتوں کو جو انسان بنائے
آنکھوں کو پھر اک شاہدِ رعنا نظر آئے
زریں کمرے، کج کلہے، تنگ قبائے
اک برق ادا، شعلہ قبا، پیکرِ رنگیں
دل ہائے مہ و مہر کو پہلو میں دبائے
کُندا ہو گداز، اُف یہ تبسم کی گھلاوٹ
لہجے کی کھنک، تو جو ستاروں سے چرائے
وہ مستیٔ قامت کہ گھٹا جھوم کے اٹھے
وہ چستیٔ ہر عضو کہ بجلی کو غش آئے
نس نس میں کوئی جیسے دبی چٹکیاں بھر دے
رگ رگ میں کلی جیسے چٹکتی چلی جائے
دوشیزہ جوانی کی ادھر ٹوٹتی انگڑائی
تصویر ادھر قوسِ قزح کھینچتی جائے
وہ شوخیٔ نغمات کے بچتے ہوئے انداز
دنیا بھی نہ رہنے دے قیامت بھی نہ ڈھائے
یہ لم نکھی چشمِ فسوں ساز کی کیسی
دیوانہ بنانا ہے؟ تو دیوانہ بنائے
کچھ ایسی بھی گزری ہیں ترے ہجر میں راتیں
دل درد سے خالی ہو، مگر نیند نہ آئے

زہے آب و گِل کی یہ کیمیا، ہے چمن کہ معجزۂ نمو
نہ خزاں ہے کچھ، نہ بہار کچھ، وہی خار و خس وہی رنگ و بو
ہوئی ختم صحبتِ مے کشی، یہی داغ سینوں میں رہ گیا
کہ طلوع ہونے سے رہ گئے، کئی آفتابِ خم و سبو
کئی لاکھ پھولوں نے پیرہن سرِ باغ ہنس کے اڑا دیئے
زہے فصلِ گل وہ ہوا چلی کہ چمن کی لے اڑی آبرو
جسے اپنے آپ سے کہتے بھی مجھے آج لاکھ حجاب ہے
وہ زمانہ عشق کو یاد ہے مری عرضِ غم ترے روبرو
ہوئی وارداتِ سحر یہاں، تو گلوں کا سینہ دھڑک گیا
یہ چلی کہ تیغِ نسیم نے، کئی ہاتھ اچھال دیا لہو
وہی آنکھ، جامِ مئے حیا، وہی آنکھ، جامِ جہاں نما
جو نگاہ اٹھتی نہیں کبھی، وہ نگاہ جاتی ہے چار سو
یہ کہاں سے بزمِ خیال میں امنڈ آئیں چہروں کی ندیاں
کوئی مہ چکاں، کوئی خور فشاں، کوئی زہرہ وش، کوئی شعلہ رُو
کہیں باغِ حسن عدن عدن، کہیں راغِ حسن ختن ختن
تب و تابِ روئے سحر نمو، خم و پیچ زلفِ سیاہ مو
مری شاعری نے کھلائے گل سرِ نوکِ خار چمن چمن
جو کہے یہ دعوے حریف نے رگِ فکر دینے لگی لہو
تجھے اہلِ دل کی خبر نہیں کہ جہاں میں گنج لٹا گئے
یہ گداگرانِ دیارِ غم، یہ قلندرانِ تہی کدو
اب اسی کا تکیہ زمانے میں، یہ سنا ہے مرجعِ خلق ہے
جو فراق تیرے لئے پھرا کبھی در بدر، کبھی کو بکو

رکی رکی سی شبِ مرگ ختم پر آئی
وہ پو پھٹی وہ نئی زندگی نظر آئی

یہ موڑ وہ ہے کہ پرچھائیاں بھی دیں گی ساتھ
مسافروں سے کہو اُن کی رہگذر آئی

فضا تبسمِ صبحِ بہار تھی لیکن
پہنچ کے منزلِ جاناں پہ آنکھ بھر آئی

کہیں زمان و مکاں میں ہے نام کو بھی سکوں
مگر یہ بات محبت کی بات پر آئی

کسی کی بزمِ طرب میں حیات بٹتی تھی
امیدواروں میں کل موت بھی نظر آئی

کہاں ہر ایک سے انسانیت کا بار اُٹھا
کہ یہ بلا بھی ترے عاشقوں کے سر آئی

دلوں میں آج تری یاد مدتوں کے بعد
بہ چہرۂ تبسم بہ چشمِ تر آئی

فضا کو جیسے کوئی راگ چیرتا جائے
تری نگاہ دلوں میں یونہی اُتر آئی

ذرا وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست
ترے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی

عجب نہیں کہ چمن در چمن بنے ہر پھول
کلی کلی کی صبا جا کے گود بھر آئی

شبِ فراق اُٹھے دل میں اور بھی کچھ درد
کہوں یہ کیسے تری یاد رات بھر آئی

دنیا دنیا عالم عالم تھے اک روز یہی ویرانے
وادی وادی جنگل جنگل چھان گئے تھے دیوانے

ڈیرہ جا پیدا کر جائے قلوں میں ایمانوں کو سے ٹکرانے
بات وہ کہہ لے عشق کہ سن کر سب قائل ہوں کوئی نہ مانے

اُسی درد سے دنیا غافل اُسی درد کا گھر گھر چرچا
ایک شبِ غم کی سو راتیں ایک محبت سو افسانے

اور ہم سے بھی ہنس کے رکے جھوٹا سچا پیار کیا تھا
وہ بھی تھے ترے عشق کے حیلے وہ بھی تھے تغافل کے بہانے

تو نے ہوا کی نرم روی کو اپنی گوں پہ لگانا چاہا
صید گہہ ہستی میں ناداں یونہی خطا ہوتے ہیں نشانے

غفلت ہو تو کوئی چونکائے جاگے ہوؤں کو کون جگائے
ہائے وہ کارِ جہاں خود جس سے نکلیں بے خودی کے بہانے

حسن کے پاس اس کا نہیں چارہ عشق کا اس میں کیا ہے اجارا
یوں ہی پھر جاتی ہیں نگاہیں یوں ہی بدل جاتے ہیں زمانے

اسکی نظر پہ حیراں حیراں مجبوری بھی آزادی بھی
وہی کہے جو سب کے دل میں سب کی سنے اور اپنی نہ مانے

دنیا اپنے رنگ محل میں خوابِ خوشی کے دیکھ رہی ہے
جس میں خوشی نے آنکھیں کھولی تھیں وہ محبت کے غم خانے

حسن و محبت آپ اپنی توہین ہیں گر معصوم نہ ہوں
تھوڑی دیر کو بھولے بن لیں ہم بھی سیانے تم بھی سیانے

امن و اماں کی دنیا میں بھی ایسوں کو کب ملتے ہیں ٹھکانے
کئی بار تو عشق گیا ہے موت کے منہ میں جان بچانے

شعلۂ گل پہ چادرِ شبنم سرتاسر تصویرِ حیات
رو لینا ہے ہنستے ہنستے ہنس لینا ہے غم کے

ذرہ ذرہ، تارا تارا، قطرہ قطرہ دریا دریا
ہوش و خرد ہیں حیراں حیراں کیا کوئی جانے کیا کیا

سامنے کی چیزیں بھی فراقؔ انساں کو چونکا دیتی ہیں
بزم میں جاگتا خواب یہ دیکھا ہمیں چراغ ہمیں پروانے

حفیظ جالندھری

دل توڑ کے جانے والے، دل کی بات بتاتا جا
اب میں دل کو کیا سمجھاؤں، مجھ کو بھی سمجھاتا جا!

ہاں، میرے مجروح تبسم خشک لبوں تک آتا جا
پھول کی ہمت دیکھ رہی ہے کھلتا جا مرجھاتا جا

میری چپ رہنے کی عادت جس کارن بدنام ہوئی
اب وہ حکایت عام ہوئی ہے سنتا جا شرماتا جا!

یہ دکھ درد کی برکھا بندے دین ہے تیرے داتا کی
شکرِ نعمت بھی کرتا جا، دامن بھی پھیلاتا جا!

جینے کا ارمان کروں یا مرنے کا سامان کروں
عشق میں کیا ہوتا ہے ناصح، عقل کی بات سجھاتا جا

مجھ کو ابر آلود دنوں سے کام نہ چاندنی راتوں سے
بہلاتا ہے باتوں سے بہلاتا جا بہلاتا جا!

دونوں سنگِ راہِ طلب ہیں، راہنما بھی منزل بھی!
شوقِ طلب ہر ایک قدم پر دونوں کو ٹھکراتا جا

نغمے سے جب پھول کھلیں گے چننے والے چن لیں گے
سننے والے سن لیں گے تو اپنی دھن میں گاتا جا!

آخر تجھ کو بھی موت آتی - خیر - حفیظ خدا حافظ
لیکن جاتے جاتے پیارے، وجہِ مرگ بتاتا جا

کوئی دوا نہ دے سکے، مشورۂ دعا دیا
چارہ گروں نے اور بھی درد کا دل بڑھا دیا

ذوقِ نگاہ کے سوا، شوقِ گناہ کے سوا
مجھ کو خدا سے کیا ملا، مجھ کو بتوں نے کیا دیا

تھی نہ خزاں کی روک تھام دامنِ اختیار میں
ہم نے بھری بہار میں اپنا چمن لٹا دیا

حسنِ نظر کی آبرو صنعتِ برہمن سے ہے
جس کو صنم بنا لیا، اس کو خدا بنا دیا

داغ ہے مجھ پہ عشق کا میرا گناہ بھی تو دیکھ
اس کی نگاہ بھی تو دیکھ جس نے یہ گل کھلا دیا

عشق کی مملکت میں ہے شورشِ عقل نامراد
ابھرا کہیں جو یہ فساد دل نے وہیں دبا دیا!

نقشِ وفا تو میں ہی تھا، اب مجھے ڈھونڈتے ہو کیا
حرفِ غلط نظر پڑا، تم نے مجھے مٹا دیا

خبثِ درون دکھا دیا، ہر دہنِ غلیظ نے
کچھ نہ کہا حفیظ نے، ہنس دیا مسکرا دیا!

جھگڑا دانے پانی کا ہے، دام و قفس کی بات نہیں!
اپنے بس کی بات نہیں، صیاد کے بس کی بات نہیں

جان سے پیارے، یار ہمارے، قیدِ وفا سے چھوٹ گئے
سارے رشتے ٹوٹ گئے، اک تارِ نفس کی بات نہیں

تیرا پھولوں کا بستر بھی راہ گزارِ سیل میں ہے!
آ آ - اب یہ بندے ہی کے خار و خس کی بات نہیں

دونوں ہجر میں روتے ہیں، دونوں وصل کے طالب ہیں
حسن بھلا کیسے پہچانے، عشق ہوس کی بات نہیں

نوش ہے عنواں، نیش نتیجہ، ان شیریں افسانوں کا
تذکرہ ہے انسانوں کا، یہ مور و مگس کی بات نہیں!

کارِ مغاں یہ قند کا شربت بیچنے والے کیا جانیں!
تلخیِ مستی بھی ہے غزل میں، خالی رس کی بات نہیں

تشکیل و تکمیلِ فن میں جو بھی حفیظ کا حصہ ہے
نصف صدی کا قصہ ہے، دو چار برس کی بات نہیں

○

اے دوست، مٹ گیا ہوں فنا ہو گیا ہوں میں
اس دردِ دوستی کی دوا ہو گیا ہوں میں!

قائم کیا ہے میں نے عدم کے وجود کو!
دنیا سمجھ رہی ہے فنا ہو گیا ہوں میں

ہمت بلند تھی، مگر افتاد دیکھنا!
چپ چاپ آج محوِ دعا ہو گیا ہوں میں

ہنسنے کا اعتبار، نہ رونے کا اعتبار
کیا زندگی ہے جس پہ فدا ہو گیا ہوں میں

ناآشنا ہیں رتبۂ دیوانگی سے دوست
کم بخت، جانتے نہیں، کیا ہو گیا ہوں میں

ہاں کیفِ بے خودی کی وہ ساعت بھی یاد ہے
محسوس ہو رہا تھا خدا ہو گیا ہوں میں

حفیظ

مستوں پہ انگلیاں نہ اٹھاؤ بہار میں
دیکھو تو ہوش ہے بھی کسی ہوشیار میں

کچھ محتسب کا خوف ہے کچھ شیخ کا لحاظ
پیتا ہوں چھپ کے دامنِ ابرِ بہار میں

وہ سامنے دھری ہے صراحی بھری ہوئی
دونوں جہاں ہیں آج مرے اختیار میں!

جھوٹی تسلیوں سے نہ بہلاؤ، جاؤ جاؤ
جاؤ... کہ تم نہیں ہو مرے اختیار میں!

…نہ بات کیا ہے کہ دیوانگی مری !
…نگی نہیں نظر ہوشیار میں !!

…یب گلشنِ معنی ہوں میں حفیظ
سوزِ سخن سے آگ لگا دوں بہار میں

جوانی کے ترانے گا رہا ہوں
دبی چنگاریاں سلگا رہا ہوں

مری بزمِ وفا سے جانے والو
ٹھہر جاؤ، کہ میں بھی آ رہا ہوں

بتوں کو قول دیتا ہوں وفا کا
قسم اپنے خدا کی کھا رہا ہوں

وفا کا لازمی تھا یہ نتیجہ
سزا اپنے کیے کی پا رہا ہوں

خدا کشتی کو ہو تنہانے والو!
تمہارے ساتھ میں کیسا رہا ہوں

نہیں وہ گوشۂ راحت کہ جس میں
ہجومِ رنج لے کر جا رہا ہوں!

نئے کعبے کی بنیاد دل سے پوچھو
پرانے بتکدے کیوں ڈھا رہا ہوں

نہیں کانٹے بھی کیا اے چمن یہ
کوئی روکے مجھے میں جا رہا ہوں

ہوئی جاتی ہے کیوں بیتابِ منزل
مسلسل چل رہا ہوں آ رہا ہوں

حفیظ اپنے پرائے بن رہے ہیں
کہ میں دل کو زباں پر لا رہا ہوں

○

ناکامیِ عشق، یا کامیابی
دونوں کا حاصل خانہ خرابی
آنکھیں سیہ مست، چہرا کتابی
بادہ شبانہ، جامِ آفتابی
پھولوں میں دو پھول، رنگوں میں دو رنگ
لب لعلِ نابی، عارض گلابی
دنیا و دیں سے بیگانہ ہو جا
دیوانہ ہو جا، بن جا شرابی!
اُن کا بہانہ برجستہ گوئی!
میرا تبسم حاضر جوابی
دیندار کر دے، کافر بنا دے
یہ پردہ داری، یہ بے حجابی
ہیں تختِ دل پر سرکار، ورنہ
تختہ اُلٹ دیں، ہم انقلابی
درباں سے ہوں دست و گریباں
الحمدللہ یہ باریابی!

○

کہہ گئے اغراق یارانے
رہ گئے ناتمام افسانے
دوستی اب گلے کا ہار نہیں
تار ٹوٹا بکھر گئے دانے
صبحدم اپنی اپنی راہ لگے
شمع کے جاں نثار پروانے
ساقیا! یہ روا روی کا ہے دور
بھر دے بھر دے کچھ اور پیمانے
ماتمِ اہلِ ظرف کے دن ہیں!
اشتراکا ہیں بندہ میخانے!
زندگی سے نپٹ رہا ہوں ابھی
موت کیا ہے مری بلا جانے
کر رہا ہوں تلاش اپنوں کی!
جب سے گم ہو گئے ہیں بیگانے
ہم نے روکا حفیظ کو ورنہ
اور بھی کچھ لگے تھے فرمانے!
تنگ در دو ہے تیرے بلوے میں حفیظ
اور کیا چاہتا ہے دیوانے!

ہم ہی میں تھی نہ کوئی بات یاد نہ تم کو آ سکے
تم نے ہمیں بھلا دیا، ہم نہ تمہیں بھلا سکے

تم ہی نہ سن سکے اگر، قصۂ غم سنے گا کون
کس کی زباں کھلے گی پھر، ہم نہ اگر سنا سکے

ہوش میں آ چکے تھے ہم، جوش میں آ چکے تھے ہم
بزم کا رنگ دیکھ کر سر نہ مگر اٹھا سکے

رونقِ بزم بن گئے۔ لب پہ حکایتیں رہیں!
دل میں شکایتیں رہیں لب نہ مگر ہلا سکے

عجز سے اور بڑھ گئی، برہمیِ مزاجِ دوست
اب وہ کرے علاجِ دوست جس کی سمجھ میں آ سکے

ایسا ہو کوئی نامہ بر، بات پہ کان دھر سکے
سن کے یقین کر سکے، جا کے انہیں سنا سکے

شوقِ وصال ہے یہاں، لب پہ سوال ہے یہاں
کس کی مجال ہے یہاں ہم سے نظر ملا سکے؟

اہلِ زباں تو ہیں بہت، کوئی نہیں ہے اہلِ دل
کون تری طرح حفیظ، درد کے گیت گا سکے

○

وہ سرخوشی دے کہ زندگی کو شباب سے بہرہ یاب کر دے
مرے خیالوں میں رنگ بھر دے، مرے لہو کو شراب کر دے

یہ خوب کیا ہے، یہ زشت کیا ہے، جہاں کی اصلی سرشت کیا ہے
بڑا مزا ہو تمام چہرے اگر کوئی بے نقاب کر دے!

کہو تو رازِ حیات کہہ دوں، حقیقتِ کائنات کہہ دوں
وہ بات کہہ دوں کہ پتھروں کے جگر کو بھی آب آب کر دے

خلافِ تقدیر کر رہا ہوں، پھر ایک تقصیر کر رہا ہوں!
پھر ایک تدبیر کر رہا ہوں، خدا اگر کامیاب کر دے

ترے کرم کے معاملے کو ترے کرم ہی پہ چھوڑتا ہوں
مری خطائیں شمار کر لے، مری وفا کا حساب کر دے

حفیظ سب سے بڑی خرابی ہے عشق میں لطفِ کامیابی
کسی کی دنیا تباہ کر دے، کسی کی عقبیٰ خراب کر دے

میرزا یاسؔ یگانہ

مجھے دل کی خطا پر یاسؔ شرمانا نہیں آتا
پرایا جرم اپنے نام لکھوانا نہیں آتا

برا ہو پائے سرکش کا کہ تھک جانا نہیں آتا
کبھی گمراہ ہو کر راہ پر آنا نہیں آتا

مجھے اے ناخدا آخر کسی کو منہ دکھانا ہے
بہانہ کرکے تنہا پار اتر جانا نہیں آتا

مصیبت کا پہاڑ آخر کسی دن کٹ ہی جائے گا
مجھے سر مار کر تیشے سے مر جانا نہیں آتا

اسیرو! شوقِ آزادی مجھے بھی گدگداتا ہے
مگر چادر سے باہر پاؤں پھیلانا نہیں آتا

دلِ بے حوصلہ ہے اک ذرا سی ٹھیس کا مہماں
وہ آنسو کیا پئے گا جس کو غم کھانا نہیں آتا

سراپا راز ہوں میں کیا بتاؤں کون ہوں کیا ہوں
سمجھتا ہوں مگر دنیا کو سمجھانا نہیں آتا

ہنوز زندگیٔ تلخ کا مزا نہ ملا
کمالِ صبر ملا صبر آزما نہ ملا

مری بہار و خزاں جس کے اختیار میں ہے
مزاج اس دلِ بے اختیار کا نہ ملا

جواب کیا وہی آوازِ بازگشت آئی
قفس میں نالۂ جانکاہ کا مزا نہ ملا

امیدوارِ رہائی قفس بدوش چلے
جہاں اشارۂ توفیقِ غائبانہ ملا

ہوا کے دوش پہ جاتا ہے کاروانِ نفس
عدم کی راہ میں کوئی پیادہ پا نہ ملا

ہزار ہا اسی جانب ہے منزلِ مقصود
دلیلِ راہ کا غم کیا ملا ملا نہ ملا

امید و بیم نے مارا مجھے دوراہے پر
کہاں کے دیر و حرم گھر کا راستہ نہ ملا

خوشا نصیب جسے فیضِ عشقِ شور انگیز
بقدرِ ظرف ملا ظرف سے سوا نہ ملا

سمجھ میں آگیا جب عذرِ فطرتِ مجبور
گناہگارِ ازل کو نیا بہانہ ملا

○

رنگ لاتی ہے آخر ایک جنبشِ لب کیا
دیکھئے دکھاتا ہے وعدۂ مذبذب کیا

چُلّو بھر میں متوالی دو ہی گھونٹ میں خالی
یہ بھری جوانی کیا، جذبۂ لبالب کیا

ہاں دعائیں لیتا جا گالیاں بھی دیتا جا
تازگی تو کچھ پہنچے، چاہتا رہوں لب کیا

شامت آگئی آخر کہہ گیا خدا لگتی
راستی کا پھل پاتا، بندۂ مقرّب کیا

اُلٹی سیدھی سنتا رہ اپنی کہہ تو اُلٹی کہہ
سادہ ہے تو کیا جانے بھانپنے کا ہے ڈھب کیا

سب جہاد ہیں دل کے سب فساد ہیں دل کے
بے دلوں کا مطلب کیا اور ترکِ مطلب کیا

ہو رہے گا سجدہ بھی جب کسی کی یاد آئی
یاد جانے کب آئے زندہ داریٔ شب کیا

کارِ مرگ کے دن کا تھوڑی دیر کا جھگڑا
دیکھنا ہے یہ ناداں جینے کا ہے کرتب کیا

پڑ چکے بہت پالے ڈس چکے بہت کالے
موذیوں کے موذی کو فکرِ نیشِ عقرب کیا

میرزا یگانہ واہ! زندہ باد! زندہ باد!
اِک بلائے بے درماں جب تم کیا تھے اور اب کیا

○

خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رہا نہ گیا
خدا بنے تھے یگانہ مگر بنا نہ گیا

پیامِ زیرِ لب ایسا کہ کچھ سنا نہ گیا
اشارہ پاتے ہی انگڑائی لی رہا نہ گیا

ہنسی میں وعدۂ فردا کو ٹالنے والو!
لو دیکھ لو وہی کل آج بن کے آ نہ گیا

گناہِ زندہ دلی کہئے یا دل آزاری
کسی پہ ہنس لئے اتنا کہ پھر ہنسا نہ گیا

سمجھتے کیا تھے مگر سنتے تھے ترانۂ درد
سمجھ میں آنے لگا جب تو پھر سنا نہ گیا

کروں تو کس سے کروں دردِ نارسا کا گِلہ
کہ مجھ کو لے کے دلِ دوست میں سما نہ گیا

بتوں کو دیکھ کے سب نے خدا کو پہچانا
خدا کے گھر تو کوئی بندۂ خدا نہ گیا

کرشن کا ہوں پجاری علی کا بندہ ہوں
یگانہ شانِ خدا دیکھ کر رہا نہ گیا

○

لذتِ زندگی مبارک باد
کل کی کیا فکر؟ ہرچہ بادا باد

اے خوشا زندگی کہ پہلوئے شوق
دوست کے دم قدم سے ہے آباد

دل سلامت ہے دردِ دل نہ سہی
درد جاتا رہا کہ درد کی یاد؟

زیست کے ہیں یہی مزے واللہ
چار دن شاد چار دن ناشاد

کون دیتا ہے دادِ ناکامی
خونِ فرہاد برسرِ فرہاد

صبر اتنا نہ کر کہ دشمن پر
تلخ ہو جائے لذتِ بیداد

صلح کر لو یگانہ غالب سے
وہ بھی اُستاد تم بھی اک اُستاد

○

جب تک خلشِ دردِ خدا داد رہے گی
دنیا دلِ ناشاد کی آباد رہے گی

دنیا کی ہوا راس نہ آئے گی کسی کو
ہر سر میں ہوائے عدم آباد رہے گی

چونکائے گی رہ رہ کے تو غفلت کا مزہ کیا
ساتھ اپنے اجل صورتِ ہمزاد رہے گی

دل اور دھڑکتا ہے ادب گاہِ قفس میں
شاید یہ زبانِ تشنۂ فریاد رہے گی

جو خاک کا پُتلا وہی صحرا کا بگولا
مٹنے پہ بھی اک ہستیٔ برباد رہے گی

ہر شام ہوئی صبح کو اک خوابِ فراموش
دنیا یہی دنیا ہے تو کیا یاد رہے گی

شہرہ ہے یگانہ تری بیگانہ روی کا
واللہ یہ بیگانہ روی یاد رہے گی

○

رنج آپ کا دنیا سے کچھ کشیدہ سہی
فریب کھاؤ گے پھر بھی فریب دیدہ سہی

بہارِ باغ کا عالم یہ رنگِ لیل و نہار
بہل ہی جائے گا دل آپ سے رمیدہ سہی

یہ غنچہ ایسا کہ دیکھے سے دل دھڑکتا ہے
ارے یہ ایک ہی فتنہ ہے نو دمیدہ سہی

نگاہِ شوق کی گرمی خدا کی قدرت ہے
مزے پہ آ ہی گیا حسن نارسیدہ سہی

کھٹکتی رہتی ہے دل میں نگاہِ دزدیدہ
خطائے حسن کہے کون چشم دیدہ سہی

نگاہِ حسن سے اب تک وفا ٹپکتی ہے
ستم رسیدہ سہی پیرہن دریدہ سہی

فریبِ ابرِ کرم بھی بڑا سہارا ہے
بلا سے نخلِ تمنا خزاں رسیدہ سہی

ہنسے کی کہیے تو ظالم کا رنگ اڑتا ہے
زبانِ حال سے اک حرف ناشنیدہ سہی

قریب ہوں مگر اتنا کہ جیسے کوسوں دور
مجھے نہ دیکھ سکو گے، زمانہ دیدہ سہی

کسی نظر کی خطا ہو گی یا گلوں کی خطا
تمہارے راج میں کانٹا ہی برگزیدہ سہی

یگانہ ٹھن گئی بیڈھب تو سوچتے کیا ہو
شریکِ کار نہیں تو نہیں جریدہ سہی

○

حسن پر فرعون کی پھبتی کہی
ہاتھ لانا یار کیوں کیسی کہی!

دامنِ یوسف ہی جھپٹ کا تار ہا
عشق اور ترکِ ادب اچھی کہی

کوئی خدا تھی یا سمجھ کا پھیر تھا
من گئے وہ میں نے جب الٹی کہی

درد سے پہلے کروں فکرِ دوا
واہ یہ اچھی الٹوانسی کہی

دوست سے پردہ کیا یہ کیا کیا
آپ بیتی چھوڑ جگ بیتی کہی

شک ہے کافر کو مرے ایمان میں
جیسے میں نے کوئی منہ دیکھی کہی

کیا خبر تھی یہ خدائی اور ہے
ہائے میں نے کیوں خدا لگتی کہی

مفت میں سن لی یگانہ کی غزل
ان سنی کر دی جو مطلب کی کہی

○

کس کی آواز کان میں آئی؟
دور کی بات دھیان میں آئی

ایسی آزاد رُوح اس تن میں
کیوں پرائے مکان میں آئی

آپ آتے رہے بلاتے رہے
آنے والی اک آن میں آئی

ہائے کیا کیا نگاہ بھٹکی ہے
جب کبھی امتحان میں آئی

علم کیا علم کی حقیقت کیا
جیسی جس کے گمان میں آئی

[illegible]
[illegible] جہان میں آئی

جان [illegible] کر دی توبہ
[illegible] کمان میں آئی

بات ادھوری مگر اثر دونا
اچھی لکنت زبان میں آئی

آنکھ نیچی ہوئی ارے یہ کیا؟
کیوں غرض درمیان میں آئی

○

کارگاہِ دنیا کی نیستی بھی ہستی ہے
اک طرف اُجڑتی ہے ایک سمت بستی ہے

بے دلوں کی ہستی کیا، جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
خواب ہے نہ بیداری، ہوش ہے نہ مستی ہے

کیمیائے دل کیا ہے، خاک ہے مگر کیسی؟
لیجیے تو مہنگی ہے، بیچیے تو سستی ہے

خضرِ منزل اپنا ہوں، اپنی راہ چلتا ہوں
میرے حال پر دنیا کیا سمجھ کے ہنستی ہے

کیا کہوں سفر اپنا ختم کیوں نہیں ہوتا
فکر کی بلندی یا حوصلے کی پستی ہے

حسنِ بے تماشا کی دھوم کیا معمہ ہے
کان بھی ہیں نامحرم آنکھ بھی ترستی ہے

چتونوں سے ملتا ہے کچھ سراغ باطن کا
چال سے تو کافر پہ سادگی برستی ہے

ترکِ لذتِ دنیا کیجیے تو کس دل سے
ذوقِ پارسائی کیا فیضِ تنگدستی ہے

دیدنی ہے یاس اپنے رنج و غم کی طغیانی

سیماب اکبرآبادی

[illegible]ات کا جانا وداعِ شیشہ و پیمانہ تھا
صبح کا تارا نہ تھا، قفلِ درِ مے خانہ تھا

[illegible]ح تنگ آ کر بھڑک اُٹھا فضائے طور سے
[illegible]ب دیدار کا ارمان گستاخانہ تھا

[illegible] ڈھونڈتا پھرتا تھا چشمِ آرزو کی روشنی
[illegible]ب فرقت اندھیری رات کا پروانہ تھا

[illegible] کستر سے پیدا تھا جہانِ آرزو
[illegible] کے شعلوں سے اُڑا پروانہ تھا

[illegible]ف اے ساقی! ہوا مجھ کو نہ ہونے کی طرح
[illegible] سے انداز سے چھوٹا ترا پیمانہ تھا

اب تو یہ حال ہے نظرِ سوگوار کا
کیفِ جمال ہے، نہ مزہ انتظار کا

کہتے ہیں جس کو نزع کا عالم جہان میں
پچھلا پہر ہے میری شبِ انتظار کا

دل سرگرانِ حسرتِ دیدار رہ گیا
آنکھوں نے لطف لوٹ لیا انتظار کا

منہ زرد، خونِ یاس میں پلکیں بھری ہوئی
عالم تو دیکھئے سحرِ انتظار کا

یہ نازِ منفعل، یہ ادائیں حجاب کی
منہ ہو تو چوم لوں نگہِ شرمسار کا

سیماب کیا سناؤں میں اپنا کسی کو حال
زندہ ہوں اور شکر ہے پروردگار کا

○

نامہ گیا کوئی، نہ کوئی نامہ بر گیا
تیری خبر نہ آئی، زمانہ گزر گیا

ہنستا ہوں یوں کہ ہجر کی راتیں گزر گئیں
روتا ہوں یوں کہ لطفِ دعائے سحر گیا

اب مجھ کو ہے قرار، تو سب کو قرار ہے
دل کیا ٹھہر گیا کہ زمانہ ٹھہر گیا

یارب! نہیں میں واقفِ رودادِ زندگی
اتنا ہی یاد ہے کہ جیا اور مر گیا

○

جتنے ستم کیے تھے کسی نے عتاب میں
وہ بھی ملا لیے کرم بے حساب میں

حسرت کو گھر کہیں نہ ملا اضطراب میں
لٹنے کو آ گئی دلِ خانہ خراب میں

اٹھا ہے ابر مے کدہ دستِ دعا کے ساتھ
اتنی برس پڑے کہ نہا لوں شراب میں

آ، اے گلِ فسردہ! لگا لوں تجھے گلے
تو بھی تو میری طرح لٹا ہے شباب میں

ہر چیز پہ بہار، ہر اک شے پہ حسن تھا
دنیا جوان تھی مرے عہدِ شباب میں

○

دل کی بساط کیا تھی نگاہِ جمال میں
اک آئینہ تھا ٹوٹ گیا دیکھ بھال میں

صبر آ ہی جائے گر ہو بسر ایک حال میں
امکاں اک اور ظلم ہے قیدِ محال میں

آزردہ اس قدر ہوں سرابِ خیال سے
جی چاہتا ہے تم بھی نہ آؤ خیال میں

تنگ آ کے توڑتا ہوں طلسمِ خیال کو
یا مطمئن کرو کہ تمھیں ہو خیال میں

دنیا ہے خواب، حاصلِ دنیا خیال ہے
انسان خواب دیکھ رہا ہے خیال میں

بجلی گری اور آنچ نہ آئی کلیم پر
شاید ہنسی بھی آ گئی ان کو جلال میں

عمرِ دو روزہ واقعی خواب و خیال تھی
کچھ خواب میں گزر گئی، باقی خیال میں

○

جنوں پہنچا بیاباں میں، بہار آئی گلستاں میں
یہ دونوں کیوں نہ آ بیٹھے مرے چاکِ گریباں میں

یہ کس کافر نے لی انگڑائیاں صحنِ گلستاں میں
قیامت چھپتی پھرتی ہے گلوں کے چاکِ داماں میں

دلِ غمگیں! ابدایت ستم کی بات رہ جائے
لہو کی بوند بن کر جذب ہو جا، نوکِ پیکاں میں

ذرا کھل کر پکار اے صحرا! مجذوبانِ الفت کو
یہ دیوانے کہیں بیٹھے نہ رہ جائیں بیاباں میں

○

طولِ رہِ حیات سے گھبرا رہا ہوں میں
گھبرا رہا ہوں اور چلا جا رہا ہوں میں

چھوتی نہیں مجھے پرِ جبریل کی ہوا
یہ کن بلندیوں پہ اڑا جا رہا ہوں میں

پھر دے رہا ہوں فطرتِ انساں کو درسِ ناز
سر آستانِ حسن سے اٹھوا رہا ہوں میں

کیوں میرے ترکِ بادہ پہ تجھ کو یقیں نہیں
ساقی ترے لبوں کی قسم کھا رہا ہوں میں

تحلیل ہو رہی ہے مری روح ہر نفس
تعمیرِ کائنات میں کام آ رہا ہوں میں

○

برباد حسنِ ظن سے مآلِ وفا نہ ہو
ایسا نہ ہو کہ حقِ محبت ادا نہ ہو

الجھا رہا ہوں زلفِ تصور میں دستِ شوق
اور اس طرح کہ موجِ ہوا آشنا نہ ہو

وہ سرخوشی کا وقت ہے جب کائنات میں
دل بولتا ہو اور کوئی بولتا نہ ہو!

آ، اور آخری نگہِ یاس دیکھ جا!
شاید پھر اس کے بعد عیادت روا نہ ہو

○

کیوں ہنسی تو اے اجل! فانی اگر سمجھا مجھے
ایک دن سب کو فنا ہے، کیا تجھے اور کیا مجھے

ہے حصولِ آرزو کا راز، ترکِ آرزو
میں نے دنیا چھوڑ دی، تو مل گئی دنیا مجھے

کہہ کے سویا ہوں یہ اپنے اضطرابِ شوق سے
جب وہ آئیں قبر پر فوراً جگا دینا مجھے

صبح تک کیا کیا تری امید نے طعنے دیے
آ گیا تھا شامِ غم اک نیند کا جھونکا مجھے

دیکھتے ہی دیکھتے دنیا سے میں اُٹھ جاؤں گا
دیکھتی کی دیکھتی رہ جائے گی دنیا مجھے

○

چمک جگنو کی برقِ بے اماں معلوم ہوتی ہے
قفس میں رہ کے قدرِ آشیاں معلوم ہوتی ہے

کہانی میری رودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے، اسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے

چمن کے سانحے کو مدتیں گزریں، مگر اب بھی
چمکتی ہے جو بجلی، آشیاں معلوم ہوتی ہے

ترقی پر ہے روز افزوں خلش دردِ محبت کی
جہاں محسوس ہوتی تھی، وہاں معلوم ہوتی ہے

قفس کی تیلیوں میں جانے کیا ترکیب رکھی ہے
کہ ہر بجلی قریبِ آشیاں معلوم ہوتی ہے

جعفر علی خاں اثرؔ لکھنوی

○

حیا میں اک ادا نکلی، اداؤں سے حجاب آیا
شباب آیا اور اس انداز سے ان کا شباب آیا

جوانی اور آئینہ، تبسم اور انگڑائی
حیا بے اختیار آئی، اداؤں پر عتاب آیا

وہی آنکھیں کہ جن سے بادۂ گلگوں چھلکتا تھا
وہی نرگس کی کلیاں تھیں جہاں ہنگامِ خواب آیا

بگڑنا، روٹھنا، باتیں بنانا مجھ سے آتی ہیں
مگر اے دل نہ کوئی ان کے طعنوں کا جواب آیا؟

نظر اٹھی نظر کے ساتھ اک موجِ شراب اٹھی
مجسم کیفِ رنگیں بن کے وہ مستِ شباب آیا

گلوں کی گود میں جیسے نسیم آ کر مچل جائے
اسی انداز سے ان پُر خمار آنکھوں میں خواب آیا

بسا پھولوں کی نکہت میں لئے مستی شرابوں کی
مہکتا، لہلہاتا ایک کافر کا شباب آیا

نہ دینا دادِ شوخی کی خطا تھی اب یہ تہمت ہے
نگاہیں اٹھ گئیں کیوں جب اِدھر وہ بے نقاب آیا

اثرؔ کو ہوش میں پاؤ تو کہہ دو کوئی کہتا تھا
کہاں ہے، کیا ہوا، جا کر نہ وہ خانہ خراب آیا

○

مثالِ برگِ خزاں رسیدہ ہوا ہے زرد آفتاب کیسا
مگر قیامت قریب آئی، کھلا ہے بندِ نقاب کیسا

دلِ ستم کش کو بجلیوں کا خزانہ جس نے بنا دیا ہے
تری نظر میں نہاں تھا ظالم یہ محشرِ اضطراب کیسا

کبھی ہے تکیہ ترے کرم پر کبھی ہے خوفِ عتاب دل میں
یہی ہے جنت یہی ہے دوزخ، عذاب کیسا ثواب کیسا

ہیں ان کے جلووں کا آئینہ ہوں وہ میری حیرت کا آئینہ ہیں
جہاں یہ عالم ہو محویت کا، سوال کیسا، جواب کیسا

بجائے مے یاد میں کسی کی پیا ہے خونابِ دل وگرنہ
تمہاری آنکھوں سے آج ٹپکا اثر یہ رنگِ شراب کیسا

○

... بنے ڈھیٹ تھے پہلے، جھوٹی قسم جو کھاتے تم
... سے آجاتا پسینا، آنکھ نہ ہم سے ملاتے تم

... تمھیں فرصت ہی نہیں ہے، ورنہ کیا کیا حسرت تھی
... بار کچھ سُن لیتے، کچھ حال اپنا سناتے تم

... نک سے ملنا، عارِ تکلّم، ایک زمانہ ایسا تھا
... اپنی بزم کو بلا کر عزت سے بٹھلاتے تم

... وہ نہیں یا تم وہ نہیں، تم ہنستے ہو اور ہم روتے ہیں
یا ... جاتی تھی، جتنا ہمیں سمجھاتے تم

وضع بھی کوئی شے ہے آخر، دل کو اگر سمجھانا تھا
در سے کسی کے اک بار اُٹھ کر کاش دوبارہ نہ جاتے تم

○

صحرا سے چلے ہیں سوئے گلشن
خونیں جگراں چاک دامن

پیغام بہار دے رہی ہے
داغوں کی جھلک دلوں کی اُلجھن

رقصاں ہے نسیم برگِ گل پر
شبنم میں ہے گھنگروؤں کی چھن چھن

غنچوں کے بدن میں سنسنی ہے
مستی میں چھوا صبا نے دامن

دل کش نہ ہو کیوں کلام اثر کا
سیکھا ہے یہ اس نے میر سے فن

دل کا ہے رونا کھیل نہیں ہے، منہ کو کلیجا آنے دو
تھمتے ہی تھمتے اشک تھمیں گے، ناصح کو سمجھانے دو

اٹھ گئیں شرطیں مٹ گئیں قیدیں طاقتِ دل جب طاق ہوئی
ضبط کی آخر حد بھی ہے کوئی، اب تو یہ پردہ اٹھانے دو

کہنے ہی کہتے حال کہیں گے، ایسی تمہیں جلدی کیا ہے
دل تو ٹھکانے ہونے دو، اور آپ میں ہم کو آنے دو

مجھ کو تڑپتا چھوڑ نہ جائے ایسی کوئی تدبیر کرو
زخمی تیغ ناز و ادا سے ہاتھ نہ اس کو اٹھانے دو

بزمِ طرب میں دیکھ کے مجھ کو پھیر لیں آنکھیں ساقی نے
میرے لئے تھے زہر ہلاہل، رس کے بھرے پیمانے دو

خود سے گریباں پھٹتے تھے اکثر، چاک ہوا میں اڑتے تھے
اب وہ جنوں کا جوش نہیں، آئی بہار تو آنے دو

یادِ دلِ گم گشتہ میں، بس ٹھنڈی آہیں بھرتا تھا
ہنس کے ستمگر کہتا کیا ہے، بات ہی کیا ہے جانے دو

صورتِ منزل کیا نظر آئے، ثبت ہیں دل پہ نقشِ خودی
عقل ہے دشمن نفس ہے رہزن، ٹھوکریں کچھ دن کھانے دو

دل کو آ کے لوٹ لیا ہے، شوخ نگہ اک کافر نے
کوئی نہ اس کو رونے سے روکو، آگ لگی ہے بجھانے دو

کھوتے ہوئے سے رہنا دن کو، روتے پھرنا راتوں کو
جو ہیں عاقل وہ کیا سمجھیں عشق و جنوں کی باتوں کو

صبح کو جلوہ بر سرِ منبر، شب کو پیرِ میخانہ
اب کہئے تو بھلا کیا کہئے ایسی مقدس ذاتوں
[illegible]

وہ جو نہ آئے، بادل چھائے گرجے برسے، کھل بھی گئے
اس کے سوا ہم ہجر کے مارے کیا جانیں برساتوں

بات یہ اور ہے شوق کے ہاتھوں خونِ دلِ عاشق ہو جائے
کام نہیں کچھ خونریزی سے تیرے حنائی ہاتھوں

شرم و حیا، ناز و ادا ہے، عشوہ کرشمہ شوخی
کیا تمہیں لینے جانا کہیں ہے دل لینے کی گھاتوں

کیا کیا ہم پر لطف و کرم ہے، کیسی کیسی مہر و وفا
تلخ اگر سن سکتے نہیں تو کیوں چھیڑو ان باتوں

دید کی عشرت، محویت، پھر مدہوشی مے خوار کی
شوق نے ختم یہیں پہ کیا پُر لطف ملاقاتوں

غم میں وہ لذت پائی ہم نے، ذوقِ طلب پہ نثار
حسنِ قبول عطا جو ہوا بھی شب کی مناجاتوں

ہو نہ ہو سب ہے اپنی بیتی لاکھ کرو انکار
نیند آنکھوں کی اڑاتے ہو کہہ کہہ کے فسانوں

○

[illegible] جو آنکھ جوانی گذر گئی — بدلی کی چھاؤں تھی ادھر آئی اُدھر گئی

[illegible] سار عجب گل کتر گئی — منہ بند جو کلی تھی کھلی اور سنور گئی

[illegible] یا کرن آفتاب کی — شرما کے جا چھپی تھی کہ پالے بکھر گئی

[illegible] تپے ہے پہاڑوں کی چھاؤں کو — دھونی رمائے در پہ یہ کس کے سحر گئی

[illegible] آنکھ مار کے کیا کہہ گئی شفق — پھولوں کی گود موجِ نسیم آکے بھر گئی

سینے میں اور تاب ہے شعلے کو شوق کے — سجدہ غلط اگر نہ تجلی نکھر گئی

تیری ہی جلوہ زار ہے دنیائے رنگ و بو — اے وائے وہ نظر جو حجابات پر گئی

[illegible] ہاتھ ملتے ہیں کہ دمِ عرضِ ماجرا — کہنے کی بات دھیان سے کیسی اتر گئی

کچھ دن کی اور کشمکشِ زیست ہے اثرؔ
اچھی بُری گذرنی تھی جیسی گذر گئی

○

کمر ہر قدم پر لچکتی رہی
یہ بجلی سوئے دل لپکتی رہی

ادب لاکھ تھا پھر بھی اس کی طرف
نظر میری اکثر بہکتی رہی

اگر ہونٹ سی بھی لئے کیا ہوا
نگاہوں سے الفت ٹپکتی رہی

غبارِ دلِ مضطرب چھو گیا
صبا اپنا دامن جھٹکتی رہی

نہ کھلنے پہ بھی میرے دل کی کلی
گلِ تر کی صورت مہکتی رہی

دلِ زار کی آہ بھی زار تھی
اگر آئی لب پر سسکتی رہی

اثرؔ کی سی شیوا بیانی کہاں
بہت یوں تو بلبل چہکتی رہی

○

کچھ نشیمن تو گلوں سے چھا گئے
دُور کچھ بجلی کی زد میں آ گئے

سر جھکا کر کچھ کہا، شرما گئے
دلدہی کو آئے تھے شرما گئے

جرم ٹھہرا ہے وفا کا ذکر بھی
ہم سزا اپنے کئے کی پا گئے

منزلِ عشق اب نگاہوں سے ہو طے
باقی تو [illegible]

آنے والے آ، کہاں تک انتظار
چاند ڈوبا: تارے بھی کملا گئے

بجلیوں میں بجلیاں حل ہو گئیں
ناگہاں دو دل جہاں ٹکرا گئے

سعیٔ ضبطِ اشک کے باوصف اثرؔ
چند افسانے مژہ تک آ گئے

○

دلہن بنی ہوئی اب کی چمن میں آئی ہے
بہار ہو کے تری انجمن میں آئی ہے

شمیمِ دوست لئے پیرہن میں آئی ہے
نسیم ہوش اڑاتی چمن میں آئی ہے

ظہورِ عشق حقیقت طراز تھا ورنہ
یہ دل کشی کہیں دار و رسن میں آئی ہے

بسائی جاتی ہے اس میں قمیص یوسف کی
ہوا جو مصر سے بیت الحزن میں آئی ہے

وہ بوئے خوں ہے کہ گھٹتا ہے دم معاذ اللہ
بہار وادیٔ زخمِ کہن میں آئی ہے

یہ کس کی خاک ہے جو حسرتِ نشیمن میں
صبا کے دوش پہ صحنِ چمن میں آئی ہے

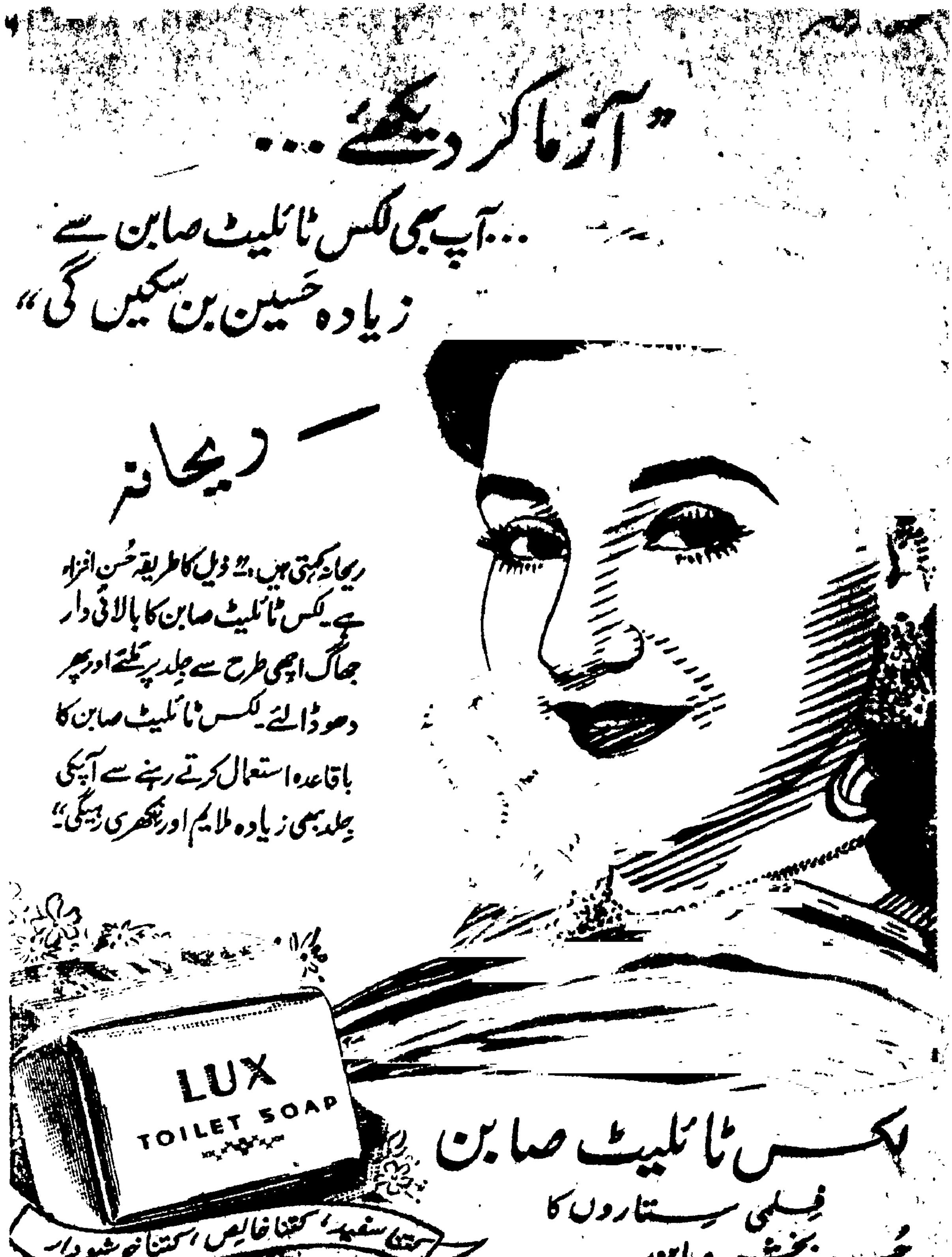
نسیم صبح کے جھونکے مہک وہ پھولوں کی
نفس نفس میں نئی روح تن میں آئی ہے

بقدرِ ذوق نہیں جوئے شیرِ موج افزا
ہوائے تیشہ سرِ کوہکن میں آئی ہے

گمان ہوتا ہے اُف ری کلام کی گرمی
زبانِ شعلہ اثرؔ کے دہن میں آئی ہے



فوراً جھاگ دینے والا سن لائٹ صابن
کپڑے پٹکے بغیر سفید اور اُجلے دھوتا ہے
اپنے آپ کو روز مرہ کے کپڑے پٹکنے کی دردسری سے بچائیے
اور انکو زیادہ پائیدار بنائیے۔ اُنکو سن لائٹ کے فوری
کارگر جھاگ میں دھوئیے کپڑوں کو خوب بھگوئیے۔
رگڑیئے اور دھو ڈالئے۔ آناً فاناً سفید کپڑے روئی کے گالوں کی طرح
ستھرے اور رنگین کپڑے پھولوں کی طرح نکھرے ہوئے ملیں گے۔
اور پھر اس سے کف یا کالر گھس سکتے نہیں چونکہ یہ میل کو بغیر پٹکے دور کر دیتا ہے۔
SUNLIGHT SOAP
سن لائٹ صابن
I—193 UD


"آزما کر دیکھئے...
...آپ بھی لکس ٹائلیٹ صابن سے
زیادہ حسین بن سکیں گی"
— ریحانہ
ریحانہ کہتی ہیں، "ذیل کا طریقہ حسن افزا
ہے۔ لکس ٹائلیٹ صابن کا بالائی دار
جھاگ اچھی طرح سے جلد پر ملئے اور پھر
دھو ڈالئے۔ لکس ٹائلیٹ صابن کا
باقاعدہ استعمال کرتے رہنے سے آپکی
جلد بھی زیادہ ملایم اور نکھری رہیگی"
LUX
TOILET SOAP
کتنا سفید، کتنا خالص، کتنا خوشبودار
لکس ٹائلیٹ صابن
فلمی ستاروں کا
حسن بخش صابن

فیض احمد فیض

○

رنگ پیراہن کا، خوشبو زلف لہرانے کا نام
موسمِ گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام

دوستو اُس چشم و لب کی کچھ کہو جس کے بغیر
گلستاں کی بات رنگیں ہے نہ میخانے کا نام

پھر نظر میں پھول مہکے دل میں پھر شمعیں جلیں
پھر تصور نے لیا اُس بزم میں جانے کا نام

ق

دلبری ٹھہرا زبانِ خلق کھلوانے کا نام
اب نہیں لیتے پری رُو زلف بکھرانے کا نام

اب کسی لیلیٰ کو بھی اقرارِ محبوبی نہیں
اِن دنوں بدنام ہے ہر ایک دیوانے کا نام

محتسب کی خیر اونچا ہے اسی کے فیض سے
رند کا ساقی کا مے کا خم کا پیمانے کا نام

ہم سے کہتے ہیں چمن والے غریبانِ چمن،
تم کوئی اچھا سا رکھ لو اپنے ویرانے کا نام

فیضؔ ان کو ہے تقاضائے وفا ہم سے جنہیں
آشنا کے نام سے پیارا ہے بیگانے کا نام

○

روش روش ہے وہی انتظار کا موسم
نہیں ہے کوئی بھی موسم بہار کا موسم
گراں ہے دل پہ غمِ روزگار کا موسم
ہے آزمائشِ حسنِ نگار کا موسم
خوشا نظارۂ رخسارِ یار کی ساعت
خوشا قرارِ دلِ بے قرار کا موسم
حدیثِ بادۂ ساقی نہیں تو کس مصرف
خرامِ ابرِ سرِ کوہسار کا موسم
نصیبِ صحبتِ یاراں نہیں تو کیا کیجے
یہ رقصِ سایۂ سرو و چنار کا موسم
یہ دل کے داغ تو دکھتے تھے یوں بھی پر کم کم
کچھ اب کے اور ہے ہجرانِ یار کا موسم
یہی جنوں کا یہی طوق و دار کا موسم
یہی ہے جبر یہی اختیار کا موسم
قفس ہے بس میں تمہارے، تمہارے بس میں نہیں
چمن میں آتشِ گل کے نکھار کا موسم
صبا کی مست خرامی تہِ کمند نہیں
اسیرِ دام نہیں ہے بہار کا موسم
بلا سے ہم نے نہ دیکھا تو اور دیکھیں گے
فروغِ گلشن و صوتِ ہزار کا موسم

○

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں

حدیثِ یار کے عنواں نکھرنے لگتے ہیں
تو ہر حریم میں گیسو سنورنے لگتے ہیں

ہر اجنبی ہمیں محرم دکھائی دیتا ہے
جو اب بھی تیری گلی سے گزرنے لگتے ہیں

صبا سے کرتے ہیں غربت نصیب ذکرِ وطن
تو چشمِ صبح میں آنسو اُبھرنے لگتے ہیں

وہ جب بھی کرتے ہیں اس نطق و لب کی بخیہ گری
فضا میں اور بھی نغمے بکھرنے لگتے ہیں

درِ قفس پہ اندھیرے کی مہر لگتی ہے
تو فیضؔ دل میں ستارے اُترنے لگتے ہیں

○

کئی بار اس کا دامن بھر دیا حسنِ دو عالم سے
مگر دل ہے کہ اس کی خانہ ویرانی نہیں جاتی

کئی بار اس کی خاطر ذرّے ذرّے کا جگر چیرا
مگر یہ چشمِ حیراں جس کی حیرانی نہیں جاتی

نہیں جاتی متاعِ لعل و گوہر کی گراں یابی
متاعِ غیرت و ایماں کی ارزانی نہیں جاتی

مری چشمِ تن آساں کو بصیرت مل گئی جب سے
بہت جانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

سرِ خسرو سے نازِ کج کلاہی چھن بھی جاتا ہے
کلاہِ خسروی سے بُوئے سلطانی نہیں جاتی

بجز دیوانگی واں اور چارہ ہی کہو کیا ہے؟
جہاں عقل و خرد کی ایک بھی مانی نہیں جاتی

دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے
وہ جا رہا ہے کوئی شبِ غم گزار کے

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

اک فرصتِ گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

بھولے سے مسکرا تو دیے تھے وہ آج فیضؔ
مت پوچھ ولولے دلِ ناکردہ کار کے

تم آئے ہو نہ شبِ انتظار گزری ہے
تلاش میں ہے سحر بار بار گزری ہے

جنوں میں جتنی بھی گزری بکار گزری ہے
اگرچہ دل پہ خرابی ہزار گزری ہے

ہوئی ہے حضرتِ ناصح سے گفتگو جس شب
وہ شب ضرور سرِ کوئے یار گزری ہے

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

نہ گل کھلے ہیں نہ ان سے ملے نہ مے پی ہے
عجیب رنگ میں اب کے بہار گزری ہے

چمن پہ غارتِ گلچیں سے جانے کیا گزری
قفس سے آج صبا بے قرار گزری ہے

اختر شیرانی

○

آرزوِ وصل کی رکھتی ہے پریشاں کیا کیا
کیا بتاؤں کہ مرے دل میں ہیں ارماں کیا کیا

غم عزیزوں کا حسینوں کی جدائی دیکھی
دیکھیں دکھلائے ابھی گردشِ دوراں کیا کیا

ان کی خوشبو ہے فضاؤں میں پریشاں ہر سُو
ناز کرتی ہے ہوائے چمنستاں کیا کیا

دشتِ غربت میں رُلاتے ہیں ہمیں یاد آکر
اے وطن تیرے گل و سنبل و ریحاں کیا کیا

اب وہ باتیں نہ وہ راتیں نہ ملاقاتیں ہیں
محفلیں خواب کی صورت ہوئیں ویراں کیا کیا

ہے بہارِ گل و لالہ مرے اشکوں کی نمود
میری آنکھوں نے کھلائے ہیں گلستاں کیا کیا

ہے کرم اُن کے ستم کا کہ کرم بھی ہے ستم
شکوے سُن سُن کے وہ ہوتے ہیں پشیماں کیا کیا

گیسو بکھرے ہیں مرے دوش پہ کیسے کیسے
میری آنکھوں میں ہیں آباد شبستاں کیا کیا

وقتِ امداد ہے اے ہمتِ گستاخیٔ شوق
شوق انگیز ہیں اُن کے لبِ خنداں کیا کیا

سیرِ گل بھی ہے ہمیں باعثِ وحشت اختر
ان کی الفت میں ہوئے چاک گریباں کیا کیا

○

تمناؤں کو زندہ آرزوؤں کو جواں کر لوں
یہ شرمیلی نظر کہہ دے تو کچھ گستاخیاں کر لوں

بہار آئی ہے بلبل دردِ دل کہتی ہے پھولوں سے
کہو تو میں بھی اپنا دردِ دل تم سے بیاں کر لوں

ہزاروں شوخ ارماں لے رہے ہیں چٹکیاں دل میں
حیا ان کی اجازت دے تو کچھ بیباکیاں کر لوں

کوئی صورت تو ہو دنیائے فانی میں بہلنے کی
ٹھہر جا اے جوانی ماتمِ عمرِ رواں کر لوں

چمن میں ہیں بہم پروانہ و شمع و گل و بلبل
اجازت ہو تو میں بھی حالِ دل اپنا بیاں کر لوں

کسے معلوم کب کس وقت کس پر گر پڑے بجلی
ابھی سے میں چمن میں چل کر آباد آشیاں کر لوں

بر آئیں حسرتیں کیا کیا اگر موت اتنی فرصت دے
کہ اک بار اور زندہ شیوۂ عشقِ جواں کر لوں

مجھے دونوں جہاں میں ایک وہ مل جائیں گر اختر
تو اپنی حسرتوں کو بے نیازِ دو جہاں کر لوں

○

وہ کہتے ہیں رنجش کی باتیں بھلا دیں
محبت کریں خوش رہیں مسکرا دیں

غرور اور ہمارا غرورِ محبت
مہ و مہر کو ان کے در پر جھکا دیں

جوانی ہو گر جاودانی تو یا رب
تری سادہ دنیا کو جنت بنا دیں

شب وصل کی بے خودی چھا رہی ہے
کہو تو ستاروں کی شمعیں بجھا دیں

بہاریں سمٹ آئیں کھل جائیں کلیاں
جو ہم تم چمن میں کبھی مسکرا دیں

عبادت ہے اک بیخودی سے عبارت
حرم کو مۓ مشکبو سے بسا دیں

وہ آئیں گے آج اے بہارِ محبت
ستاروں کے بستر پہ کلیاں بچھا دیں

سنا ہے مئے تلخی مے سے زاہد
تجھے باغِ رضواں سے کوثر منگا دیں

تم افسانۂ قیس کیا پوچھتے ہو
اِدھر آؤ ہم تم کو لیلیٰ بنا دیں

وہ سرمستیاں بخش اے رشکِ شیریں
کہ خسرو کو خوابِ عدم سے جگا دیں

انھیں اپنی صورت پہ یوں ناز کب تھا
مرے عشقِ رسوا کو اخترؔ دعا دیں

○

کون آیا ہے مرے پہلو میں یہ خواب آلودہ؟
زلف برہم زدہ و چشم حجاب آلودہ

آہ یہ زلف ہے یا ابرِ سرِ مے خانہ
آہ یہ آنکھ ہے یا جامِ شراب آلودہ

کس نے پہلو میں بٹھایا ہے مجھے شرما کر
کس کے ہاتھوں میں ہے لرزش یہ حجاب آلودہ

کس کے ملبوس سے آتی ہے حنا کی خوشبو
کس کے ہر سانس کی جنبش ہے گلاب آلودہ

کس کو شکوہ ہے مرے عشق سے رسوائی کا
کس کا لہجہ ہے بایں لطف عتاب آلودہ

پھر ہم آغوشی کے موسم نے بکھیرے گیسو
پھر فضائیں نظر آتی ہیں سحاب آلودہ

حسرتِ بوسہ پہ اخترؔ یہ خیال آتا ہے
کیوں مرے لب سے ہوں وہ برگِ گلاب آلودہ

نہ سازِ مطرب نہ جامِ ساقی نہ وہ بہارِ چمن ہے باقی
نگاہِ شمعِ سحر کے پردے پہ نقشِ انجمن ہے باقی

زمانہ گزرا وہ یاسمن بو جدا ہوئی ہم کنار ہو کر
مگر ابھی تک ہمارے پہلو میں نکہتِ یاسمن ہے باقی

بھلا چکی دل سے شامِ غربت ہر ایک نقشہ ہر ایک صورت
ہماری آنکھوں میں لیکن اب تک فروغِ صبحِ وطن ہے باقی

زمانہ بدلا مٹی جوانی نہ وہ محبت نہ زندگانی
بس ایک بھولی سی یاد ہے جو بہ رنگِ داغِ کہن ہے باقی

مٹا دیئے بے ستونِ چرخِ کہن نے شیریں لقا ہزاروں
مگر محبت کے لب پر اب بھی ترانۂ کوہکن ہے باقی

حباب آسا محیطِ ہستی میں جو ہے مٹنے کو بن رہا ہے
ہے انقلاب اک نمود ایسی جو زیرِ چرخِ کہن ہے باقی

غمِ زمانہ کی سختیوں سے ہوئی ہے پامال طبعِ اختر
نہ وہ نشاطِ کہن ہے باقی نہ وہ مذاقِ سخن ہے باقی

جھوم کر بدلی اٹھی اور چھا گئی
ساری دنیا پر جوانی آ گئی

آہ وہ اس کی نگاہِ مے فروش
جب بھی اٹھی مستیاں برسا گئی

گیسوئے مشکیں میں وہ روئے حسیں
ابر میں بجلی سی اک لہرا گئی

عالمِ مستی کی توبہ الاماں!
پارسائی نشہ بن کر چھا گئی

آہ اس کی بے نیازی کی نظر
آرزو کیا پھول سی کمھلا گئی

سازِ دل کو گدگدایا عشق نے
موت کو لے کر جوانی آ گئی

پارسائی کی جواں مرگی نہ پوچھ
توبہ کرنی تھی کہ بدلی چھا گئی

اختر اس جانِ تمنا کی ادا
جب کبھی یاد آ گئی تڑپا گئی

تاثیر

حضورِ یار بھی آنسو نکل ہی آتے ہیں
کچھ اختلاف کے پہلو نکل ہی آتے ہیں

مزاج ایک، نظر ایک، دل بھی ایک سہی
معاملاتِ من و تو نکل ہی آتے ہیں

ہزار ہم سخنی ہو ہزار ہم نظری
مقامِ جنبشِ ابرو نکل ہی آتے ہیں

حنائے ناخنِ پا ہو کہ حلقۂ سرِ زلف
چھپاؤ بھی تو یہ جادو نکل ہی آتے ہیں

جنابِ شیخ وضو کے لئے سہی لیکن
کسی بہانے لبِ جو نکل ہی آتے ہیں

متاعِ عشق وہ آنسو جو دل میں ڈوب گئے
زمیں کا رزق جو آنسو نکل ہی آتے ہیں

لطفِ وفا نہیں کہ وہ بیداد گر نہیں
خاموش ہوں کہ میری فغاں بے اثر نہیں

نیزے بغیر تلخیٔ کام و دہن حرام
دردِ جگر ہے لذتِ دردِ جگر نہیں

سجدوں سے نامراد ہے جلووں سے ناامید
وہ رہگزر کہ اب جو تری رہگزر نہیں

تم کیا گئے کہ سارا زمانہ چلا گیا
وہ رات دن نہیں ہیں وہ شام و سحر نہیں

ہر ہر روش معاملۂ حسن و عاشقی
ہر ہر قدم فروغِ جمالِ نظر نہیں

بیباک چال، چال سے بیباک تر نظر
اب حسن تو بہت ہے مگر فتنہ گر نہیں

زخموں سے چور قافلے، پُر خار راستے
اس میں ترا قصور تو اے راہبر نہیں

دنیائے چشم و گوش تو برباد ہو گئی
اب کچھ بغیر معرکۂ خیر و شر نہیں

○

وہ ملے تو بے تکلف نہ ملے تو بے ارادہ
نہ طریقِ آشنائی نہ رسومِ جام و بادہ

تری نیم کش نگاہیں ترا زیرِ لب تبسم
یونہی اک ادائے مستی یونہی اک فریبِ سادہ

وہ کچھ اس طرح سے آئے مجھے اس طرح سے دیکھا
مری آرزو سے کم تر مری تاب سے زیادہ

یہ دلیلِ خوش دلی ہے مرے واسطے نہیں ہے
وہ دہن کہ ہے شگفتہ وہ جبیں کہ ہے کشادہ

وہ قدم قدم پہ لغزش وہ نگاہ مست بادہ
کہیں نازِ زلفِ سرکش پہ کلاہِ کج نہادہ

○

حسن کے رازِ نہاں شرحِ بیاں تک پہنچے
آنکھ سے دل میں گئے دل سے زباں تک پہنچے

دل نے آنکھوں سے کہی آنکھوں نے دل سے کہہ دی
بات چل نکلی ہے اب دیکھیں کہاں تک پہنچے

عشق پہلے ہی قدم پر ہے یقیں سے واصل
انتہا عقل کی یہ ہے کہ گماں تک پہنچے

کعبہ و دیر تو لوگ ہیں آتے جاتے
وہ نہ لوٹے جو درِ پیرِ مغاں تک پہنچے

آنکھ سے آنکھ کہے دل سے ہوں دل کی باتیں
وائے وہ عرضِ تمنا جو زباں تک پہنچے

○

لبالب جام پھر ساقی نے واپس لے لیا مجھ سے
نہ جانے کیا کہا میں نے نہ جانے کیا ہوا مجھ سے

مری توبہ، مجھے باور، وہ کافر ہے وہ کافر ہے
خفا تو بھی ہوا جاتا ہے اے میرے خدا مجھ سے

چھپا پھرتا ہوں اب تک تیری آنکھوں سے مگر کب تک
یہ کہہ ڈالیں گی اک دن میرے دل کا مدعا مجھ سے

مجھے معلوم ہے تابشؔ سب کچھ جانتا ہوں میں
ارے اب بھی حیا کیوں بن رہا ہے پارسا مجھ سے

○

میری وفائیں یاد کرو گے
روؤ گے فریاد کرو گے

مجھ کو تو برباد کیا ہے
اور کسے برباد کرو گے

ہم بھی ہنسیں گے تم پر اک دن
تم بھی کبھی فریاد کرو گے

محفل کی محفل ہے غمگیں
کس کس کا دل شاد کرو گے

دشمن تک کو بھول گئے ہو
مجھ کو تم کیا یاد کرو گے

ختم ہوئی دشنام طرازی
یا کچھ اور ارشاد کرو گے

جا کر بھی ناشاد کیا تھا
آ کر بھی ناشاد کرو گے

چھوڑو بھی تابشؔ کی باتیں
کب تک اس کو یاد کرو گے!

عبدالمجید سالک

ہمنفسو۔ اُجڑ گئیں مہر و وفا کی بستیاں
پوچھ رہے ہیں اہلِ دل مہر و وفا کو کیا ہوا

عشق ہے بے گداز کیوں حسن ہے بے نیاز کیوں
میری وفا کہاں گئی ان کی جفا کو کیا ہوا

یہ تو بجا کہ اب وہ کیف جام شراب میں نہیں
ساقیٔ مے کے غمزۂ ہوش رُبا کو کیا ہوا

اب نہیں جنتِ مشام کوچۂ یار کی شمیم
نکہتِ زلف کیا ہوئی بادِ صبا کو کیا ہوا

تھم گیا دورۂ حیات رُک گئی نبضِ کائنات
عشق و جنوں کی گرمیٔ ہنگامہ زا کو کیا ہوا

وحشتِ جنوں میں ہو گئی منزلِ یار بے سراغ
قافلہ کس طرف گیا بانگِ درا کو کیا ہوا

نالۂ شب ہے نارسا آہِ سحر ہے بے اثر
میرا خدا کہاں گیا۔ میرے خدا کو کیا ہوا

نہ تھی امید نہ وعدے پہ اعتبار کیا
غضب ہے پھر بھی ترا ہم نے انتظار کیا

اٹھائیے اب تو نقاب اے عروسِ آزادی
ہزار سال ترا ہم نے انتظار کیا

شفق نے پھول بکھیرے خزاں کی وادی میں
سحر نے دامنِ مشرق کو لالہ زار کیا

وداعِ عشق ہے اب رخصت اے غمِ جاناں
کہ پھر مجھے غمِ دوراں نے بے قرار کیا

خرد نے سائے میں جس کے پناہ لی صدیوں
جنوں نے آج اسی دامن کو تار تار کیا

چھپا رہا تھا جسے محتسب نے پردوں میں
وہ راز بزم میں رندوں نے آشکار کیا

دماغ تو کسی قیمت پہ دے نہ سکتے تھے
متاعِ دل ہی کو نذرِ جمالِ یار کیا

نظر میں پھر گئی سالک جہانِ نو کی نمود
غمِ زمانہ نے جب مجھ کو اشکبار کیا

○

نہ محتسب کی نہ حور و جناں کی بات کرو — مے مگن کی نگاہِ جواں کی بات کرو

کسی کی تابشِ رخسار کا کہو قصہ — کسی کے گیسوئے عنبر فشاں کی بات کرو

ضیا ہے شاہد و شمع و شراب سے جس کی — فروغِ محفلِ روحانیاں کی بات کرو

جو مدعا ہو کسی قبلۂ مراد کا ذکر — تو آستانۂ پیرِ مغاں کی بات کرو

نہیں ہوا جو طلوعِ آفتاب تو فی الحال — قمر کی بات کرو کہکشاں کی بات کرو

رہے گا مشغلۂ یادِ رفتگاں کب تک — گزر رہا ہے جو اس کارواں کی بات کرو

بہ قید و صید کے اندیشہ ہائے بے جا کیا — چمن کی فکر کرو آشیاں کی بات کرو

یہی جہان ہے ہنگامہ زارِ سود و زیاں — اسی کے سود اسی کے زیاں کی بات کرو

اب اس چمن میں نہ صیاد ہے نہ گلچیں ہے — کرو تو اب ستمِ باغباں کی بات کرو

خدا کے ذکر کا موقع نہیں یہاں سالکؔ
دیارِ ہند میں حسنِ بتاں کی بات کرو[1]

○

خرد میں مبتلا ہے سالکِ دیوانہ برسوں سے
نہیں آباد مے خانے میں پیمانہ برسوں سے

میسر جس سے آجاتی تھی ساقی کی قدم بوسی
مقدر میں نہیں وہ لغزشِ مستانہ برسوں سے

بیادِ چشمِ یار اک نعرۂ مستانہ اے ساقی
کہ ہاؤ ہو سے خالی ہے ترا میخانہ برسوں سے

تجھے کچھ عشق و الفت کے سوا بھی یاد ہے اے دل
سنائے جا رہا ہے ایک ہی افسانہ برسوں سے

کسی کو تو مشرف کر دے اے ذوقِ جبیں سائی
تقاضا کر رہے ہیں کعبہ و بت خانہ برسوں سے

نئی شمعیں جلاؤ عاشقی کی انجمن والو
کہ سونا ہے شبستانِ دلِ پروانہ برسوں سے

کوئی جوہر شناس آئے تو جانے قدر سالکؔ کی
پڑا ہے خاک پر یہ گوہرِ یکدانہ برسوں سے

[1] مشاعرہ منعقدہ بمقام گجرات

○

جراغِ زندگی ہوگا فروزاں ہم نہیں ہوں گے　　چمن میں آئے گی فصلِ بہاراں ہم نہیں ہونگے
یا نو اب تمہارے ہاتھ میں تقدیرِ عالم ہے　　تمہیں ہوگے فروغِ بزمِ امکاں ہم نہیں ہونگے
ئیں گے جو وہ دیکھیں گے بہاریں زلفِ جاناں کی　　سنوارے جائیں گے گیسوئے دوراں ہم نہیں ہونگے
رے ڈوبنے کے بعد ابھریں گے نئے تارے　　جبینِ دہر پہ چھٹکے گی افشاں ہم نہیں ہونگے
ہ تھا اپنی ہی قسمت میں طلوعِ مہر کا جلوہ　　سحر ہو جائے گی شامِ غریباں ہم نہیں ہونگے
ز ماضی منور تھا کبھی تو ہم نہ تھے حاضر　　جو مستقبل کبھی ہوگا درخشاں ہم نہیں ہونگے
ہمارے دور میں ڈالیں خرد نے الجھنیں لاکھوں　　جنوں کی مشکلیں جب ہونگی آساں ہم نہیں ہونگے
ہیں ہم کو دکھادو اک کرن ہی ٹمٹماتی سی　　کہ جس دن جگمگائے گا شبستاں ہم نہیں ہونگے

ہمارے بعد ہی خونِ شہیداں رنگ لائے گا
یہی سرخی بنے گی زیبِ عنواں ہم نہیں ہونگے

○

غم کے ہاتھوں مرے دل پر جو سماں گزرا ہے
حادثہ ایسا زمانے میں کہاں گزرا ہے

زندگی کا حاصل وہی اک لمحۂ شوق
جو تری یاد میں اے جانِ جہاں گزرا ہے

حالِ دل غم سے ہے جیسے کسی صحرا میں
ابھی اک قافلۂ نوحہ گراں گزرا ہے

بزمِ دوشیں کو کرو یاد کہ اس کا ہر رند
رونقِ بارگہِ پیرِ مغاں گزرا ہے

پابگِل جو تھے وہ آزردہ نظر آتے ہیں
شاید اس راہ سے وہ سرورِ رواں گزرا ہے

نگرانیٔ دل و دیدہ ہوئی ہے دشوار
کوئی جب سے مری جانب نگراں گزرا ہے

حالِ دل سن کے وہ آزردہ ہیں شاید ان کو
اس حکایت پہ شکایت کا گماں گزرا ہے

وہ گل افشانیٔ گفتار کا پیکر سالک
آج کوچے سے ترے اشک فشاں گزرا ہے

عابد علی عابد

○

آئی سحر قریب تو میں نے پڑھی غزل
جلنے لگے ستاروں کے بجھتے ہوئے کنول

بے تاب ہے جنوں کہ غزل خوانیاں کروں
خاموش ہے خرد کہ نہیں بات کا محل!

کیسے دیئے جلائے غمِ روزگار نے
کچھ اور جگمگائے غمِ یار کے محل

راہوں میں جوئے خوں ہے رواں مثلِ موجِ مے
ساقی یقیں نہ ہو تو ذرا میرے ساتھ چل

اے التفاتِ یار مجھے سوچنے تو دے
مرنے کا ہے مقام کہ جینے کا ہے محل

اب ترکِ دوستی ہی تقاضا ہے وقت کا
اے یارِ چارہ ساز مری آگ میں نہ جل

پھر بجلیوں کا شور ہے کچھ آندھیوں کا زور
دل ہے مقام پر تو ذرا بام پر نکل!!

ہم رند خاک و خوں میں نہائے ہاتھ بھی کٹے
نکلے نہ اے بہار ترے گیسوؤں کے بل

فرمانِ شہریار کی پروا نہیں مجھے
ایمانِ عاشقاں ہو تو عابد پڑھے غزل

○

مے ہو ساغر میں کہ خوں رات گزر جائے گی
دل کو غم ہو کہ سکوں رات گزر جائے گی

دیکھنا یہ ہے کہ اندازِ سحر کیا ہوں گے
یوں تو اربابِ جنوں رات گزر جائے گی

نہ رکا ہے نہ رکے قافلۂ لیل و نہار
رات کم ہو کہ فزوں، رات گزر جائے گی

میں ترا محرمِ اسرار ہوں اے صبحِ بہار
جا کے پھولوں سے کہوں، رات گزر جائیگی

مژدۂ صبح مبارک تمہیں اے دیدۂ درد
میں جیوں یا نہ جیوں رات گزر جائے گی

رات بھر میں نے بجائے سرِ مژگاں تارے
مجھ کو تھا وہم کہ یوں رات گزر جائے گی

صبح اٹھ کر تجھے رہرو سے پلٹنا ہو گا!
رہبرِ تیرہ دروں رات گزر جائے گی

●

یہ کیا طلسم ہے دنیا پہ بار گزری ہے
وہ زندگی جو سرِ رہگزار گزری ہے

کہیں سحر کا اجالا ہوا ہے ہم نفسو!
کہ موجِ برق سرِ شاخسار گزری ہے

رہا ہے یہ سرِ شوریدہ مثلِ شعلہ بلند
اگرچہ مجھ پہ قیامت ہزار گزری ہے

یہ حادثہ بھی ہوا ہے کہ عشقِ یار کی یاد
دیارِ قلب سے بیگانہ وار گزری ہے

گلوں کی خوں شدگی سے سراغ ملتا ہے
کہیں چمن سے نسیمِ بہار گزری ہے

مقیمِ کوچۂ دلدار کو پتہ بھی نہیں
کدھر سے زندگیٔ مستعار گزری ہے

انہیں کو عرضِ وفا کا تھا اشتیاق بہت
انہیں کو عرضِ وفا ناگوار گزری ہے

کبھی ہجومِ غمِ روزگار دیکھا ہے
کبھی مصیبتِ ہجرانِ یار گزری ہے

حریمِ شوق مہکتا ہے آج تک عابد
بہار بن کے نکہتِ گیسوئے یار گزری ہے

دل ہے آئینۂ حیرت سے دوچار آج کی رات
غمِ دوراں میں ہے عکسِ غمِ یار آج کی رات

کوئی منصور سے جا کر یہ کہو ہم نفسو!
ہوں بہ تعزیرِ خموشی سرِ دار آج کی رات

غم کے محور پہ ہیں ٹھہرے ہوئے افلاک و نجوم
میری محفل میں نہیں وقت کو بار آج کی رات

نہ مکاں آج ہے ثابت نہ زماں ہے سیّار
نہ خزاں شعبدہ آرا نہ بہار آج کی رات

کبھی فردوسِ گل و لالہ تھی جو کشتِ خیال
اس سے بے ساختہ اگتے ہیں شرار آج کی رات

بوئے خوں آتی ہے صحرائے تمنا سے مجھے
کھیلتا ہوں دلِ وحشی کا شکار آج کی رات

تجھے معلوم ہے عابد کہ بیاضِ دل پر
ناخنِ دل نے کیے نقش و نگار آج کی رات

○

کاروانِ گل و ریحاں گزرے صورتِ برق درخشاں گزرے

کیا بتاؤں کہ مری آنکھوں سے کس قدر خوابِ پریشاں گزرے

مست کے نبتار ہا میں شکلِ حباب دائیں بائیں سے طوفاں گزرے

گردشِ جام نہیں رک سکتی جو بھی اے گردشِ دوراں گزرے

صبحِ محشر ہے بلا سے ظاہر کسی صورت شبِ ہجراں گزرے

کوئی برسا نہ سرِ کشتِ وفا کتنے بادل گہر افشاں گزرے

ابنِ آدم کو نہ آیا کوئی راس کبھی آذر کبھی یزداں گزرے

غمِ ہستی کے بیابانوں سے کچھ ہمیں تھے کہ غزل خواں گزرے

اے غمِ یار تری راہوں سے عمر بھر سوختہ ساماں گزرے

وہ جو پروانے جلے رات کی رات منزلِ عشق سے آساں گزرے

غم کے تاریک افق پر عدمؔ

کچھ ستارے سرِ مژگاں گزرے

○

غمِ دوراں غمِ جاناں کا نشاں ہے کہ جو تھا
وصفِ خوباں بہ حدیثِ دگراں ہے کہ جو تھا

لذتِ عرضِ وفا راحتِ جاں ہے کہ جو تھی
دلِ تپاں تشنۂ دامِ شوقِ جواں ہے کہ جو تھا

شرحِ دآئین کی تعزیر کے باوصف شباب
لب و رخسار کی جانب نگراں ہے کہ جو تھا

میرے پاؤں سے ہیں الجھے ہوئے ریشم کے تار
ہمدمو! یہ تو وہی بندِ گراں ہے کہ جو تھا

عشق کی طرزِ تکلم وہی چپ ہے کہ جو تھی!
لب خموشی گوئے ہوسِ محرماں ہے کہ جو تھا

راہرو دشت میں فریاد کناں ہیں کہ جو تھے
خندہ زن قافلۂ راہ براں ہے کہ جو تھا

مغ بچے خوش ہیں کہ بزم ان کی ہے ساقی ان کا
برسرِ کار وہی پیرِ مغاں ہے کہ جو تھا!

جلوۂ یار سے کیا شکوۂ بے جا کیجے!
شوقِ دیدار کا عالم وہ کہاں ہے کہ جو تھا

حلقۂ دعظ سے ابتک ہے گریزاں دنیا!
حلقۂ زلف مدارِ دوجہاں ہے کہ جو تھا!

میرے ہنسنے پہ خفا تھے مرے رونے پہ ہنسے
وہی رنگِ ستمِ عشوہ گراں ہے کہ جو تھا

سنگِ طفلاں سے ذرا بچ کے ہے قصرِ بلند
یہ وہی کارگہِ شیشہ گراں ہے کہ جو تھا

دوستو ہم نفسو! سنتے ہو عابد کی غزل!
یہ وہی شعلہ نوا سوختہ جاں ہے کہ جو تھا

حفیظ ہوشیار پوری

○

ایسی بھی کیا جلدی پیارے جانے ملیں پھر یا نہ ملیں ہم
کون کہے گا پھر یہ فسانہ، بیٹھ بھی جاؤ، سن لو کوئی دم

وصل کی شیرینی میں پنہاں ہجر کی تلخی بھی ہے کم کم
تم سے ملنے کی بھی خوشی ہے، تم سے جدا ہونے کا بھی غم

حسن و عشق جدا ہوتے ہیں جانے کیا طوفان اُٹھے گا
حسن کی آنکھیں بھی ہیں پُرنم عشق کی آنکھیں بھی ہیں پُرنم

میری وفا تو نادانی تھی تم نے مگر یہ کیا ٹھانی تھی
کاش نہ کرتے مجھ سے محبت، کاش نہ ہوتا دل کا یہ عالم

پروانے کی خاک پریشاں شمع کی لو بھی لرزاں لرزاں
محفل کی محفل ہے ویراں، کون کرے اب کس کا ماتم

کچھ بھی ہو پر ان آنکھوں نے اکثر یہ عالم بھی دیکھا
عشق کی دنیا ناز سراپا، حسن کی دنیا عجزِ مجسم

شہد شکن ہونٹوں کی لرزش عشرتِ باقی کا گہوارہ
دائرۂ امکانِ تمنا نرم لچکتی باہوں کے خم

اپنے اپنے دل کے ہاتھوں دونوں ہی برباد ہوئے ہیں
میں ہوں اور وفا کا رونا، وہ ہیں اور جفا کا ماتم

ناکامی سی ناکامی ہے، محرومی سی محرومی ہے
دل کا منانا سعیِ مسلسل، ان کو بھلانا کوششِ پیہم

عہدِ وفا ہے اور بھی محکم، تیری جدائی کے میں قرباں
تیری جدائی کے میں قرباں، عہدِ وفا ہے اور بھی محکم

○

کچھ اس طرح سے نظر سے گزر گیا کوئی
کہ دل کو غم کا سزاوار کر گیا کوئی

دلِ ستم زدہ کو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں
خود اپنے حسن سے یوں بے خبر گیا کوئی

وہ ایک جلوۂ صد رنگ، اک ہجومِ بہار
نجانے کون تھا جانے کدھر گیا کوئی

نظر کہ تشنۂ دیدار تھی رہی محروم
نظر اٹھائی تو دل میں اُتر گیا کوئی

نگاہِ شوق کی محرومیوں سے ناواقف
نگاہِ شوق پہ الزام دھر گیا کوئی

اب اُن کے حسن میں حسنِ نظر بھی شامل ہے
کچھ اور میری نظر سے سنور گیا کوئی

کسی کے پاؤں کی آہٹ کہ دل کی دھڑکن تھی
ہزار بار اُٹھا سوئے در گیا کوئی

نصیبِ اہلِ وفا یہ سکونِ دل تو نہ تھا
ضرور نالۂ دل بے اثر گیا کوئی

اٹھا پھر آج مرے دل میں رشک کا طوفان
پھر اُن کی راہ سے با چشمِ تر گیا کوئی

یہ کہہ کے یاد کریں گے حفیظ دوست مجھے
وفا کی رسم کو پائندہ کر گیا کوئی

○

راز سربستہ محبت کے زباں تک پہنچے / بات بڑھ کر یہ خدا جانے کہاں تک پہنچے

کیا تصرف ہے ترے حسن کا اللہ اللہ / جلوے آنکھوں سے اُتر کر دل و جاں تک پہنچے

تری منزل پہ پہنچنا کوئی آسان نہ تھا / سرحدِ عقل سے گذرے تو یہاں تک پہنچے

حیرت عشق مری حسن کا آئینہ ہے / دیکھنے والے کہاں سے ہیں کہاں تک پہنچے

کھل گیا آج نگاہیں ہیں نگاہیں اپنی / جلوے ہی جلوے نظر آتے ہیں جہاں تک پہنچے

دل ہی اُس گوشۂ داماں کی حقیقت جانے / جو مرے دیدۂ خوننابہ فشاں تک پہنچے

ابتدا میں جنہیں ہم ننگِ وفا سمجھے تھے / ہوتے ہوتے وہ گلے حسنِ بیاں تک پہنچے

آہ وہ حرفِ تمنا کہ نہ لب تک آئے / ہائے وہ بات کہ اک اک کی زباں تک پہنچے

کس کا دل ہے کہ سُنے قصۂ فرقت میرا / کون ہے جو مرے اندوہِ نہاں تک پہنچے

خلش انگیز تھا کیا کیا تری مژگاں کا خیال / ٹوٹ کر دل میں یہ نشتر رگِ جاں تک پہنچے

نہ سنگِ نشاں کا نہ خبر ہے کسی کی / جستجو میں ترے دیوانے یہاں تک پہنچے

بے خبر رہِ منزل ہے نہ آوازِ جرس / کون مجھ رہروِ گم کردہ نشاں تک پہنچے

صاف توہین ہے یہ دردِ محبت کی حفیظ
حسن کا راز ہو اور میری زباں تک پہنچے

○

پھر سے آرائشِ ہستی کے جو ساماں ہوں گے
تیرے جلووں ہی سے آباد شبستاں ہوں گے

عشق کی منزلِ اوّل پہ ٹھہرنے والو!
اس سے آگے بھی کئی دشت و بیاباں ہوں گے

تو جہاں جائے گی غارت گرِ ہستی بن کر
ہم بھی اب ساتھ ترے گردشِ دوراں ہوں گے

کس قدر سخت ہے یہ ترکِ طلب کی منزل
اب کبھی ان سے ملے بھی تو پشیماں ہوں گے

تیرے جلووں سے جو محروم رہے ہیں اب تک
وہی آخر ترے جلووں کے نگہباں ہوں گے

اب تو مجبور ہیں پر حشر کا دن آنے دے
تجھ سے انصاف طلب ہو کے گریزاں ہوں گے

جب کبھی ہم نے کیا عشق پشیمان ہوئے
زندگی ہے تو ابھی اور پشیماں ہوں گے

کوئی بھی غم ہو غمِ دل کہ غمِ دہر حفیظ
ہم بہرحال بہر رنگ غزلخواں ہوں گے

محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے
تری محفل میں لیکن ہم نہ ہوں گے

میں اکثر سوچتا ہوں پھول کب تک
شریکِ گریۂ شبنم نہ ہوں گے

ذرا دیر آشنا چشمِ کرم ہے
ستم ہی عشق میں پیہم نہ ہوں گے

دلوں کی اُلجھنیں بڑھتی رہیں گی
اگر کچھ مشورے باہم نہ ہوں گے

زمانے بھر کے غم یا اک ترا غم
یہ غم ہوگا تو کتنے غم نہ ہوں گے

کہوں بے درد کیوں اہلِ جہاں کو
وہ میرے حال سے محرم نہ ہوں گے

ہمارے دل میں سیلِ گریہ ہوگا
اگر با دیدۂ پرنم نہ ہوں گے

اگر تو اتفاقاً مل بھی جائے
تری فرقت کے صدمے کم نہ ہوں گے

حفیظ اُن سے میں جتنا بدگماں ہوں
وہ مجھ سے اس قدر برہم نہ ہوں گے

کہاں کہاں نہ تصور نے دام پھیلائے
حدودِ شام و سحر سے نکل کے دیکھ آئے

نہیں پیام نہ نامہ و پیام تو ہے
ابھی صبا سے کہو اُن کے دل کو بہلائے

غرورِ جادہ شناسی بجا سہی لیکن
سراغِ منزلِ مقصود بھی کوئی پائے

خدا وہ دن نہ دکھائے کہ راہبر نہ ملے
چلے تھے جانے کہاں سے کہاں نکل آئے

گزر گیا کوئی درماندہ راہ یہ کہتا
اب اس فضا میں کوئی قافلے نہ ٹھہرائے

نجانے ان کے مقدر میں کیوں ہے تیرہ شبی
وہ ہم نوا جو سحر کو قریب تر لائے

کوئی فریبِ نظر ہے کہ تابناک فضا
کسے خبر کہ یہاں کتنے چاند گہنائے

غمِ زمانہ تری ظلمتیں ہی کیا کم تھیں
کہ بڑھ چلے ہیں اب اُن گیسوؤں کے بھی سائے

بہت بلند ہے اس سے مرا مقامِ غزل
اگرچہ میں نے محبت کے گیت بھی گائے

حفیظ اپنا مقدر، حفیظ اپنا نصیب
گرے تھے پھول مگر ہم نے زخم ہی کھائے

صوفی غلام مصطفےٰ تبسّم

شجر شجر نگراں ہے کلی کلی بیدار
نہ جانے کس کی نگاہوں کو ڈھونڈتی ہے بہار

کبھی فغاں بھی نشاط و طرب کا افسانہ
کبھی ہنسی بھی تڑپتے ہوئے دلوں کی پکار

نہ جانے کس کے نشانِ قدم سے ہیں محروم
کہ ایک عمر سے سوئے پڑے ہیں راہگزار

ہزار بار کسی چشمِ آشنا کے طفیل
اجڑ اجڑ کے بسے ہیں محبتوں کے دیار

عجیب حال ہے بے تابیٔ محبّت کا
شبِ وصال کی راحت میں ڈھونڈتی ہے قرار

یہ پاسِ حسن اور اس پر یہ تری خوئے حجاب
یہ سیلِ عشق اور اس پر نظر نظر کا شمار

ابھی چمن کو میسر نہیں ہے رنگِ چمن
بہار ڈھونڈ رہی ہے ابھی سراغِ بہار

ہے ان کی پرسشِ درد و الم میں بھی پنہاں
وہ اک کسک کہ سمجھتے نہیں جسے غمخوار

ہزار گردشِ شام و سحر سے گزرے ہیں
وہ قافلے جو تری رہگزر سے گزرے ہیں

ابھی ہوس کو میسّر نہیں دلوں کا گداز
ابھی یہ لوگ مقامِ نظر سے گزرے ہیں

ہر ایک نقش پہ تھا تیرے نقشِ پا کا گماں
قدم قدم پہ تری رہگزر سے گزرے ہیں

نہ جانے کون سی منزل پہ جا کے رک جائیں
نظر کے قافلے دیوار و در سے گزرے ہیں

رحیلِ شوق سے لرزاں تھا زندگی کا شعور
نہ جانے کس لئے ہم بے خبر سے گزرے ہیں

کچھ اور پھیل گئیں درد کی کٹھن راہیں
غمِ فراق کے مارے جدھر سے گزرے ہیں

جہاں سرور میسّر تھا جام و مے کے بغیر
وہ میکدے بھی ہماری نظر سے گزرے ہیں

یہ کیا کہ اک جہاں کو کرو وقفِ اضطراب
یہ کیا کہ ایک دل کو شکیبا نہ کر سکو

ایسا نہ ہو یہ درد بنے دردِ لازوال
ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کر سکو

شاید تمھیں بھی چین نہ آئے مرے بغیر
شاید یہ بات تم بھی گوارا نہ کر سکو

کیا جانے پھر ستم بھی میسر ہو یا نہ ہو
کیا جانے یہ کرم بھی کرو یا نہ کر سکو

اللہ کرے جہاں کو مری یاد بھول جائے
اللہ کرے کہ تم کبھی ایسا نہ کر سکو

میرے سوا کسی کی نہ ہو تم کو جستجو
میرے سوا کسی کی تمنا نہ کر سکو

وہ حسن کو جلوہ گر کریں گے
آرائشِ بام و در کریں گے

ہنس ہنس کے کریں گے چارہ سازی
سامانِ دل و نظر کریں گے

ہم بھی سرِ راہ منتظر ہیں
دیکھیں کب ادھر نظر کریں گے

افسانۂ غم طویل ہے دوست
اس بات کو مختصر کریں گے

ہے شامِ فراق سخت تاریک
اس شام کی اب سحر کریں گے

افسردہ ہیں زندگی سے تیور
کب تک یونہی ہم بسر کریں گے

آئے گا تبسم ان لبوں پر
آنسو بھی کبھی اثر کریں گے

○

نظریں ڈھل کے اُبھرتے ہیں دل کے افسانے
یہ اور بات ہے دنیا نظر نہ پہچانے

وہ بزم دیکھی ہے میری نگاہ نے کہ جہاں
بغیر شمع بھی جلتے رہے ہیں پروانے

یہ کیا بہار کا جوبن یہ کیا نشاط کا رنگ
فسردہ میکدے والے اُداس میخانے

مرے ندیم تری چشم التفات کی خیر
بگڑ بگڑ کے سنورنے لگے ہیں افسانے

یہ کس کی چشم فسوں ساز کا کرشمہ ہے
کہ ٹوٹ کر بھی سلامت ہیں دل کے پیمانے

نگاہِ ناز میں دل سوزیٔ نیاز کہاں
یہ آشنائے نظر ہیں دلوں سے بیگانے

○

یہ آج آئے ہیں کس اجنبی سے دیس میں ہم
تڑپ گئی ہے نظر چشم آشنا کے لئے

وہ ہاتھ جن سے تھا کل چاکِ دامنِ افلاک
وہ ہاتھ آج اٹھانے پڑے دعا کے لئے

یہ میں نے مانا جدائی مرا مقدر ہے
مگر یہ بات نہ منہ سے کہو خدا کے لئے

یہ راہرو تھے کبھی راہِ زندگی کا سراغ
یہ راہرو کہ بھٹکتے ہیں رہنما کے لئے

چراغ حسن حسرت

○

یارب غمِ ہجراں میں اتنا تو کیا ہوتا
جو ہاتھ جگر پر ہے وہ دستِ دعا ہوتا

اک عشق کا غم آفت اور اس پہ یہ دل آفت
یا غم نہ دیا ہوتا یا دل نہ دیا ہوتا

ناکامِ تمنا دل اس سوچ میں رہتا ہے
یوں ہوتا تو کیا ہوتا یوں ہوتا تو کیا ہوتا

امید تو بندھ جاتی تسکین تو ہو جاتی
وعدہ نہ وفا کرتے وعدہ تو کیا ہوتا

غیروں سے کہا تم نے غیروں سے سنا تم نے
کچھ ہم سے کہا ہوتا کچھ ہم سے سنا ہوتا

○

جب سے تیرا کرم ہے بندہ نواز
سوز ہے سوز اور نہ ساز ہے ساز

میں ہوں اور میری بے پر و بالی
دل ہے اور دل کی جرأتِ پرواز

حسن کی برہمی معاذ اللہ
گیسوؤں کے بکھرنے کا انداز

زلفِ برہم جھکی ہوئی نظریں
گردنِ ناز میں کمندِ نیاز

قدِ بالا و دامنِ کوتاہ
منزلِ عشق کے نشیب و فراز

اللہ اللہ فسونِ نغمۂ عشق
سارا عالم ہے گوش بر آواز

قطع ہونے لگا ہے رشتۂ زیست
اے غمِ یار تیری عمر دراز!

○

اس طرح کر گیا دل کو مرے ویراں کوئی
نہ تمنا کوئی باقی ہے نہ ارماں کوئی

ہر کلی میں ہے ترے حسنِ دل آرا کی نمود
اب کے دامن ہی بچے گا نہ گریباں کوئی

مے چکاں لب، نظر آوارہ، نگاہیں گستاخ
یوں مرے پہلو سے اٹھا ہے غزل خواں کوئی

زلف برہم ہے دلِ آشفتہ صبا آوارہ
خوابِ ہستی سا نہیں خوابِ پریشاں کوئی

نغمۂ درد سے ہو جاتا ہے عالم معمور
اس طرح چھیڑتا ہے تارِ رگِ جاں کوئی

○

محبت کس قدر یاس آفریں معلوم ہوتی ہے
ترے ہونٹوں کی ہر جنبش نہیں معلوم ہوتی ہے

یہ کس کے آستاں پر مجھ کو ذوقِ سجدہ لے آیا
کہ آج اپنی جبیں اپنی جبیں معلوم ہوتی ہے

محبت تیرے جلوے کتنے رنگا رنگ جلوے ہیں،
کہیں محسوس ہوتی ہے کہیں معلوم ہوتی ہے

جوانی مٹ گئی لیکن خلشِ دردِ محبت کی
جہاں معلوم ہوتی تھی وہیں معلوم ہوتی ہے

امیدِ وصل نے دھوکے دئے ہیں اس قدر حسرت
کہ اس کافر کی ہاں بھی اب نہیں معلوم ہوتی ہے

○

آؤ حسنِ یار کی باتیں کریں
زلف کی رخسار کی باتیں کریں

زلفِ عنبر بار کے قصے سنائیں
طرۂ طرار کی باتیں کریں

پھول برسائیں بساطِ عیش پر
روزِ وصلِ یار کی باتیں کریں

نقدِ جاں لے کر چلیں اس بزم میں
مصر کے بازار کی باتیں کریں

اُن کے کوچے میں جو گزری ہے کہیں
سایۂ دیوار کی باتیں کریں

آخری ساعت شبِ رخصت کی ہے
آؤ اب تو پیار کی باتیں کریں

○

دل بلا سے نثار ہو جائے
آپ کو اعتبار ہو جائے

قہر تو بار بار ہوتا ہے
لطف بھی ایک بار ہو جائے

زندگی چارہ سازِ غم نہ سہی
موت ہی غم گسار ہو جائے

یا خزاں جائے اور بہار آئے
یا خزاں ہی بہار ہو جائے

دل یہ مانا کہ اختیار نہیں
اور اگر اختیار ہو جائے

احسان دانش

○

عشق نے حسن کو تن ہی نہیں من بیچ دیا
مصلحت کرتی رہی لاکھ جتن بیچ دیا

عشق نے حسن کی اک نیم نگاہی کے عوض
تاج و اورنگِ سلاطینِ زمن بیچ دیا

آج کل بارگہِ حسن ہے اور اہلِ ہوس
عشق نے سلسلۂ دار و رسن بیچ دیا

ان تک آتی نہیں خورشید کے شعلوں کی کمند
جن دھندلکوں نے ستاروں کا کفن بیچ دیا

جورِ صیاد کی کس منہ سے شکایت کیجے
اس چمن نے بھی تو ہر وسعتِ چمن بیچ دیا

کوئی دیوانوں سے پوچھے یہ خموشی کیسی
کیا کہیں نعرۂ بت خانہ شکن بیچ دیا

صرف نغمے ہی نہیں لے بھی بدلنی ہو گی
باغبانوں نے سنا ہے کہ چمن بیچ دیا

وا اُٹھا آبلہ احسان بھر آئے آنسو
جب سنا ہے کسی فنکار نے فن بیچ دیا

○

اب کہو کارواں کدھر کو چلے
راستے کھو گئے چراغ جلے

آنسوؤں میں نہا گئیں خوشیاں
روٹھ کر جب وہ آ لگے ہیں گلے

کارواں میں شعورِ منزل تھا
آئی منزل تو سب نے ہاتھ ملے

عشق غم کو عبور کر نہ سکا
راستے کارواں کے ساتھ چلے

ہم پہ گزری ہیں ہجر کی راتیں
ہم جہنم میں تھے مگر نہ جلے

تھے محبت کی ابتدا کے تصور
وہ تبسم جو آنسوؤں میں ڈھلے

آشیانوں پہ ظلمتیں برسیں
برق کے جس قدر چراغ جلے

وقت کی قدر میکدے والو
رات ڈھلنے کو ہے شراب ڈھلے

نغمہ ہائے حیات گائے کون
ساز اُترے ہوئے ہیں خشک گلے

خاک سے سینکڑوں اُگے خورشید
ہے اندھیرا مگر چراغ تلے

چاند ساکت ہے رک گئے تارے
اب وہ آئیں تو غم کی رات ڈھلے

میکدے کا تو ذکر بھی ہے گناہ
اب حیاتِ حرم پڑی ہے گلے

پرسشِ حال کا جواب تھا کیا
ہنس پڑے ہم کہ جلد بات ٹلے

صبحِ نو کے گجر کو کیا معلوم
گھٹ گئے کتنے زمزموں کے گلے

جو ترے آستاں سے لوٹ آئے
جنتِ دو جہاں سے لوٹ آئے

بندگی کے مقام سے آگاہ
سرحدِ لامکاں سے لوٹ آئے

ماہ و انجم کے ساتھ تھے ہم بھی
ہم نگہ درمیاں سے لوٹ آئے

لگ گیا جی قفس میں جن جن کا
بارہا آشیاں سے لوٹ آئے

اب تو کعبے میں روشنی کر دو
اب تو کوئے بتاں سے لوٹ آئے

جن کو کچھ جہاں سے نسبت تھی
حلقۂ کہکشاں سے لوٹ آئے

آ رہی ہے اک آشنا آواز
بے خودی ہم کہاں سے لوٹ آئے

ہائے جو گردِ راہ ہیں اب تک
وائے جو کارواں سے لوٹ آئے

دیر و کعبہ ہے ان کے دیوانے
ناخوش اس سرگراں سے لوٹ آئے

کاش احساں وہ خلدِ رعنائی
ارضِ ہندوستاں سے لوٹ آئے

جب جوانی کی دھوپ ڈھلتی ہے — خود سری سر جھکا کے چلتی ہے
یاس ہے یا ان کے لطف کی امید — خلوتوں میں کرن مچلتی ہے

اُف وہ معذوریِ نگاہ کہ جب — زندگی بندگی میں ڈھلتی ہے
دل سلگتا نہ ہو بہاروں کا — اشکِ شبنم سے لو نکلتی ہے

لامکاں تک ہے اک عروسِ حیات — موت کے بھیس میں نکلتی ہے
تجربہ ہے کہ دشمنی اکثر — دوستی کے لہو سے پلتی ہے

ہوشیار اے وفا کے دیوانے — یہ وفا آنسوؤں میں ڈھلتی ہے
تھک گیا چاند سو چلے تارے — اب تو آؤ کہ رات ڈھلتی ہے

شامِ غم میں خیال ہے اُن کا — اور جنگل میں آگ جلتی ہے
یاس لے بیٹھتی ہے کشتی کو — آس ساحل پہ ہاتھ ملتی ہے

بعض اوقات دل کی دنیا بھی — آنکھ کے فیصلوں پہ چلتی ہے
مسجدوں میں سکوت کیا معنی — مے کدوں میں شراب ڈھلتی ہے

عشرتِ بے ثبات کی رو میں — جسم ہنستا ہے روح جلتی ہے

دورِ حاضر کی دوستی احسان
کس قدر جلد رخ بدلتی ہے

نظر فریب قضا کھا گئی تو کیا ہوگا
حیات موت سے ٹکرا گئی تو کیا ہوگا

بزعمِ ہوش تجلّی کی جستجو بے سود
جنوں کی زد پہ خرد آ گئی تو کیا ہوگا

نئی سحر کے بہت لوگ منتظر ہیں مگر
نئی سحر بھی جو کجلا گئی تو کیا ہوگا

نہ رہنماؤں کی مجلس میں لے چلو مجھ کو
میں بے ادب ہوں ہنسی آ گئی تو کیا ہوگا

غمِ حیات سے بے شک ہے خودکشی آساں
مگر جو موت بھی شرما گئی تو کیا ہوگا

شبابِ لالہ و گل کو پکارنے والو
خزاں سرشتِ بہار آ گئی تو کیا ہوگا

خوشی چھنی ہے تو غم کا بھی اعتماد نہ کر
جو روحِ غم سے بھی اکتا گئی تو کیا ہوگا

یہ فکر کر کہ ان آسودگی کے دھوکوں میں
تری خودی کو بھی موت آ گئی تو کیا ہوگا

وہ داستاں جو مصائب میں دفن ہے اب تک
زبانِ خلق پہ گر آ گئی تو کیا ہوگا

لرز رہے ہیں جس سے جگر کوہساروں کے
اگر وہ لہر یہاں آ گئی تو کیا ہوگا

وہ موت جس کی ہم احسان سن رہے ہیں خبر
رموزِ زیست بھی سمجھا گئی تو کیا ہوگا

پرسشِ غم کا شکریہ! کیا تجھے آگہی نہیں
تیرے بغیر زندگی درد ہے زندگی نہیں

دور تھا اک گزر گیا نشہ تھا اک اتر گیا
اب وہ مقام ہے جہاں شکوۂ بے رخی نہیں

تیرے سوا کرے پسند کیا تری کائنات میں
دونوں جہاں کی نعمتیں قیمتِ بندگی نہیں

عشرتِ خلد کے لئے زاہدِ کج نظر جھکے
مشربِ عشق میں تو یہ جرم ہے بندگی نہیں

لاکھ زمانہ ظلم ڈھائے، وقت نہ وہ خدا دکھائے
جب مجھے ہو یقیں کہ تو حاصلِ زندگی نہیں

دل کی شگفتگی کے ساتھ راحتِ میکدہ گئی
فرصتِ میکشی تو ہے حسرتِ میکشی نہیں

ایک وہ رات تھی کہ جب تھا مرے گھر وہ ماہتاب
ایک یہ رات ہے کہ اب چاند ہے چاندنی نہیں

زخم پہ زخم کھا کے جی اپنے لہو کے گھونٹ پی
آہ نہ کر لبوں کو سی عشق ہے دل لگی نہیں

دیکھ کے خشک و زرد پھول دل ہے کچھ اس طرح ملول
جیسے تری خزاں کے بعد دورِ بہار ہی نہیں

ساغر نظامی

○

دشت میں قیس نہیں، کوہ پہ فرہاد نہیں
ہے وہی عشق کی دنیا، مگر آباد نہیں

ڈھونڈنے کو تجھے او میرے نہ ملنے والے
وہ چلا ہے، جسے اپنا بھی پتہ یاد نہیں

روحِ بلبل نے خزاں بن کے اجاڑا گلشن
پھول کہتے رہے، ہم پھول ہیں، صیاد نہیں

حسن سے چوک ہوئی، اس کی ہے تاریخ گواہ
عشق سے بھول ہوئی ہو، یہ تجھے یاد نہیں

بربطِ ماہ پہ مضرابِ فغاں رکھ دی تھی
میں نے اک نغمہ سنایا تھا، تمہیں یاد نہیں

لاؤ! اک سجدہ کروں عالمِ بدمستی میں
لوگ، کہتے ہیں کہ ساغر کو خدا یاد نہیں

○

نغمے ہوا نے چھیڑے فطرت کی بانسری میں
پیدا ہوئیں زبانیں جنگل کی خامشی میں

اس وقت کی اداسی ہے دیکھنے کے قابل
جب کوئی رو رہا ہو افسردہ چاندنی میں

کچھ تو لطیف ہوتیں گھڑیاں مصیبتوں کی
تم ایک دن تو ملتے، دو دن کی زندگی میں

ہنگامۂ تبسم ہے تیری ہر خموشی
تم مسکرا رہے ہو دل کی شگفتگی میں

خالی پڑے ہوئے ہیں پھولوں کے سب صحیفے
رازِ چمن نہاں ہے کلیوں کی خامشی میں

نظروں میں، روح میں، دل میں سمائے جاتے ہیں
ہر ایک عالمِ امکاں پہ چھائے جاتے ہیں،

جو اٹھ سکے تھے نہ خود حسن کے اٹھائے سے
وہ پردہ ہائے دوئی اب اٹھائے جاتے ہیں

جو گر سکے تھے نہ خود عشق کے گرائے سے
وہ سب حجابِ محبت گرائے جاتے ہیں

چھپا چھپا کے جنہیں مصلحت نے رکھا تھا
وہ جلوے اب سرِ محفل دکھائے جاتے ہیں

سنبھل سنبھل کے نگہ شوق! بزمِ دوست ہے یہ
یہاں خراب نظر آزمائے جاتے ہیں

نہ پوچھ کارگہِ عشق کا طلسم نہ پوچھ
قدم قدم پہ تماشے دکھائے جاتے ہیں

پتہ نہیں کہ ہیں کون، ان کا اور ان کے دیوانے
تصورات کی محفل سجائے جاتے ہیں

کہاں کی لغزشِ پا اب یہ حال ہے ساقی
کہ رستے تا بہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

یہ میکدہ ہے، نرا مدرسہ نہیں واعظ!
یہاں شراب سے انسان بنائے جاتے ہیں

یہ قصرِ حسن ہے آتش کدہ محبت کا
بجائے شمع، یہاں دل جلائے جاتے ہیں

تمام عالمِ محسوس کانپ اٹھتا ہے
جب آنکھ سے کہیں آنسو بہائے جاتے ہیں

ہمارا حال تو دیکھا، ہمارا ظرف بھی دیکھ
نگاہ اٹھتی نہیں، غم اٹھائے جاتے ہیں

تلاش لازمۂ عاشقی نہیں ساغر
نہ ڈھونڈنے پہ بھی وہ ہم میں پائے جاتے ہیں

کافر گیسو والوں کی رات بسر یوں ہوتی ہے
حسن حفاظت کرتا ہے اور جوانی سوتی ہے

مجھ میں تجھ میں فرق نہیں، مجھ میں تجھ میں فرق ہے یہ
تو دنیا پہ ہنستا ہے، دنیا مجھ پہ روتی ہے،

اس معمورۂ غم سے ضبط ذرا ہشیار رہے
دل کی ہر گہرائی میں ایک اچھوتا موتی ہے

صبر و سکوں دو دریا ہیں، بھرتے بھرتے بھرتے ہیں
تسکیں دل کی بارش ہے، ہوتے ہوتے ہوتی ہے

جینے میں کیا راحت تھی، مرنے میں تکلیف ہے کیا
جب دنیا کیوں ہنستی تھی؟ اب دنیا کیوں روتی ہے؟

دل کی تو تشخیص ہوئی، چارہ گروں سے پوچھوں گا
دل جب دھک دھک کرتا ہے، وہ حالت کیا ہوتی ہے

ساون آئے، پھول کھلے، اک افسردہ بول اٹھا
جس میں دل کھل جاتے ہیں، وہ برکھا کب ہوتی ہے

ذرّے اور تارے مل کر جادو روز جگاتے ہیں
فطرت کی بیداری میں ساری دنیا سوتی ہے

رات کے آنسو سے ساغر پھولوں میں بھر جاتے ہیں
صبحِ چمن اس پانی سے کلیوں کا منہ دھوتی ہے

○

ساون کی رُت آ پہنچی، کالے بادل چھائیں گے
کلیاں رنگ میں بھیگیں گی، پھولوں میں رس آئیں گے

ہاں وہ ملنے آئیں گے، رحم بھی کچھ فرمائیں گے
حسن مگر بگڑے گا، پھر قاتل بن جائیں گے

تارے کھوئے دھندلکے میں، شام ہوئی، رات آ پہنچی
پریم کے سونے مندر میں آخر وہ کب آئیں گے

ہستی کی، بدمستی کیا ہے، ہستی خود اک مستی ہے
موت اسی دن آئے گی، ہوش میں جس دن آئیں گے

میری آنکھیں کچھ بھی نہیں، تیرے جلوے جلوے ہیں
تو جب سامنے آئیگا، پردے سے پڑ جائیں گے

تارے کتنے ہی جھلکیں، جگنو کتنے ہی چمکیں
شمع کی زردی کہتی ہے، رات گئے وہ آئیں گے

○

راتوں کو تصور ہے اُن کا اور چپکے چپکے رونا ہے
اے صبح کے تارے تو ہی بتا، انجام مرا کیا ہونا ہے

ان نرگس آنکھوں والوں کا کیا ہنسنا ہے، کیا رونا ہے
برسے ہوئے سچے موتی ہیں، بہتا ہوا خالص سونا ہے

دل کو کھویا، خود بھی کھوئے، دنیا کھوئی، دین بھی کھویا
یہ گم شدگی ہے تو اک دن اے دوست! تجھے بھی کھونا ہے

تمییز کمال و نقص اٹھا، یہ تو روشن ہے دنیا پہ
میں چندن ہوں تو کندن ہے، میں مٹی ہوں تو سونا ہے

تو یہ نہ سمجھ للہ! کہ ہے تسکین ترے دیوانوں کو
وحشت میں ہمارا ہنس پڑنا، در اصل ہمارا رونا ہے

مانا ہے مری آوازِ شکستہ سازِ دلِ صد پارہ کا
ساغر میرا نغمہ بھی دیپک کے سُروں میں رونا ہے

اختر انصاری

○

کسی سے لڑائیں نظر اور جھیلیں محبت کے غم اتنی فرصت کہاں
اٹھائیں کسی ماہ پیکر حسینہ کے جور و ستم اتنی فرصت کہاں

زمانے کی بے رحمیوں کے تصدق دماغِ نشاط و الم ہی نہیں
دل اپنا کرے آرزوئے جفا یا امیدِ کرم اتنی فرصت کہاں

ڈبو دیں مئے ناب کی مستیوں میں فلاکت کے نکبت کے احساس کو
بنالیں کسی عامیانہ سے کوزے ہی کو جامِ جم اتنی فرصت کہاں

ہوں آمادِ افکار لیکن تفکر میں ڈوبے ہوئے سے رہیں رات دن
طبیعت کی بے وجہ افسردگی کے مزے لوٹیں ہم اتنی فرصت کہاں

نہ ماضی ہمارا نہ مستقبل اپنا کچھ اس طور سے حرفِ امروز ہیں
غمِ دوش یا فکرِ فردا میں اختر کریں سر کو خم اتنی فرصت کہاں

○

کوئی مآلِ محبت مجھے بتاؤ نہیں
میں خواب دیکھ رہا ہوں مجھے جگاؤ نہیں

کسی کی یاد ہے ان کی مہک سے وابستہ
مجھے یہ پھول خدا کے لئے سنگھاؤ نہیں

محبت اور جوانی کے تذکرے نہ کرو
کسی ستائے ہوئے کو بہت ستاؤ نہیں

یہ کہہ رہا ہے محبت کی کاوشوں سے دل
یہ میرے ہنسنے کے دن ہیں مجھے رلاؤ نہیں

اُجڑ کے پھر نہیں بستا جہانِ دل اختر
بہارِ باغ کو اس پہ دلیل لاؤ نہیں

خزاں میں آگ لگاؤ بہار کے دن ہیں — نئے شگوفے کھلاؤ بہار کے دن ہیں

الٹ دو تختۂ خزاں کی تباہ کاری کا — بساطِ عیش بچھاؤ بہار کے دن ہیں

عذارِ گل کی دہک سے جلا کے کانٹوں کو — لگی دلوں کی بجھاؤ بہار کے دن ہیں

ملا کے قطرۂ شبنم میں رنگ و نکہتِ گل — کوئی شراب بناؤ بہار کے دن ہیں

بھرے کٹورے چمن کے یہ درس دیتے ہیں — چھلکتے جام لنڈھاؤ بہار کے دن ہیں

اب احتیاط پسندی ہے سعیِ ناشکور — متاعِ ضبط لٹاؤ بہار کے دن ہیں

شرارِ گل سے زمانے میں شعلے بھڑکا دو — حسین فتنے جگاؤ بہار کے دن ہیں

جنونِ شوق کی بے اعتدالیوں کے خلاف — کوئی دلیل نہ لاؤ بہار کے دن ہیں

پرانی شمعیں بجھا دیں صبا کے جھونکوں نے — نئے چراغ جلاؤ بہار کے دن ہیں

لچک رہی ہے وفورِ ثمر سے شاخِ حیات — یہ بار ہنس کے اٹھاؤ بہار کے دن ہیں

جنابِ اختر جاں دادۂ رخِ گل کو
امامِ وقت بناؤ بہار کے دن ہیں

صاف ظاہر ہے نگاہوں سے کہ ہم مرتے ہیں
منہ سے کہتے ہوئے یہ بات مگر ڈرتے ہیں

ایک تصویرِ محبت ہے جوانی — گویا
جس میں رنگوں کے عوض خونِ جگر بھرتے ہیں

عشرتِ رفتہ نے جا کر نہ کیا یاد ہمیں
عشرتِ رفتہ کو ہم یاد کیا کرتے ہیں

آسماں سے کبھی دیکھی نہ گئی، اپنی خوشی
اب یہ حالت ہے کہ ہم ہنستے ہوئے ڈرتے ہیں

شعر کہتے ہو بہت خوب تم اختر لیکن
اچھے شاعر یہ سنا ہے کہ جواں مرتے ہیں

○

بہار آتی زمانہ ہوا خدا باقی
ہمارے دل میں بھی اک لہر کاش آجاتی

ہوا بھی سرد ہے بھیگی ہے رات بھی لیکن
سلگ رہی ہے کسی آگ سے مری چھاتی

مرے پڑوس میں یہ ذکر ہے کئی دن سے
صدا جو آتی تھی رونے کی اب نہیں آتی

لگا کے سینے سے شادابیوں کو سو جاتا
مجھے بہارِ جوانی میں موت آجاتی

بجا رہا ہے کوئی رات میں ستار اختر
دھڑک رہی ہے مری آرزوؤں کی چھاتی

○

حلاوتیں نہ ہمیں مل سکیں تکلّم کی
سمیٹ لائے فقط بجلیاں تبسّم کی

متاعِ صبر کو اشکوں کی نذر کر بیٹھے
ہمارے پاس جو دولت تھی ہم نے یوں گم کی

اُڑا لی رونقِ گلزارِ دل کے زخموں نے
بہار چھین لی داغوں نے بزمِ انجم کی

مغنّیہ! یہ تری وجد بار موسیقی
ہے بازگشت مری رُوح کے ترنّم کی

خمارِ چشم سے پھوٹی لبوں تک آ پہنچی
لبوں سے چہرے پہ پھیلی ضیا تبسّم کی

پلا رہی ہیں نظر کو شرابِ دل افروز
یہ رُخ پہ بکھری ہوئی مستیاں تکلّم کی

ہم اس اُداس خموشی پہ مرتے ہیں اختر
نثار جس پہ ہیں رعنائیاں تکلّم کی

شاد عارفی

○

یہ قولِ غالب ہوا کیا ہے "جو حشر دہقان کے لہو کا"
نشیمنوں سے وہی تعلق ہے آج کل "نظمِ شعلہ خو" کا

ہجومِ حرماں میں کوئی موقع نہیں مغنّیِ خوش گلو کا
نصیبں مبارک۔ مگر مرے ہاں نہیں ہے مصرف خم و سبو کا

وہاں بہاروں سے باغبانوں کی سازشیں بار ور نہ ہوں گی
جہاں خزاں نے اٹھا دیا ہو سوال کانٹوں کی آبرو کا

یہ اگلے وقتوں کے رہنما۔ ان کی مصلحت پر نگاہ رکھئے
پٹے ہوئے راستوں پہ چل کر فریب دیتے ہیں جستجو کا

ہم ان کے وعدوں پہ ٹوپیاں کیوں اچھال دیں جو پٹے سیاست
ہوا کے جھونکے قدم کی آہٹ پہ رخ بدلتے ہیں گفتگو کا

کسی کے ظاہر سے اُس کے باطن پہ جائزہ بھی سہل نہیں ہے
شراب کی تلخیوں سے پہلے سوال آتا ہے رنگ و بو کا

چمن میں پودوں کے سوکھ جانے کی شکوہ سنجی کو طنز کہہ کر
کہاں لکھا ہے گلا دبا دیجئے عندلیبانِ خوش گلو کا

جو بِن بلائے تمہاری محفل میں آئے ہیں اُن کو کیا کہوں میں
وہ اس میں عزّت سمجھ رہے ہیں تو ایسی عزّت پہ میں نے تھوکا

جہانِ شعر تو شاد ان دشمنوں سے دامن بچا چلے ہیں
مگر ضعیفوں میں اب بھی چرچا ہے چاک دامانی و رفو کا

○

بنا پائی نہ ذرّے کو نگینا
تو پھر مصرف ترا اے چشمِ بینا

سرہانے کوئی رکھ جاتا ہے مینا
خدا کا نام لینا اور پینا

نظر ہے اور تماشائے بد و نیک
بری اچھی سبھی پڑتی ہے پینا

پسیجا ہے بتوں کا دل ہمیں پہ
یہیں پتھر کو آیا ہے پسینا

نگینہ ہے دلِ بربادِ الفت
مگر جو ٹوٹ جائے وہ نگینا

حجاب آلودہ رخسارِ جوانی
دیا پھولوں کو شبنم نے پسینا

جہاں اندھے ادب کے پاسباں ہوں
وہاں کیا "عرضِ جوہر" کا قرینا

کہاں ہیں تجربہ کارانِ خلوت
دھڑکتا ہے مرا دل اس کا سینا

مرا مسلک ہے صلح و آشتی شاد
کمینہ ہے جو رکھے مجھ سے کینا

○

...ں کہ آگ لگانے کی بات کرتا ہوں
سمجھ سکو تو ٹھکانے کی بات کرتا ہوں
...ر کو نشیمن جلانے کی بات کرتا ہوں
یہ قافلوں کو جگانے کی بات کرتا ہوں
...ش روش پہ بچھا دو ببول کے کانٹے
چمن سے لطف اُٹھانے کی بات کرتا ہوں
...باغباں جو پودوں سے بَیر رکھتا ہے
یہ آپ ہی کے زمانے کی بات کرتا ہوں
...ب سرخ کی موجوں سے مدعا ہوگا
کہیں خون بہانے کی بات کرتا ہوں
...صرف اپنے لئے جام کر رہے ہیں طلب
میں ہر کسی کو پلانے کی بات کرتا ہوں
...ں چراغ تلے لوٹ ہے اندھیرا ہے
کہاں چراغ جلانے کی بات کرتا ہوں
...انجمن سے اُٹھا ہوں کھری کھری کہہ کر
پھر انجمن میں نہ آنے کی بات کرتا ہوں
...ی زباں سے گزارش ہے ناگوار اگر
تو کیا سوال اُٹھانے کی بات کرتا ہوں
...ب ہوئے زمانہ نہ اُٹھ سکے گی کہیں
گلوں سے اوس اُٹھانے کی بات کرتا ہوں
رُکے ہوؤں کو نئی فکر دے رہا ہوں شاد
منجھے ہوؤں کو سکھانے کی بات کرتا ہوں

○

موج کو آپ کنارا سمجھیں
ہم کو اس باب میں ہارا سمجھیں
آئیے خون کو پارا سمجھیں
وہ سمجھتے ہیں اشارا سمجھیں
بے اصولی کو وہ پیارا سمجھیں
بزم سے مجھ کو سدھارا سمجھیں
یہ سمجھنا کوئی توہین نہیں
غلطی کرکے دوبارا سمجھیں
غالباً یہ تو نہ ممکن ہوگا
ہم تباہی کو نظارا سمجھیں
ہو کے آزاد ہوا اندازہ
جیتنے والے کو ہارا سمجھیں
فرصتِ عشق میسر ہی کہاں
اب کسے عشق کا مارا سمجھیں
اس سے پہلے کہ اُجڑ جائے چمن
باغبانوں کو خدارا سمجھیں
حکم یہ ہے ستم آرا نہ کہیں
اور دل میں ستم آرا سمجھیں
آ گیا وقت کہ وہ گھبرا کر
پھول کو سرخ ستارا سمجھیں
واسطہ اُن سے پڑا ہے اے شاد
نفع سوچیں نہ خسارا سمجھیں

○

اپنی تقدیر کو پیٹے جو پریشاں ہے کوئی
آپ کے بس میں ہے علاجِ غمِ دوراں ہے کوئی

ٹوکئے اس کو جو اس وقت غزل خواں ہے کوئی
جیل میں عشق لڑانے کا بھی امکاں ہے کوئی

اپنی مرضی سے تو اُگتے نہیں خود رو پودے
ہم غریبوں کا بہر حال نگہباں ہے کوئی

زرد چہروں نے تبسّم کو کیا ہے رُسوا
ورنہ ظاہر بھی نہ ہوتا کہ پریشاں ہے کوئی

گُلِ رخسار فسردہ۔ نہ جبیں عرق آلودہ
آپ کس طرح یہ کہتے ہیں پشیماں ہے کوئی

جاپ سن کر جو ہٹا دی تھی، اُٹھا لا ساقی
شیخ صاحب ہیں، میں سمجھا تھا مسلماں ہے کوئی

حرص، دربان کو آقا کا مصاحب مانی
"صبر" آقا کو سمجھتا ہے کہ درباں ہے کوئی

ضبطِ اظہارِ وفا کوئی بری بات نہیں
ضبطِ بہتانِ خطا، سہل ہے، آساں ہے کوئی

مجھ سے کافر کے یہاں شاؔد مکمل سرقہ
عصرِ شہر بڑا صاحبِ ایماں ہے کوئی

○

یہ سجدہ ہے کہ تجدیدِ وفا ہے
اسے اللہ بہتر جانتا ہے

تمھیں رہبر سمجھنا پڑ گیا ہے
ہماری بیکسی کی انتہا ہے

ہماری جراَتوں پر وہ ہنسا ہے
ہنسا۔ لیکن پسینہ آ گیا ہے

میں اپنے لفظ واپس لے رہا ہوں
یہ رہزن تھا۔ میں سمجھا رہنما ہے

برابر ہیں فغانِ درد و نغمہ
یہ آزادی نہیں تو اور کیا ہے

بہرحالت بتوں کو پوجتے ہیں
بہرصورت ہمارا بھی خدا ہے

یہی ہے شاؔد میں سب سے بڑا عیب
وہی لکھتا ہے جو کچھ دیکھتا ہے

نہال سیوہاروی

○

نشیمن جہاں خاک بسر یاد تو ہوگا
وہ اپنی نگاہوں کا اثر یاد تو ہوگا

وہ ہجوم زمانے میں مرے جوشِ جنوں کی
وہ غلغلۂ شام و سحر یاد تو ہوگا

بھولے تو نہ ہوگے وہ تجلی کی حکایت
وہ تذکرۂ داغِ جگر یاد تو ہوگا

وہ ہائے وہ حسن کی پُر ہوش نگاہیں
وہ عشق کا بدمست سفر یاد تو ہوگا

وہ دنیائے محبت میں تغیر
ہر سانس میں وہ رنگِ دگر یاد تو ہوگا

وہ دن کو ترے حسن خود آرا سے تعلق
وہ خاک سے پیمانِ نظر یاد تو ہوگا

وہ کار گہہ دہر سے اک بے خبری سی
وہ طعنۂ ہر اہلِ خبر یاد تو ہوگا

وہ دیدہ کہ تھا رونقِ آرائشِ گیتی
پہروں طرفِ راہگزر یاد تو ہوگا

وہ حسن کے جذبات کا بھرپور تلاطم
طوفان کی موجوں میں گذر یاد تو ہوگا

گزرا وہ سکوں پا کے مجھے اپنی گلی میں
کہنا وہ تجاہل سے کدھر یاد تو ہوگا

بھولی تو نہ ہوگی مری الفت کی حقیقت
مدت کا فسانہ ہے مگر یاد تو ہوگا

○

ہے کدھر وہ سلسلۂ کرم ہے کہاں وہ ساقیِ نیک خو
کہ جہانِ میکدہ تشنگی سے پکارتا ہے سبو سبو

ہوں ازل سے راہروِ طلب یہ ندائے غیب ہے روز و شب
ابھی اور چل ابھی اور چل، یہی جستجو یہی جستجو

تری حکمتوں کی خبر کہاں جو ہو پردہ در وہ نظر کہاں
ہیں ہزار ناظرِ گلستاں نہیں ایک محرمِ رنگ و بو

ہوں حدیں تمام خیال کی نہ ہو شرح تیرے جمال کی
جو ازل سے تا بہ ابد رہے یہی تذکرہ یہی گفتگو

مری چار دن کی یہ زندگی اسی ذوق و شوق میں کٹ گئی
کبھی یہ حکایتِ آرزو، کبھی وہ حکایتِ آرزو

ترا جلوہ رونقِ بحر و بر تو ہر ایک خوب سے خوب تر
کبھی اپنی سمت نگاہ کر کہ فروغِ بزمِ جہاں ہے تو

ترے ولولے ہیں اگر جواں ہو بہ رنگِ سیل رواں دواں
کہ ہے ننگِ ہمتِ آدمی روشِ قناعتِ آبِ جو

ستمِ زمانہ سے تجھ کو دم نہیں فدائے لذتِ ہر الم
تجھے آشیاں کی تلاش ہے مجھے بجلیوں کی ہے جستجو

۱

○

دھوم کہنا ہے یہ عالم جسے طوفانوں کی
ایک ہلکی سی تڑپ ہے مرے ارمانوں کی

یہی بے لوث محبت یہی غمخواریٔ خلق
اور معراج کسے کہتے ہیں انسانوں کی

اے مری ہمتِ مردانہ تری عمر دراز
توڑ ڈالی ہے کلائی کئی طوفانوں کی

آج کچھ لوگ وہاں جمع تھے باچشمِ پُرآب
کل جو دنیا تھی چھلکتے ہوئے پیمانوں کی

کس قدر عام ہے اس دہر میں احساسِ حیات
رگِ ہر سنگ میں اک لہر ہے طوفانوں کی

نام ہے کیا اسی ہنگامے کا آغازِ شباب
ایک آندھی سی چلی آتی ہے ارمانوں کی

بات کب سنتے ہیں دنیا کی ترے دیوانے
نہ سنے بات یہ دنیا ترے دیوانوں کی

جس قدر عشق سے ہوتی ہے فزوں وسعتِ فکر
عقل رکھتی ہے بنائیں نئے زندانوں کی

اپنی موت اپنی تباہی کی طرف کیا دیکھیں
کہ نگاہیں طرفِ شمع ہیں پروانوں کی

ہوگئی عمر بہاروں کے تصور میں تمام
سیر کرتے رہے نادیدہ گلستانوں کی

ماسوا اس کے نہیں اور کچھ افسانۂ ہند
ایک تاریخ ہے اجڑے ہوئے کاشانوں کی

○

جبھی تو ہے گرمِ تلاشِ اثر فغاں کے لئے
فغاں ہے سینۂ سوزاں کے امتحاں کے لئے

اڑا لیے ہیں کچھ اربابِ گلستاں نے تو کیا
ہزار شیوۂ نو ہیں مری فغاں کے لئے

زمینِ کوچۂ جاناں سے آ رہی ہے صدا
بلندیاں نہیں مخصوص آسماں کے لئے

ہے ختم حوصلہ مندی وجودِ آدم پہ
ستیزہ کار ہے رفعِ غمِ جہاں کے لئے

چمن کی سرد ہواؤں نے دی مجھے تسکین
میں دل گرفتہ ہوا جب سکونِ جاں کے لئے

الٰہی محفلِ انجم میں جلوہ گر ہے کون
یہ چاندنی نے کیا کھیت کس جہاں کے لئے

ہے سخت بے ادبی گر کہے فسانۂ عشق
ہر ایک بات مناسب نہیں زباں کے لئے

اندھیری رات، تھکی ہمتیں، کڑی منزل
سلامتی کی دعا مانگ کارواں کے لئے

سجائی فکرِ درخشاں نے میری بزمِ نجوم
تھی منتظر جو زمیں نازِ آسماں کے لئے

بہار کا روپ بھی نگاہوں میں اک فریبِ بہار سا ہے
حیات میں دلکشی نہیں ہے حیات میں انتشار سا ہے

زمانہ کیا دیکھیے دکھائے، نہ جانے کیا انقلاب آئے
فلک کے تیور ہیں خشمگیں سے زمیں کے دل میں غبار سا ہے

کمالِ دیوانگی تو یہ ہے، رہے نہ احساسِ جیب و دامن
اگر ہے احساسِ جیب و دامن تو پھر جنوں ہوشیار سا ہے

کچھ آج ایسی ہی جی پہ گزری، دبی ہوئی تھی جو چوٹ ابھری
جسے سنبھالے ہوا تھا دل میں وہ نالہ بے اختیار سا ہے

ابھی امیدِ وفا نہ توڑو، سیاستِ دلبری نہ چھوڑو
کبھی جو فردوسِ رنگ و بو تھا وہ ایک اجڑا دیار سا ہے

نہالؔ کو بے پیے ہے مستی، ہے مفت الزامِ مے پرستی
ہے عام اس شہر میں روایت یہ شخص کچھ بادہ خوار سا ہے

زندگی زہر کا اک جام ہوئی جاتی ہے   کیا سے کیا یہ مئے گلفام ہوئی جاتی ہے
کچھ گذاری ہے غمِ عشق و محبت میں حیات   کچھ بسرِ غمِ ایام ہوئی جاتی ہے
ہوتا جاتا ہے یہ عالم ہمہ تن عالمِ درد   خلشِ غم، خلشِ عام ہوئی جاتی ہے
آچلا پیرِ مغاں وقتِ چراغانِ حیات   زرد ہے مہرِ مبیں شام ہوئی جاتی ہے
ہوسِ سیر و تماشا ہے کہ ہوتی نہیں ختم   زندگی ہے کہ سبک گام ہوئی جاتی ہے
کن حقائق پہ نظر اب ہے کہ یہ بزمِ وجود   اک صنم خانۂ اوہام ہوئی جاتی ہے
صحبتِ پیرِ مغاں میں یہ کھلی عظمتِ عشق   عقل بھی دُردِ تہِ جام ہوئی جاتی ہے
المدد! المدد اے نیرِ اقبال و عروج   تیرہ بختوں کی سحر شام ہوئی جاتی ہے
العجب! العجب اے ہمتِ مردانہ کہ تو   شاکیِ گردشِ ایام ہوئی جاتی ہے
تم جو آئے ہو تو شکلِ در و دیوار ہے اور   کتنی رنگین مری شام ہوئی جاتی ہے

کیوں نہ وجد آئے تری نکتہ طرازی پہ نہالؔ
غزل اک نغمۂ الہام ہوئی جاتی ہے

اسرار الحق مجاز

شوق کے ہاتھوں اے دلِ مضطر کیا ہونا ہے کیا ہوگا
عشق تو رسوا ہو ہی چکا ہے حسن بھی کیا رسوا ہوگا

حسن کی بزمِ خاص میں جا کر اس سے زیادہ کیا ہوگا
کوئی نیا پیماں باندھیں گے کوئی نیا وعدہ ہوگا

چارہ گری سر آنکھوں پر اس چارہ گری سے کیا حاصل
درد کی اپنی آپ دوا ہے تم سے اچھا کیا ہوگا

واعظِ سادہ لوح سے کہہ دو چھوڑے عقبیٰ کی باتیں
اس دنیا میں کیا رکھا ہے اس دنیا میں کیا ہوگا

مری وفا کا ترا لطف بھی جواب نہیں
مرے شباب کی قیمت ترا شباب نہیں

یہ ماہتاب نہیں ہے کہ آفتاب نہیں
سبھی ہے حسن مگر عشق کا جواب نہیں

مری نگاہ میں جلوے ہیں جلوے ہی جلوے
یہاں حجاب نہیں ہے یہاں نقاب نہیں

جنوں بھی حد سے سوا شوق بھی ہے حد سے سوا
یہ بات کیا ہے کہ میں موردِ عتاب نہیں

یہاں تو حسن کا دل بھی ہے غم سے صد پارہ
میں کامیاب نہیں وہ بھی کامیاب نہیں

یہاں تو رات کی بیداریاں مسلّم ہیں
مگر وہاں بھی حسین انکھڑیوں میں خواب نہیں

نہ پوچھئے مری دنیا کو میری دنیا میں
خود آفتاب بھی ذرہ ہے آفتاب نہیں

سبھی ہیں میکدۂ دہر میں خرد والے
کوئی خراب نہیں ہے کوئی خراب نہیں

مجازؔ کس کو میں سمجھاؤں کوئی کیا سمجھے
کہ کامیابِ محبت بھی کامیاب نہیں

○

بربادِ تمنّا پہ عتاب اور زیادہ
ہاں میری محبت کا جواب اور زیادہ

روئیں نہ ابھی اہلِ نظر حال پہ میرے
ہونا ہے ابھی مجھ کو خراب اور زیادہ

آوارہ و مجنوں ہی پہ موقوف نہیں کچھ
ملنے ہیں ابھی مجھ کو خطاب اور زیادہ

اُٹھیں گے ابھی اور بھی طوفاں مرے دل سے
دیکھوں گا ابھی عشق کے خواب اور زیادہ

ٹپکے گا لہو اور مرے دیدۂ تر سے
دھڑکے گا دلِ خانہ خراب اور زیادہ

ہو گی مری باتوں سے انھیں اور بھی حیرت
آئے گا انھیں مجھ سے حجاب اور زیادہ

اے مطربِ بیباک کوئی اور بھی نغمہ
اے ساقیِ فیاض شراب اور زیادہ

○

کچھ تجھ کو خبر ہے ہم کیا کیا اے شورشِ دوراں بھول گئے
وہ زلفِ پریشاں بھول گئے وہ دیدۂ گریاں بھول گئے

اے شوقِ نظارہ کیا کہیے نظروں میں کوئی صورت ہی نہیں
اے ذوقِ تصور کیا کیجے ہم صورتِ جاناں بھول گئے

اب گل سے نظر ملتی ہی نہیں اب دل کی کلی کھلتی ہی نہیں
اے فصلِ بہاراں رخصت ہو ہم لطفِ بہاراں بھول گئے

سب کا تو مداوا کر ڈالا اپنا ہی مداوا کر نہ سکے
سب کے تو گریباں سی ڈالے اپنا ہی گریباں بھول گئے

یہ اپنی وفا کا عالم ہے اب ان کی جفا کو کیا کہیے
اک نشترِ زہر آگیں رکھ کر نزدیکِ رگِ جاں بھول گئے

تسکینِ دلِ محزوں نہ ہوئی وہ سعیِ کرم فرما بھی گئے
اس سعیِ کرم کو کیا کہیے بہلا بھی گئے تڑپا بھی گئے

ہم عرضِ وفا بھی کر نہ سکے کچھ کہہ نہ سکے کچھ سن نہ سکے
یاں ہم نے زباں ہی کھولی تھی واں آنکھ جھکی شرما بھی گئے

آشفتگیِ وحشت کی قسم حیرت کی قسم حسرت کی قسم
اب آپ کہیں کچھ یا نہ کہیں ہم رازِ تبسم پا بھی گئے

رودادِ غمِ الفت ان سے ہم کیا کہتے کیوں کر کہتے
ایک حرف نہ نکلا ہونٹوں سے اور آنکھ میں آنسو آ بھی گئے

اربابِ جنوں پہ فرقت میں اب کیا کہیے کیا کیا گزری
آئے تھے سوادِ الفت میں کچھ کھو بھی گئے کچھ پا بھی گئے

یہ رنگِ بہارِ عالم ہے کیوں فکر ہے تجھ کو اے ساقی
محفل تو تری سونی نہ ہوئی کچھ اٹھ بھی گئے کچھ آ بھی گئے

اس محفلِ کیف و مستی میں اس انجمنِ عرفانی میں
سب جام بکف بیٹھے ہی رہے ہم پی بھی گئے چھلکا بھی گئے

جنونِ شوق اب بھی کم نہیں ہے
مگر وہ آج بھی برہم نہیں ہے

بہت مشکل ہے دنیا کا سنورنا
تری زلفوں کا پیچ و خم نہیں ہے

بہت کچھ اور بھی ہے اس جہاں میں
یہ دنیا محض غم ہی غم نہیں ہے

تقاضے کیوں کروں پیہم نہ ساقی
کسے یاں فکرِ بیش و کم نہیں ہے

مری بربادیوں کا ہم نشینو!
تمہیں کیا خود مجھے بھی غم نہیں ہے

ابھی بزمِ طرب سے کیا اٹھوں میں
ابھی تو آنکھ بھی پُر نم نہیں ہے

بایں سیلِ غم و سیلِ حوادث
مرا سر ہے کہ اب بھی خم نہیں ہے

مجاز اک بادہ کش تو ہے یقیناً
جو ہم سنتے تھے وہ عالم نہیں ہے

معین احسن جذبی

○

شریکِ محفلِ دار و رسن کچھ اور بھی ہیں
ستمگرو ابھی اہلِ کفن کچھ اور بھی ہیں

رواں دواں یوں ہی اے ننھی بوندیوں کے ابر
کہ اِن دیار میں اُجڑے چمن کچھ اور بھی ہیں

خدا کرے نہ تھکیں حشر تک جنوں کے پاؤں
ابھی منازلِ دشت و دمن کچھ اور بھی ہیں

خدا کرے مری واماندگی کو غیرت آئے
ابھی منازلِ رنج و محن کچھ اور بھی ہیں

ابھی سموم نے مانی کہاں نسیم سے ہار
ابھی تو معرکہ ہائے چمن کچھ اور بھی ہیں

ابھی تو ہیں دلِ شاعر میں سینکڑوں ناسور
ابھی تو معجزہ ہائے سخن کچھ اور بھی ہیں

دلِ گداز نے آنکھوں کو دے دئیے آنسو
یہ جانتے ہوئے غم کے چلن کچھ اور بھی ہیں

○

ہم دہر کے اس ویرانے میں جو کچھ بھی نظارا کرتے ہیں
اشکوں کی زباں میں کہتے ہیں آہوں میں اشارا کرتے ہیں

کیا تجھ کو پتہ کیا تجھ کو خبر دن رات خیالوں میں اپنے
اے کاکلِ گیتی ہم تجھ کو جس طرح سنوارا کرتے ہیں

اے موجِ بلا ان کو بھی ذرا دو چار تھپیڑے ہلکے سے
کچھ لوگ ابھی تک ساحل سے طوفاں کا نظارا کرتے ہیں

کیا جانئے کب یہ پاپ کٹے کیا جانئے وہ دن کب آئے
جس دن کے لیے ہم اے جذبی! کیا کچھ نہ گوارا کرتے ہیں

بیتے ہوئے دنوں کی حلاوت کہاں سے لائیں
اک میٹھے میٹھے درد کی راحت کہاں سے لائیں

ڈھونڈھیں کہاں وہ نالۂ شب تاب کا جمال
آہِ سحر گہی کی صباحت کہاں سے لائیں

سمجھائیں کیسے دل کی نزاکت کا ماجرا
خاموشیٔ نظر کی خطابت کہاں سے لائیں

ترکِ تعلقات کا ہو جس سے احتمال
بے باکیوں میں اتنی صداقت کہاں سے لائیں

افسردگیٔ ضبطِ الم آج بھی سہی —
لیکن نشاطِ ضبطِ مسرت کہاں سے لائیں

ہر فتح کے غرور میں بے وجہ بے سبب
احساسِ انفعالِ ہزیمت کہاں سے لائیں

آسودگیٔ لطف و عنایت کے ساتھ ساتھ
دل میں دبی دبی سی قیامت کہاں سے لائیں

وہ جوشِ اضطراب پہ کچھ سوچنے کے بعد
حیرت کہاں سے لائیں ندامت کہاں سے لائیں

ہر لحظہ تازہ تازہ بلاؤں کا سامنا
ناآزمودہ کار کی جرأت کہاں سے لائیں

ہے آج بھی نگاہِ محبت کی آرزو
پر ایسی نگاہ کی قیمت کہاں سے لائیں

سب کچھ نصیب ہو بھی تو اے شورشِ حیات
تجھ سے نظر چرانے کی عادت کہاں سے لائیں

ملے مجھ کو غم سے فرصت تو سناؤں وہ فسانہ
کہ ٹپک پڑے نظر سے مئے عشرتِ شبانہ

یہی زندگی مصیبت، یہی زندگی مسرت
یہی زندگی حقیقت، یہی زندگی فسانہ

کبھی درد کی تمنا کبھی کوششِ مداوا
کبھی بجلیوں کی خواہش، کبھی فکرِ آشیانہ

مرے قہقہوں کی زد پر کبھی گردشیں جہاں کی
مرے آنسوؤں کی رو میں کبھی تلخیٔ زمانہ

مری رفعتوں سے لرزاں کبھی مہر و ماہ و انجم
مری پستیوں سے خائف کبھی اوجِ خسروانہ

کبھی میں ہوں تجھ سے نالاں کبھی مجھ سے تو پریشاں
کبھی میں ترا ہدف ہوں کبھی تو مرا نشانہ

جسے پا سکا نہ زاہد جسے چھو سکا نہ صوفی
وہی تار چھیڑتا ہے مرا سوزِ شاعرانہ

○

مرنے کی دعائیں کیوں مانگوں جینے کی تمنا کون کرے
یہ دنیا ہو یا وہ دنیا اب خواہشِ دنیا کون کرے

جب کشتی ثابت و سالم تھی ساحل کی تمنا کس کو تھی
اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنا کون کرے

جو آگ لگائی تھی تم نے اس کو تو بجھایا اشکوں نے
جو اشکوں نے بھڑکائی ہے اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے

دنیا نے ہمیں چھوڑا جذبیؔ ہم چھوڑ نہ دیں کیوں دنیا کو
دنیا کو سمجھ کر بیٹھے ہیں اب دنیا دنیا کون کرے

○

جسے آج نغمہ سمجھتی ہے دنیا
وہی نغمہ کل تک فغاں ہو نہ جائے

جسے سازِ دوراں پہ گانا نہ آیا
وہ مطرب کہیں نوحہ خواں ہو نہ جائے

بجا کہ جسے رکھ لیا ہے جبیں میں
وہ سجدہ بھی نذرِ بتاں ہو نہ جائے

نہ کلیاں ہی چٹکیں نہ تارے ہی چمکیں
مرا غم غمِ دو جہاں ہو نہ جائے

احمد ندیم قاسمی

○

افق نہاں ہے تو حدِ نظر کا ذکر کریں
ستارے ڈوب رہے ہیں سحر کا ذکر کریں

فضا کا ذکر کریں بحر و بر کا ذکر کریں
بہت بلند ہے فردوس۔ گھر کا ذکر کریں

صدف کو سامنے پا کر گہر کا ذکر کریں
نظر کے ساتھ ہی حسنِ نظر کا ذکر کریں

خزاں کو بوئے گل و نسترن سے چھلکا دیں
اگر بہار نہیں برگ و بر کا ذکر کریں

ہمیں تو عظمتِ انساں کو آزمانا ہے
حضورِ فلسفۂ خیر و شر کا ذکر کریں

فرار کا یہ نیا روپ ہے اگر ہم لوگ
چراغ توڑ کے نورِ قمر کا ذکر کریں

ستارے کون چنے گا بدستِ زخم آلود
چلو غبارِ سرِ رہگزر کا ذکر کریں

اگر نہایتِ بیچارگی ہے چارہ گری
تو کس امید پہ زخمِ جگر کا ذکر کریں

تمام عمر کٹے، چاک دامنی کے گلے
بعزمِ بخیہ گری بخیہ گر کا ذکر کریں

مرے ندیم مری ذات کو سمجھ کر آپ
مرے کلام کے نقص و اثر کا ذکر کریں

○

مرے سبو میں مری زیست کا لہو تو نہیں
کہیں مزاجِ زمانہ بہانہ جو تو نہیں

ندی کی رو میں رواں ہے جو ایک برگِ گلاب
کہیں شباب کا ایوانِ رنگ و بو تو نہیں

مچل مچل کے ابھرتی ہے جب چراغ کی لو
میں سوچتا ہوں کہ ان لرزشوں میں تُو تو نہیں

یہ سب درست شبِ ہجر کی سحر تو ہوئی
مگر شفق میں مرا خونِ آرزو تو نہیں

افق کی سمت تو قرنوں سے چل رہا ہوں ندیم
کہیں یہ راہنما مجھ سا یاوہ جو تو نہیں

میں کب سے گوش بر آواز ہوں پکارو بھی
زمیں پر یہ ستارے کبھی اُتارو بھی

مری غیور اُمنگو شباب فانی ہے
غرورِ عشق کا دیرینہ کھیل ہارو بھی

سفینہ محوِ سفر ہو تو نارسیدہ نہیں
قدم قدم پہ کنارے ہیں تم سدھارو بھی

مرے خطوط پہ جمنے لگی ہے گردِ حیات
اُداس نقش گرو اب مجھے نکھارو بھی

بھٹک رہا ہے دھندلکوں میں کاروانِ خیال
بس اب خدا کے لئے کاکلیں سنوارو بھی

مری تلاش کی معراج ہو تمھیں لیکن
نقاب اٹھاؤ نشانِ سفر اُبھارو بھی

یہ کائنات ازل سے سپردِ انساں ہے
مگر ندیم تم اس بوجھ کو سہارو بھی

بگاڑ ہو کہ بناؤ عجیب تر ہے سبھاؤ
نگاہوں میں ہیں بلائیں تو ابروؤں میں تناؤ

گھٹا بجا ہے سہانا مگر کرو نہ بہانہ
جھکا قمر نہ دکھاؤ بجھا چراغ جلاؤ

اگر گھٹا ہو اندھیرا اگر ہو دُور سویرا
تو یہ اصول ہے میرا کہ دل کے دیپ جلاؤ

اُجڑ رہے ہیں گھرانے بدل رہے ہیں زمانے
لپک رہے ہیں دوانے اُتار ہو کہ چڑھاؤ

خدا کے لب پہ ہنسی ہے خدائی جھوم رہی ہے
تمھاری بات چلی ہے مری حسین خطاؤ

ادھر شباب کا مس ہے اُدھر شراب کا رس ہے
قدم قدم پہ قفس ہے ندیم دیکھتے جاؤ

○

پھر بھیانک تیرگی میں آ گئے — ہم گجر بجنے سے دھوکا کھا گئے
ہائے خوابوں کی خیابان سازیاں — آنکھ کیا کھولی چمن مرجھا گئے
کون تھے آخر جو منزل کے قریب — آئنے کی چادریں پھیلا گئے
کس تجلی کا دیا ہم کو فریب — کس دھندلکے میں ہمیں پہنچا گئے
اُن کا آنا حشر سے کچھ کم نہ تھا — اور جب پلٹے قیامت ڈھا گئے
اک پہیلی کا ہمیں دے کر جواب — اک پہیلی بن کے ہر سُو چھا گئے
پھر وہی اختر شماری کا نظام — ہم تو اس تکرار سے اُکتا گئے
رہنماؤ رات ابھی باقی سہی — آج سیارے اگر ٹکرا گئے
جن کو ہم سمجھا کئے ابرِ بہار — وہ بگولے کتنے گلشن کھا گئے
کیا رسا نکلی دعائے اجتہاد — لیجئے! اگلے زمانے آ گئے
آدمی کے ارتقا کا مدعا — وہ چھپاتے ہی رہے ہم پا گئے

اب کوئی طوفاں ہی لائے گا سحر
آفتاب اُبھرا تو بادل چھا گئے

○

بہار جب بھی چمن میں دیئے جلاتی ہے
ہجومِ گُل سے مجھے تیری آنچ آتی ہے

بفیضِ لذتِ تخلیق خون ہو کے کلی
خود اپنے زخم کے پردے میں مسکراتی ہے

وفورِ رنگ میں گھلنے لگی ہے کیوں شبنم
عروسِ گُل کو اگر آئینہ دکھاتی ہے

یہ شب ہے یا شفق افشانیوں سے گھبرا کر
نگارِ شام حیا سے لٹیں گراتی ہے

یہ کائنات کا آہنگ ہے کہ سحرِ حیات
چٹک کلی کی ستاروں کو گدگداتی ہے

یہ ردو آب یہ تارے یہ شہرِ لالہ و گل
ابھی وہ آ نہ چکے اور رات جاتی ہے

عبدالحمید عدم

○

میکدہ تھا چاندنی تھی میں نہ تھا
اک مجسم بے خودی تھی میں نہ تھا

عشق جب دم توڑتا تھا تم نہ تھے
موت جب سر دُھن رہی تھی میں نہ تھا

طور پر چھیڑا تھا جس نے آپ کو
وہ مری دیوانگی تھی میں نہ تھا

وہ حسیں بیٹھا تھا جب میرے قریب
لذتِ ہمسائگی تھی میں نہ تھا

میکدے کے موڑ پر رُکتی ہوئی
مدتوں کی تشنگی تھی میں نہ تھا

میں اور اس غنچہ دہن کی آرزو
آرزو کی سادگی تھی میں نہ تھا

گیسوؤں کے سائے میں آرام کش
سربرہنہ زندگی تھی میں نہ تھا

دیر و کعبہ میں عدم حیرت فروش
دو جہاں کی بدظنی تھی میں نہ تھا

○

عہدِ مستی ہے لوگ کہتے ہیں
مے پرستی ہے لوگ کہتے ہیں

غمِ ہستی خریدنے والو
موت سستی ہے لوگ کہتے ہیں

ہم جہاں جی رہے ہیں مر مر کر
بزمِ ہستی ہے لوگ کہتے ہیں

ضبطِ توبہ پہ آ رہی ہے ہنسی
تنگ دستی ہے لوگ کہتے ہیں

شاید اک بار اُجڑ کے پھر نہ بسے
دل کی بستی ہے لوگ کہتے ہیں

کیا کریں مہ وشوں سے پیار عدم
بت پرستی ہے لوگ کہتے ہیں

○

اُن مست انکھڑیوں کو کنول کہہ گیا ہوں میں
محسوس ہو رہا ہے غزل کہہ گیا ہوں میں

ساقی! تری نگاہ کو کتنے غرور سے
ہر حادثے کا ردِ عمل کہہ گیا ہوں میں

کہتے ہیں زندگی جسے اِس حرفِ تلخ کو
سمجھا نہیں تو زہرِ اجل کہہ گیا ہوں میں

کہتے ہیں زندگی جسے اسے مرگِ ناگہاں
اُس اتفاق کو بھی اٹل کہہ گیا ہوں میں

قسمت کی الجھنوں کو عدم کس گریز سے
اُس گیسوئے دراز کا بل کہہ گیا ہوں میں

○

غمِ محبت ستا رہا ہے، غمِ زمانہ مَسل رہا ہے
مگر مرے دن گزر رہے ہیں مگر مرا وقت ٹل رہا ہے

وہ ابر آیا وہ رنگ برسے وہ کیف جاگا وہ جام کھنکے
چمن میں یہ کون آ گیا ہے تمام موسم بدل رہا ہے

مری جوانی کے گرم لمحوں پہ ڈال دے گیسوؤں کا سایہ
یہ دوپہر کچھ تو معتدل ہو تمام ماحول جل رہا ہے

یہ بھینی بھینی سی مست خوشبو یہ ہلکی ہلکی سی دلنشیں بُو
یہیں کہیں تیری زلف کے پاس کوئی پروانہ جل رہا ہے

نہ دیکھ او مہ جبیں مری سمت اتنی مستی بھری نظر سے
مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے شراب کا دور چل رہا ہے

عدم خرابات کی سحر ہے کہ بارگاہِ رموزِ مستی
اِدھر بھی سورج نکل رہا ہے اُدھر بھی سورج نکل رہا ہے

○

یہ کیا سرگوشیٔ ازل سازِ دل کے پردے ہلا رہی ہے
مری سماعت کھنک رہی ہے کہ تیری آواز آ رہی ہے

حوادثِ روزگار میری خوشی سے کیا انتقام لیں گے
کہ زندگی وہ حسین ہنسی ہے کہ بے سبب مسکرا رہی ہے

ترا تبسم فروغِ ہستی تری نظر اعتبارِ مستی
بہار اقرار کر رہی ہے، شراب ایمان لا رہی ہے

فسانہ خواں دیکھنا شبِ زندگی کا انجام تو نہیں ہے
کہ شمع کے ساتھ رفتہ رفتہ مجھے بھی کچھ نیند آ رہی ہے

اگر کوئی خاص چیز ہوتی تو خیر دامن بھگو بھی لیتے
شراب ہے تو بہت پرانے مذاق کی باس آ رہی ہے

خرد کے ٹوٹے ہوئے ستارے عدم کہاں تک چراغ بنتے
جنوں کی روشن روش ہے آخر دلوں کو رستہ دکھا رہی ہے

○

پھولوں کی ٹہنیوں پہ نشیمن بنائیے
بجلی گرے تو جشنِ چراغاں منائیے

کلیوں کے انگ انگ میں میٹھا سا درد ہے
بیمار نکہتوں کو ذرا گدگدائیے

کب سے سلگ رہی ہے جوانی کی گرم رات
زلفیں بکھیر کر مرے پہلو میں آئیے

بہکی ہوئی سیاہ گھٹاؤں کے ساتھ ساتھ
جی چاہتا ہے شامِ ابد تک تو جائیے

ناسازیٔ حیات بھی ہے اک نشاطِ تیغ
حالات کی روش پہ ذرا مسکرائیے

سن کر جسے حواس میں ٹھنڈک سی آ بسے
ایسی کوئی اداس کہانی سنائیے

رستے میں ہر قدم پہ خرابات ہے عدمؔ
بے حال ہو تو کس طرح دامن بچائیے

سیف الدین سیف

○

دلوں کو توڑنے والو تمھیں کسی سے کیا
ملو تو آنکھ چُرالو تمھیں کسی سے کیا

ہماری لغزشِ پا کا خیال کیوں ہے تمھیں؟
تم اپنی چال سنبھالو تمھیں کسی سے کیا

چمک کے اور بڑھاؤ مری سیہ بختی
کسی کے گھر کے اُجالو تمھیں کسی سے کیا

نظر بچا کے گذر جاؤ میری تربت سے
کسی پہ خاک نہ ڈالو تمھیں کسی سے کیا

مجھے خود اپنی نظر میں بنا کے بیگانہ
جہاں کو اپنا بنالو تمھیں کسی سے کیا

قریبِ نزع بھی کیوں چین لے سکے کوئی
نقابِ رُخ سے اُٹھالو تمھیں کسی سے کیا

○

غمِ خزاں کی تلافی بہار میں بھی نہیں
کہ اب نگاہ ترے انتظار میں بھی نہیں

تری نگاہ سے بدلی ہے کس طرح دنیا
جو دلکشی تھی خزاں میں بہار میں بھی نہیں

بھڑک اٹھی ہے کچھ اس طرح آتشِ ہستی
قرار سایۂ دامانِ یار میں بھی نہیں

عجب سکون کا عالم ہے یاس کا عالم
یہ دلکشی تو غمِ انتظار میں بھی نہیں

ہلاکِ جبرِ مسلسل یہی سمجھتے ہیں
نظامِ دہر ترے اختیار میں بھی نہیں

○

قریب موت کھڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ
قضا سے آنکھ لڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ

تھکی تھکی سی فضائیں بجھے بجھے تارے
بڑی اداس گھڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ

نہیں امید کہ ہم آج کی سحر دیکھیں
یہ رات ہم پہ کڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ

ابھی نہ جاؤ کہ تاروں کا دل دھڑکتا ہے
تمام رات پڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ

عروسِ شام ابھی گیسوؤں کے سائے ہیں
کنیز بن کے کھڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ

پھر اس کے بعد کبھی ہم نہ تم کو روکیں گے
لبوں پہ سانس اڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ

دمِ فراق میں جی بھر کے تم کو دیکھ تو لوں
یہ فیصلے کی گھڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ

○

راہ آسان ہو گئی ہوگی
جان پہچان ہو گئی ہوگی

موت سے تیرے دردمندوں کی
مشکل آسان ہو گئی ہوگی

پھر پلٹ کر نگہ نہیں آئی
تجھ پہ قربان ہو گئی ہوگی

تیری زلفوں کو چھیڑتی تھی صبا
خود پریشان ہو گئی ہوگی

ان سے بھی چھین لو گے یاد اپنی
جن کا ایمان ہو گئی ہوگی

دل کی تسکین پوچھتے ہیں آپ
ہاں مری جان ہو گئی ہوگی

مرنے والوں پہ سیفؔ حیرت کیوں
موت آسان ہو گئی ہوگی

○

پڑے خطے ہیں ہے حسنِ گلستاں ہم نہ کہتے تھے
چمن تک آگئی دیوارِ زنداں ہم نہ کہتے تھے

بھرے بازار میں جنسِ وفا بے آبرو ہوگی
اٹھے گا اعتبارِ کوئے جاناں ہم نہ کہتے تھے

اسی محفل اسی بزمِ وفا کے گوشے گوشے میں
لٹے گی مستیٔ چشمِ غزالاں ہم نہ کہتے تھے

اسی رستے میں آخر وہ کڑی منزل بھی آئے گی
جہاں دم توڑ دے گی یادِ یاراں ہم نہ کہتے تھے

خزاں کی آہٹوں پر کانپتی ہیں پتیاں گل کی
بکھرنے کو ہے اب زلفِ بہاراں ہم نہ کہتے تھے

دلِ فطرت شناس آخر کیوں یونہی دھڑکتا ہے
فریبِ حسن ہے جشنِ چراغاں ہم نہ کہتے تھے

○

ہر اک چلن میں اسی مہرباں سے ملتی ہے
زمیں ضرور کہیں آسماں سے ملتی ہے

سرودِ عشق میں نغماتِ حسن شامل ہیں
تری خبر بھی مری داستاں سے ملتی ہے

ہمیں تو شعلۂ خرمن فروز بھی نہ ملا
تری نظر کو تجلی کہاں سے ملتی ہے

خیالِ منزلِ مقصد سے منزلوں آگے
نگاہ گردِ پسِ کارواں سے ملتی ہے

تری نگاہ سے آخر عطا ہوئی دل کو
وہ اک خلش کہ غمِ دو جہاں سے ملتی ہے

چلے ہیں سیفؔ وہاں ہم علاجِ غم کے لئے
دلوں کو درد کی دولت جہاں سے ملتی ہے

ظہیر کاشمیری

○

اب صاحبِ دوراں آتے ہیں، اب فاتحِ میداں آتے ہیں
وہ شیر تو شیرِ قالیں تھے، اب شیرِ نیستاں آتے ہیں

آہنگِ تفنگ و تیر ہیں ہم، گاتے ہیں سرودِ آزادی
ہنگامۂ دار و گیر ہیں ہم، سرمست و غزل خواں آتے ہیں

جو تند بگولوں سے اُلجھے، وہ عزمِ سفر کی بات کرے
اس منزلِ نو کے رستے میں کتنے ہی بیاباں آتے ہیں

تسلیم کہ ساحل والوں نے، اک سیلِ خراماں روک دیا
ساحل کا نشاں تک مٹ جائے کچھ ایسے بھی طوفاں آتے ہیں

ہم ایسے امن پسندوں کو الحاد کا طعنہ دیتے ہیں
اس بزم میں خنجر در دامن جتنے بھی مسلماں آتے ہیں

پھولوں پہ مسرت ناچے گی، کلیوں پہ اُجالا برسے گا
ہم لوگ برنگِ نورِ سحر اے صبحِ گلستاں آتے ہیں

قاتل بھی ظہیر اب دامن کے دھبوں کو چھپاتا پھرتا ہے
اس وضع سے مل کے چہروں پر ہم خونِ شہیداں آتے ہیں

○

وہ حکایت جو بایں ہوش تجھے یاد نہیں
تیرے اپنے ہی تغافل کی تو روداد نہیں

آج بھی کاہشِ بے نام وہی ہے کہ جو تھی
دل کی دنیا ترے آنے سے بھی آباد نہیں

حسن تنہائی سے گھبرائے تو اتنا کہہ دو!
عشق پابستۂ زنجیر ہے آزاد نہیں

وہ ملاقات کہ جو وجہِ شکستِ دل تھی
اب نگاہِ غلط انداز کو بھی یاد نہیں

کون سا دل ترے جلووں سے نہیں صاعقہ بار
کون سی بزم تری یاد سے آباد نہیں

ہم نہ سوچیں گے کبھی کوہ کنی کی تدبیر
قسمتِ عشق اگر تیشۂ فرہاد نہیں

تیری ہر بات میں ہے عذرِ جفا کا پہلو
تیری محفل میں کوئی صورتِ فریاد نہیں

○

شبِ مہتاب بھی اپنی بھری برسات بھی اپنی
تمہارے دم قدم سے زندگی تھی زندگی اپنی

یہاں پابندیٔ نازو جنوں کی بات ہے ورنہ
جمالِ یار سے کچھ کم نہیں تابندگی اپنی

مجھے شادابیٔ صحنِ چمن سے خوف آتا ہے
یہی انداز تھے جب لٹ گئی تھی زندگی اپنی

تمہارا غم اسے آشوبِ صرصر سے بچائے گا
ہواؤں سے بھڑک اٹھی ہے شمعِ زندگی اپنی

مگر تم بھی تو اک بوئے گریزاں کی طرح نکلے
گزرنے کو گزر جاتی بہارِ دوستی اپنی

ظہیر اس چشمکِ اوّل پہ یوں محسوس ہوتا ہے
بڑی مدت سے ہے جیسے کسی سے دوستی اپنی

○

جب کبھی تذکرۂ شعلہ رخاں ہوتا ہے
دامنِ دل پہ سلگنے کا گماں ہوتا ہے

ہم سمن پوشوں میں اس طرح رہے آشفتہ
جس طرح شام کو باغوں میں دھواں ہوتا ہے

دل بیاباں میں الاؤ کی طرح جلتے ہیں
خیمہ زن قافلۂ گشتہ سراں ہوتا ہے

اس کی ہر تان سے ملتا ہے ستاروں کو گداز
عشق کہتے ہیں جسے نغمۂ جاں ہوتا ہے

دلِ مرحومِ تمنا پہ دمکتے ہوئے داغ
جیسے تربت پہ چراغوں کا سماں ہوتا ہے

دعوتِ جلوۂ شب تاب پہ مسرور نہ ہو
یہ بھی اک وعدۂ زرّیں گراں ہوتا ہے

حسن کا عکس بھی تسکینِ دل و جاں ہے ظہیر
حسن پر سایۂ صاحب نظراں ہوتا ہے

○

ابھی تو کاوشِ بوئے بہار باقی ہے
ابھی تجسسِ دامانِ یار باقی ہے

تڑپ تڑپ کے شبِ ہجر کاٹنے والے
ستارہ ہائے سحر کا شمار باقی ہے

تمہارے ساتھ غمِ دوستی گزر ہی گیا
تمہارے بعد غمِ روزگار باقی ہے

ابھی سے تذکرۂ دل پہ وہ بگڑ بیٹھے
ابھی تو قصۂ منصور و دار باقی ہے

ظہیر اب بھی ایرانِ شہر کے سر میں
شرابِ نیم شبی کا خمار باقی ہے

○

شورشِ نالہ و فریاد ابھی باقی ہے
طمطراقِ دلِ برباد ابھی باقی ہے

غنچے غنچے میں ابھی تک ہیں قفس پوشیدہ
برگِ گل میں کفِ صیاد ابھی باقی ہے

زخمِ سر آج بھی ہے درد پرستوں کا علاج
عظمتِ تیشۂ فرہاد ابھی باقی ہے

دلِ پرخوں سے کہو حیلۂ مرہم نہ کرے
شہر میں اک ستمِ ایجاد ابھی باقی ہے

ابھی خونابۂ محشر سے گزرنا ہوگا
چشمِ تر! — اک نئی افتاد ابھی باقی ہے

بزم میں شعلۂ لب سوز جلانے والو!
شہرتِ نغمۂ آزاد ابھی باقی ہے

دلِ مرحوم کی خاموش فضاؤں میں ظہیر
اک سلگتی ہوئی فریاد ابھی باقی ہے

قتیل شفائی

○

انگڑائی پر انگڑائی لیتی ہے رات جدائی کی
تم کیا سمجھو، تم کیا جانو بات مری تنہائی کی

کون سیاہی گھول رہا تھا وقت کے بہتے دریا میں
میں نے آنکھ جھکی دیکھی ہے آج کسی ہرجائی کی

ٹوٹ گئے سیّال نگینے پھوٹ بہے رخساروں پر
دیکھو میرا ساتھ نہ دینا بات ہے یہ رسوائی کی

وصل کی رات نہ جانے کیوں اصرار تھا ان کو جانے پر
وقت سے پہلے ڈوب گئے تاروں نے بڑی دانائی کی

آپ کے ہوتے دنیا والے میرے دل پر راج کریں؟
آپ سے مجھ کو شکوہ ہے خود آپ نے بے پروائی کی

اڑتے اڑتے آس کا پنچھی دور افق میں ڈوب گیا
[illegible]

○

پہلے مزاجِ راہگذر جان جائیے
پھر گردِ راہ جو بھی کہے مان جائیے

پابوسیٔ جمال بھی حسنِ طلب سہی
جوشِ طلب میں تا بگریبان جائیے

شاید حضور سے کوئی نسبت ہمیں بھی ہو
آنکھوں میں جھانک کر ہمیں پہچان جائیے

اک دھوپ سی جمی ہے نگاہوں کے آس پاس
یہ آپ ہیں تو آپ پہ قربان جائیے

یا بے رخی سے دیجیے دادِ سپردگی!
یا سادگی سے ہو کے پشیمان جائیے

کچھ کہہ رہی ہیں آپ کے سینے کی دھڑکنیں!
میرا نہیں تو دل کا کہا مان جائیے!

اپنی غزل قتیلؔ وہ کوئل کی کوک ہے
جس کی تڑپ کو دور سے پہچان جائیے

★

○

دل کو غمِ حیات گوارا ہے اِن دِنوں
پہلے جو درد تھا وہی چارا ہے اِن دِنوں

ہر سیلِ اشک ساحلِ تسکیں ہے آج کل
دریا کی موج موج کنارا ہے اِن دنوں

یہ دِل ذرا سا دِل تری یادوں میں کھو گیا
ذرے کو آندھیوں کا سہارا ہے اِن دنوں

شمعوں میں اب نہیں ہے وہ پہلی سی روشنی
کیا واقعی وہ انجمن آرا ہے اِن دنوں

تم آسکو تو شب کو بڑھا دوں کچھ اور بھی
اپنے کہے میں صبح کا تارا ہے اِن دنوں

○

صدمے جھیلوں جان پہ کھیلوں اس سے مجھے انکار نہیں ہے
لیکن تیرے پاس وفا کا کوئی بھی معیار نہیں ہے

یہ بھی کوئی بات ہے آخر دُور ہی دُور رہیں متوالے؟
ہرجائی ہے چاند کا جوبن یا پنچھی کو پیار نہیں ہے

ایک ذرا سا دل ہے جس کو توڑ کے بھی تم جا سکتے ہو
یہ سونے کا طوق نہیں، یہ چاندی کی دیوار نہیں ہے

ملاحوں نے ساحل ساحل موجوں کی توہین تو کر دی
لیکن پھر بھی کوئی بھنور تک جانے کو تیار نہیں ہے

پھر سے وہی سیلابِ حوادث! جانے دو اے ساحل والو
یا اس بار سفینہ ڈوبا یا اب کے منجدھار نہیں ہے

قیدِ قفس کے بعد کرے گا قیدِ گلستاں کون گوارا!
اب بھی وہی زنجیریں ہیں گو پہلی سی جھنکار نہیں ہے

○

چمن کی آبرو بن کر صبا کے ساتھ چلتے ہیں
شگوفے فنا ہیں لیکن ادا کے ساتھ چلتے ہیں

عجب کیا ہے جو منزل کا تصور ہی بدل جائے
مسافر بے رُخی سے رہنما کے ساتھ چلتے ہیں

خدا جانے کہاں ٹھہریں گے جا کر روٹھنے والے
یہ دیوانے تو رہوارِ وفا کے ساتھ چلتے ہیں

ستارے ڈوب جائیں یا افق سے آفتاب اُبھرے
اندھیرے تو بہر صورت ضیا کے ساتھ چلتے ہیں

دمِ رخصت ہم اپنے آنسوؤں کو روک بھی لیتے
مگر یہ کارواں تیری رضا کے ساتھ چلتے ہیں!

قتیل اس بے مروت کے نہ چھیڑو تذکرے ہم سے
یہ وہ نشتر ہیں جو ذکرِ وفا کے ساتھ چلتے ہیں

○

اندیشۂ اربابِ حرم ساتھ رہے گا
جنت بھی ملے گی تو یہ غم ساتھ رہے گا

پیاسے ہی گزر جائیں گے ہم راہِ طلب سے
عبرت کے لیے ساغرِ جم ساتھ رہے گا

تو اور نہ آئے درِ زندانِ وفا تک
مر کر بھی یہ غم تیری قسم ساتھ رہے گا

افلاک سے پلکوں پہ اُتر آئیں گے تارے
کھل کر بھی شبِ غم کا بھرم یاد رہے گا

منزل سے پلٹ آئے گی اِک ایک تجلی
ہاں شعلۂ رخسارِ صنم ساتھ رہے گا

میخانہ بہت دُور نہیں دیدۂ غم سے
آ گردشِ دوراں کوئی دم ساتھ رہیگا

راہوں میں قتیل آئیں گے سو آئینہ خانے
لیکن مرا گلپوشِ قلم ساتھ رہے گا

ساحر لدھیانوی

ہوس نصیبِ نظر کو کہیں قرار نہیں
میں منتظر ہوں مگر تیرا انتظار نہیں

ہمیں سے رنگِ گلستاں ہمیں سے رنگِ بہار
ہمیں کو نظمِ گلستاں پہ اختیار نہیں

ابھی نہ چھیڑ محبت کے گیت اے مطرب!
ابھی حیات کا ماحول خوشگوار نہیں

تمہارے عہدِ وفا کو میں عہد کیا سمجھوں
مجھے خود اپنی محبت کا اعتبار نہیں

نہ جانے کتنے گلے اس میں مضطرب ہیں ندیم
وہ ایک دل جو کسی کا گلہ گزار نہیں

گریز کا نہیں قائل حیات سے۔ لیکن
جو سچ کہوں تو مجھے موت ناگوار نہیں

یہ کس مقام پہ پہنچا دیا زمانے نے
کہ اب حیات پہ تیرا بھی اختیار نہیں

ہرچند میری قوتِ گفتار ہے محبوس
خاموش مگر طبعِ خود آرا نہیں ہوتی

معمورۂ احساس میں ہے حشر سا برپا
انسان کی تذلیل گوارا نہیں ہوتی

نالاں ہوں میں بیداریٔ احساس کے ہاتھوں
دنیا مرے افکار کی دنیا نہیں ہوتی

بیگانہ صفت جادۂ منزل سے گزر جا
ہر چیز سزاوارِ نظارا نہیں ہوتی

فطرت کی مشیت بھی بڑی چیز ہے لیکن
فطرت کبھی بے بس کا سہارا نہیں ہوتی

طرب زاروں پہ کیا بیتی صنم خانوں پہ کیا گذری
دلِ زندہ ترے مرحوم ارمانوں پہ کیا گذری

زمیں نے خون اُگلا آسماں نے آگ برسائی
جب انسانوں کے دن بدلے تو انسانوں پہ کیا گذری

ہمیں یہ فکر اُن کی انجمن کس حال میں ہو گی
اُنھیں یہ غم کہ اُن سے چھٹ کے دیوانوں پہ کیا گذری

مرا الحاد تو خیر ایک لعنت تھا سو ہے اب تک
مگر اس عالمِ وحشت میں ایمانوں پہ کیا گذری

یہ منظر کون سا منظر ہے پہچانا نہیں جاتا
سیہ خانوں سے کچھ پوچھو شبستانوں پہ کیا گذری

چلو وہ کفر کے گھر سے سلامت آ گئے لیکن
خدا کی مملکت میں سوختہ جانوں پہ کیا گذری

عقاید وہم ہیں مذہب خیالِ خام ہے ساقی
ازل سے ذہنِ انساں بستۂ اوہام ہے ساقی

"حقیقت آشنائی" اصل میں گم کردہ راہی ہے
عروسِ آگہی پروردۂ ابہام ہے ساقی

مبارک ہو ضعیفی کو خرد کی فلسفہ رانی
جوانی بے نیازِ عبرتِ انجام ہے ساقی

ہوس ہو گی اسیرِ حلقۂ نیک و بدِ عالم
محبت ماورائے فکرِ ننگ و نام ہے ساقی

ابھی تک راستے کے پیچ و خم سے دل دھڑکتا ہے
مرا ذوقِ طلب شاید ابھی تک خام ہے ساقی

وہاں بھیجا گیا ہوں چاک کرنے پردۂ شب کو
جہاں ہر صبح کے دامن پہ عکسِ شام ہے ساقی

مرے ساغر میں مے ہے اور ترے ہاتھوں میں بربط ہے
وطن کی سرزمیں میں بھوک سے کہرام ہے ساقی

زمانہ برسرِ پیکار ہے پُرہول شعلوں سے
ترے لب پر ابھی تک نغمۂ خیام ہے ساقی

○

محبت ترک کی میں نے گریباں سی لیا میں نے
زمانے اب تو خوش ہو زہر یہ بھی پی لیا میں نے

ابھی زندہ ہوں لیکن سوچتا رہتا ہوں خلوت میں
کہ اب تک کس تمنا کے سہارے جی لیا میں نے

انھیں اپنا نہیں سکتا مگر اتنا بھی کیا کم ہے
کہ کچھ مدت حسیں خوابوں میں کھو کر جی لیا میں نے

بس اب تو دامنِ دل چھوڑ دو بے کار امیدو
بہت دُکھ سہہ لیے میں نے بہت دن جی لیا میں نے

○

نفس کے لوچ میں رم ہی نہیں کچھ اور بھی ہے
حیات، ساغرِ سم ہی نہیں کچھ اور بھی ہے

تری نگاہ مرے غم کی پاسدار سہی
مری نگاہ میں غم ہی نہیں کچھ اور بھی ہے

مری ندیم! محبت کی رفعتوں سے نہ گر
بلند بامِ حرم ہی نہیں کچھ اور بھی ہے

یہ اجتناب ہے عکسِ شعورِ محبوبی
یہ احتیاط، ستم ہی نہیں کچھ اور بھی ہے

ادھر بھی ایک اچٹتی نظر کہ دنیا میں
فروغِ محفلِ جم ہی نہیں کچھ اور بھی ہے

نئے جہان بسائے ہیں فکرِ آدم نے
اب اس زمیں پہ ارم ہی نہیں کچھ اور بھی ہے

مرے شعور کو آوارہ کر دیا جس نے
وہ مرگِ شادی و غم ہی نہیں کچھ اور بھی ہے

مجروح سلطان پوری

○

جب ہوا عرفاں تو غم آرامِ جاں بنتا گیا
سوزِ جاناں دل میں سوزِ دیگراں بنتا گیا

رفتہ رفتہ منقلب ہوتی گئی رسمِ چمن
دھیرے دھیرے نغمۂ دل بھی فغاں بنتا گیا

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

میں تو جب مانوں کہ بھر دے ساغرِ ہر خاص و عام
یوں تو جو آیا وہی پیرِ مغاں بنتا گیا

جس طرف بھی چل پڑے ہم آبلہ پایانِ شوق
خار سے گل اور گل سے گلستاں بنتا گیا

شرحِ غم تو مختصر ہوتی گئی اس کے حضور
لفظ جو منہ سے نہ نکلا داستاں بنتا گیا

دہر میں مجروحؔ کوئی جاوداں مضموں کہاں
میں جسے چھوتا گیا وہ جاوداں بنتا گیا

○

اب اہلِ درد یہ جینے کا اہتمام کریں
اسے بھلا کے غمِ زندگی کا نام کریں

فریب کھا کے ان آنکھوں کا کب تلک اے دل
شرابِ خام پئیں رقصِ ناتمام کریں

غمِ حیات نے آوارہ کر دیا ورنہ
تھی آرزو کہ ترے در پہ صبح و شام کریں

نہ دیکھیں دیر و حرم سوئے رہروانِ حیات
یہ قافلے تو نہ جانے کہاں قیام کریں

غمِ جہاں کو غمِ دل بنا کے کچھ نہ ملا
کہ جس سے زیست کو راحت ملے وہ کام کریں

سکھائیں دستِ طلب کو ادائے بیباکی
پیامِ زیرلبی کو صلائے عام کریں

غلام رہ چکے، توڑیں یہ بندِ رسوائی
خود اپنے بازوئے محنت کا احترام کریں

زمیں کو مل کے سنواریں مثالِ روئے نگار
رخِ نگار کی ضو سے فروغِ بام کریں

پھر اٹھ کے گرم کریں کاروبارِ زلف و جنوں
پھر اپنے ساتھ اسے بھی اسیرِ دام کریں

○

یہ رُکے رُکے سے آنسو یہ گھٹی گھٹی سی آہیں
یونہی کب تلک خدایا غمِ زندگی نباہیں

کہیں ظلمتوں میں گھِر کر ہے تلاشِ دستِ رہبر
کہیں جگمگا اٹھی ہیں مرے نقشِ پا سے راہیں

ترے خانماں خرابوں کا چمن کوئی نہ صحرا
یہ جہاں بھی بیٹھ جائیں وہیں ان کی بارگاہیں

کبھی جادۂ طلب سے جو پھرا ہوں دل شکستہ
تری آرزو نے ہنس کر وہیں ڈال دی ہیں باہیں

○

ختم شورِ طوفاں تھا دور تھی سیاہی بھی
دم کے دم میں افسانہ تھی مری تباہی بھی

التفات سمجھوں یا بے رخی کہوں اس کو
رہ گئی خلش بن کر اس کی کم نگاہی بھی

اس نظر کے اُٹھنے میں اس نظر کے جھکنے میں
نغمۂ سحر بھی ہے آہِ صبحگاہی بھی

یاد کر وہ دن جس دن تیری سخت گیری پر
اشک بھر کے اُٹھی تھی میری بے گناہی بھی

پستیٔ زمیں سے ہے رفعتِ فلک قائم
میری خستہ حالی سے تیری کج کلاہی بھی

شمع بھی اُجالا بھی میں ہی اپنی محفل کا
میں ہی اپنی منزل کا راہبر بھی راہی بھی

گنبدِ دل سے پلٹی ہے اپنی ہی صدا مجروح
مسجدوں میں کی میں نے جا کے دادخواہی بھی

○

جنونِ دل نہ صرف اتنا کہ اک گل پیرہن تک ہے
قد و گیسو سے اپنا سلسلہ دار و رسن تک ہے

مگر اے ہم قفس کہتی ہے شوریدہ سری اپنی
یہ رسمِ قید و زنداں ایک دیوارِ کہن تک ہے

دعا دیتی ہیں راہیں آج تک مجھ آبلہ پا کو
مرے قدموں کی گلکاری بیاباں سے چمن تک ہے

میں کیا کیا جرعۂ خوں پی گیا پیمانۂ دل میں
بلانوشی مری کیا اک مئے ساغر شکن تک ہے

نہ آخر کہہ سکا اس سے مرا حالِ دلِ سوزاں
مہِ تاباں کہ جو اس کا شریکِ انجمن تک ہے

نوا ہے جاوداں مجروح جس میں روحِ ساعت ہو
کہا کس نے مرا نغمہ زمانے کے چلن تک ہے

○

لیے بیٹھا ہے دل اک عزمِ بے باکانہ برسوں سے
کہ اس کی راہ میں ہیں کعبہ و بتخانہ برسوں سے

دلِ سادہ نہ سمجھا ما سوائے پاکدامانی
نگاہِ یار کہتی ہے کوئی افسانہ برسوں سے

گریزاں تو نہیں تجھ سے مگر تیرے سوا دل کو
کئی غم اور بھی ہیں اے غمِ جانانہ برسوں سے

مجھے یہ فکر سب کی پیاس اپنی پیاس ہے ساقی
تجھے یہ ضد کہ خالی ہے مرا پیمانہ برسوں سے

ہزاروں ماہتاب آئے ہزاروں آفتاب آئے
مگر [illegible] ظلمتِ غم خانہ برسوں سے

شکیلؔ بدایونی

○

مری زندگی ہے ظالم ترے غم سے آشکارا
ترا غم ہے در حقیقت مجھے زندگی سے پیارا

وہ اگر برا نہ مانیں تو جہانِ رنگ و بو میں
میں سکونِ دل کی خاطر کوئی ڈھونڈ لوں سہارا

مجھے تجھ سے خاص نسبت میں رہینِ موجِ طوفاں
جنہیں زندگی تھی پیاری انہیں مل گیا کنارا

مجھے آ گیا یقیں سا کہ یہی ہے میری منزل
سرِ راہ جب کسی نے مجھے دفعتاً پکارا

میں بتاؤں فرق ناصح جو ہے مجھ میں اور تجھ میں
مری زندگی تلاطم تری زندگی کنارا

مجھے گفتگو سے بڑھ کر غمِ اذنِ گفتگو ہے
وہی بات پوچھتے ہیں جو نہ کہہ سکوں دوبارا

کوئی اے شکیلؔ! دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کہ اسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا

○

ہم ہیں اور ان کی خوشی ہے آج کل
زندگی ہی زندگی ہے آج کل

ان کا ذکر ان کی تمنا ان کی یاد
وقت کتنا قیمتی ہے آج کل

جل رہی ہے دل میں شمعِ آرزو
غم کدے میں روشنی ہے آج کل

تو ہے اور دریا دلی ہے ساقیا
میں ہوں اور تشنہ لبی ہے آج کل

عرضِ غم پر مسکراتے بھی نہیں
برہمی سی برہمی ہے آج کل

حاصلِ ترکِ محبت دیکھنا
انجمن سونی پڑی ہے آج کل

دل میں اور مایوسیوں میں اے شکیلؔ
اتحادِ باہمی ہے آج کل

○

پھر اٹھی دل میں اک موجِ شباب آہستہ آہستہ
پھر آیا زندگی میں انقلاب آہستہ آہستہ

سما کر مجھ میں وہ جانِ شباب آہستہ آہستہ
بنا دے گا مجھے اپنا جواب آہستہ آہستہ

یہ محفل زاہدانِ خشک کی محفل ہے اے رندو
ذرا اس بزم میں ذکرِ شراب آہستہ آہستہ

مری نظریں مجھی کو رفتہ رفتہ بھولے جاتی ہیں
ہوئے جاتے ہیں جلوے کامیاب آہستہ آہستہ

شکیل اس درجہ مایوسی شروعِ عشق میں کیسی
ابھی تو اور ہونا ہے خراب آہستہ آہستہ

○

مری زندگی پہ نہ مسکرا مجھے زندگی کا الم نہیں
جسے تیرے غم سے ہو واسطہ وہ خزاں بہار سے کم نہیں

مرا کفر حاصلِ زہد ہے مرا زہد حاصلِ کفر ہے
مری بندگی ہے وہ بندگی جو رہینِ دیر و حرم نہیں

مجھے راس آئیں خدا کرے یہی اشتباہ کی ساعتیں
انھیں اعتبارِ وفا تو ہے مجھے اعتبارِ ستم نہیں

وہی کارواں وہی راستے وہی زندگی وہی مرحلے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی تم نہیں کبھی ہم نہیں

نہ وہ شانِ جبرِ شباب ہے نہ وہ رنگِ قہرِ عتاب ہے
دلِ بے قرار پہ ان دنوں ہے ستم یہی کہ ستم نہیں

نہ فنا مری نہ بقا مری مجھے اے شکیل نہ ڈھونڈیے
یہ کسی کا حسنِ خیال ہے جو ملا کہ وجود و عدم نہیں

○

لطیف پردوں سے تھے نمایاں مکیں کے جلوے مکاں سے پہلے
محبت آئینہ ہو چکی تھی وجودِ بزمِ جہاں سے پہلے

ہر ایک عنوانِ دردِ فرقت ہے ابتدا شرحِ مدعا کی
کوئی بتلائے کہ یہ فسانہ سنائیں اُن کو کہاں سے پہلے

مسرتیں راز دارِ غم تھیں مسرتوں میں الم تھا پنہاں
جبھی تو صحنِ چمن میں شاید بہار آئی خزاں سے پہلے

سمجھ رہا تھا کہ نا امیدی نہ پردہ دارِ اُمید ہو گی
نظر اُٹھا کر جو میں نے دیکھا غبار تھا کارواں سے پہلے

اٹھا جو مینا بدست ساقی رہی نہ کچھ تابِ ضبط باقی
تمام میکش پکار اُٹھے یہاں سے پہلے یہاں سے پہلے

فریبِ نگاہ و دل کی ہمیں جو اس جستجو نے کھویا
ملی تھی در اصل اپنی منزل قدم اُٹھے تھے جہاں سے پہلے

ازل سے شاید لکھے ہوئے تھے شکیل قسمت میں جورِ پیہم
کھلی جو آنکھیں اس انجمن میں نظر ملی آسماں سے پہلے

○

نہ اب وہ آنکھوں میں برہمی ہے نہ اب وہ ماتھے پہ بل رہا ہے
وہ ہم سے خوش ہیں ہم ان سے خوش ہیں زمانہ کروٹ بدل رہا ہے

خوشی نہ غم کی نہ غم خوشی کا عجیب عالم ہے زندگی کا
چراغِ افسردۂ محبت نہ بجھ رہا ہے نہ جل رہا ہے

اہانتِ چشمِ مست ہے یہ کہ ہوش چھا جائے بے خودی پر
نظر اُٹھا کر تو دیکھ ساقی یہ کون گر کر سنبھل رہا ہے

ہزار ترکِ وفا کروں میں تری محبت کو کیا کروں میں
دلِ حزیں تجھ سے روٹھ کر بھی ترے اشاروں پہ چل رہا ہے

کہاں یہ ہستی کی وارداتیں کہاں یہ عیش و طرب کی باتیں
اب اور ہی نغمہ چھیڑ مطرب کہ رنگِ محفل بدل رہا ہے

شکیل! تفسیرِ شعر اپنی جو پوچھتے ہو تو ہے بس اتنی
جو نالہ سینے میں گھٹ رہا تھا وہ نغمہ بن کر نکل رہا ہے

فضل احمد کریم فضلی

○

تمہیں اک نہیں جاں نثاں اور بھی ہیں
بہت ماہتابِ جہاں اور بھی ہیں

حسیں اور بھی ہیں جواں اور بھی ہیں
غزالانِ ابرو کماں اور بھی ہیں

سبھی کو محبت میں ہوتے ہیں صدمے
ابھی کیا ابھی امتحاں اور بھی ہیں

چلو دھوم سے جشنِ ماتم منائیں
ہمیں اک نہیں نوحہ خواں اور بھی ہیں

تمہارے ستم کچھ تو آساں پہ ہیں صدائی
مرے دل پہ تیرِ سناں اور بھی ہیں

نقاب اس نے رخ سے اٹھائی تو کیا ہے
حجابات کچھ درمیاں اور بھی ہیں

فریبِ کرم اک تو ان کا ہے اس پہ
ستم میری خوش فہمیاں اور بھی ہیں

وفا ان سے اپنی جتانے گئے تھے
مگر اب تو وہ بدگماں اور بھی ہیں

نہیں صبر ہی کی کمی تجھ میں فضلی
مری جان کچھ خامیاں اور بھی ہیں

○

بہار آئی گل افشانی کے دن ہیں
ہماری تنگ دامانی کے دن ہیں

عنادل کی غزل خوانی کے دن ہیں
گلوں کی چاک دامانی کے دن ہیں

جدھر دیکھو کھلے ہیں لالہ و گل
یہ خونِ دل کی ارزانی کے دن ہیں

ہوا دامانِ گل دامانِ یوسف
نظر کی پاک دامانی کے دن ہیں

سبک رو ہے نسیمِ روح پرور
مگر پھر بھی گراں جانی کے دن ہیں

دلِ پُر درد اُمڈا آ رہا ہے
یہ بحرِ غم میں طغیانی کے دن ہیں

یہی دن حاصل ہیں زندگی کے
یہی جو دل کی نادانی کے دن ہیں

جمالِ زندگی کی خیر یارب
کمالِ عقلِ انسانی کے دن ہیں

غزل پاکیزہ ہے فضلی ابھی تک
[illegible]انی کے دن ہیں

○

پھر ایسے خیالات آنے لگے
کہ ہم خود بخود گنگنانے لگے

ہمارا تمہارا عجب حال ہے
نظر مل گئی مسکرانے لگے

جوانی کی اللہ رے سرشاریاں
قدم خود بخود ڈگمگانے لگے

اندھیرا اندھیرا سا چھانے لگا
مرے پاس سے جب وہ جانے لگے

یونہی عمر گزرے گی امید میں
وہ کاہے کو تشریف لانے لگے

کیلے میں گاتے تھے میری غزل
مجھے دیکھ کر مسکرانے لگے

ذرا دیکھنا ہے یہ بے فائدہ
تجھے کیوں وہ فضلی منانے لگے

○

آغاز شباب شب ہے پیارے
جانے کا یہ وقت کب ہے پیارے

آنکھوں کا تو کام ہی ہے رونا
یہ گریۂ بے سبب ہے پیارے

اپنے ہاتھوں سے تو پلائیے،
پینے کا مزہ تو جب ہے پیارے

اک آگ جلائے دے رہی ہے
دل جیسے ابولہب ہے پیارے

پھر بعد میں آ کے کیا کرے گا
آنے کا تو وقت اب ہے پیارے

کیا حال کہوں، کرم سے تیرا
آنکھے جدا رب ہے پیارے

کوئی نہ کوئی تو بات ہوگی
کیوں خندہ زیر لب ہے پیارے

بے بات کی بات پر بگڑنا
غصہ تیرا غضب ہے پیارے

یہ پھول سے کہہ رہی ہے شبنم
کیوں ہنستا ہے کیا سبب ہے پیارے

اپنے فضلی سے جو خفا ہو
اس کا کوئی سبب ہے پیارے؟

اب وہ مہکی ہوئی سی رات نہیں
بات کیا ہے کہ اب وہ بات نہیں

پھر وہی جاگتا ہے دن کی طرح
رات ہے اور جیسے رات نہیں

بات اپنی نہیں نہ یاد رہی
[illegible] چلے وہ کوئی بات نہیں

کچھ نہیں ہے تو یاد [illegible] ان کی
[illegible] التفات نہیں

پھر بھی دل ٹوٹ کر [illegible]
گو بظاہر توقعات نہیں

عشق ہوتا ہے خود بخود پیدا
عشق کے کچھ لوازمات نہیں

ایسے فضلی کے شعر کم ہوں گے
جو [illegible]

آتے رہتے ہیں قدسیوں کے پیام
شعر بھی اک طرح کا ہے الہام
عشق ہے کس قدر پابند مقام
اس کے آگے ہے بس [illegible]
کام ان کا ہے دیں نہ دیں انعام
چاہیے ہم کو اپنے [illegible]
زندگی سب ازل سے [illegible]
زندگی کی [illegible]
[illegible] دکھا کے رہ گئے
زندگی تھی کچھ [illegible]
زلف دوراں سنوارنے [illegible]
ہیں [illegible]
گر تمنا نہیں [illegible]
کیا ہوا [illegible]
میں نے مانا کہ ہوں [illegible]
شکر صد [illegible]
د مبارک ہو تم کو [illegible]

ناصر کاظمی

حسن خود محوِ تماشا ہوگا
نفسِ غنچہ کا در وا ہوگا
... شہپرِ عنقا ہوگا
ہم نہ ہوں گے کوئی ہم سا ہوگا
ذرہ جب دیدۂ بینا ہوگا
... درد کوئی ایسا ہوگا
... سا ہوگا
... تماشا ہوگا
عالم ...
... جادو
... کسی دن محشر کوئی برپا ہوگا
... پاکر وہ ...
... ابلق ...
... نکہت گل

وا ہوا پھر درِ میخانۂ گل
پھر صبا لائی ہے پیمانۂ گل

زمزمہ ریز ہوئے اہلِ چمن
پھر چراغاں ہوا کاشانۂ گل

رقص کرتی ہوئی شبنم کی پری
لے کے پھر آئی ہے نذرانۂ گل

پھول برسائے یہ کہہ کر اس نے
میرا دیوانہ ہے دیوانۂ گل

پھر کسی ... پاکر ... پیمانۂ گل

... کوئی مشغلہ ...

... تھا پہلے
... تھا پہلے
... دور کہاں تھا پہلے
... تو وہیں پر ہے جہاں تھا پہلے

ہم نے آباد کیا ملکِ سخن
کیسا سنسان سماں تھا پہلے

ہم نے بخشی ہے خموشی کو زباں
درد مجبورِ فغاں تھا پہلے

ہم نے ایجاد کیا تیشۂ عشق
شعلہ پتھر میں نہاں تھا پہلے

ہم نے روشن کیا معمورۂ غم
ورنہ ہر سمت دھواں تھا پہلے

ہم نے محفوظ کیا حسنِ بہار
عطرِ گل صرفِ خزاں تھا پہلے

غم نے پھر دل کو جگایا ناصر
خانہ برباد کہاں تھا پہلے؟

... ہوائے طرب
... مجھے

○

سفرِ منزلِ شب یاد نہیں
لوگ رخصت ہوئے کب یاد نہیں

اوّلیں قرب کی سرشاری میں
کتنے ارماں تھے جواب یاد نہیں

دل میں ہر وقت چبھن رہتی تھی
تھی مجھے کس کی طلب یاد نہیں

وہ ستارہ تھی کہ شبنم تھی کہ پھول
ایک صورت تھی عجب یاد نہیں

کیسی ویراں ہے گزرگاہِ خیال
جب سے وہ عارض و لب یاد نہیں

بھولتے جاتے ہیں ماضی کے دیار
یاد آئیں بھی تو سب یاد نہیں

ایسا الجھا ہوں غمِ دنیا میں
ایک بھی خوابِ طرب یاد نہیں

یہ حقیقت ہے کہ احباب کو ہم
یاد ہی کب تھے جو اب یاد نہیں

رشتۂ جاں تھا کبھی جس کا خیال
اُس کی صورت بھی تو اب یاد نہیں

یاد ہے سیرِ چراغاں ناصر
دل کے بجھنے کا سبب یاد نہیں

○

سازِ ہستی کی صدا غور سے سن — کیوں ہے یہ شور بپا غور سے سن
دن کے ہنگاموں کو بیکار نہ جان — شب کے پردوں میں ہے کیا غور سے سن
چڑھتے سورج کی ادا کو پہچان — ڈوبتے دن کی ندا غور سے سن
کیوں ٹھہر جاتے ہیں دریا سرِ شام — روح کے تار ہلا غور سے سن
یاس کی چھاؤں میں سونے والے — جاگ اور شورِ درا غور سے سن
ہر نفس دامِ گرفتاری ہے — نو گرفتارِ بلا غور سے سن
دل تڑپ اُٹھتا ہے کیوں آخرِ شب — دو گھڑی کان لگا غور سے سن
اسی منزل میں ہیں سب ہجر و وصال — رہرو آبلہ پا غور سے سن
اسی گوشے میں ہیں سب دیر و حرم — دل صنم ہے کہ خدا غور سے سن
کعبہ سنسان ہے کیوں اے واعظ! — ہاتھ کانوں سے اٹھا غور سے سن
موت اور زیست کے اسرار و رموز — آ مری بزم میں آ غور سے سن
کیا گزرتی ہے کسی کے دل پر! — تو بھی اے جانِ وفا غور سے سن
کبھی فرصت ہو تو اے صبحِ جمال — شب گزیدوں کی دعا غور سے سن
ہے یہی ساعتِ ایجاب و قبول — صبح کی لَے کو ذرا غور سے سن
کچھ تو کہتی ہیں چٹک کر کلیاں — کیا سناتی ہے صبا غور سے سن
برگِ آوارہ بھی اک مطرب ہے — طائرِ نغمہ سرا غور سے سن
رنگ منت کشِ آواز نہیں — گُل بھی ہے ایک نوا غور سے سن
خامشی حاصلِ موسیقی ہے — نغمہ ہے نغمہ نما غور سے سن
آئنہ دیکھ کے حیران نہ ہو — نغمۂ آبِ صفا غور سے سن
عشق کو حسن سے خالی نہ سمجھ — نالۂ اہلِ وفا غور سے سن
دل سے ہر وقت کوئی کہتا ہے — میں نہیں تجھ سے جدا غور سے سن

ہر قدم راہِ طلب میں ناصر
جرسِ دل کی صدا غور سے سن

ی کلی نے بھی دیکھا نہ آنکھ بھر کے مجھے
ر گئی جرسِ گل اداس کر کے مجھے

یں سو رہا تھا کسی یاد کے شبستاں میں
گا کے چھوڑ گئے قافلے سحر کے مجھے

یں رو رہا تھا مقدر کی سخت راہوں میں
ڑا کے لے گئے جادو تری نظر کے مجھے

یں تیرے درد کی طغیانیوں میں ڈوب گیا
پکارتے رہے تارے ابھر ابھر کے مجھے

رے فراق کی راتیں کبھی نہ بھولیں گی
مزے ملے انھیں راتوں میں عمر بھر کے مجھے

ذرا سی دیر ٹھہرنے دے اے غمِ دنیا
بلا رہا ہے کوئی بام سے اتر کے مجھے

پھر آج آئی تھی اک موجۂ ہوائے طرب
سنا گئی ہے فسانے ادھر ادھر کے مجھے

○

کچھ تو احساسِ زیاں تھا پہلے
دل کا یہ حال کہاں تھا پہلے

اب تو جھونکے سے لرز اٹھتا ہوں
نشۂ خوابِ گراں تھا پہلے

اب تو منزل بھی ہے خود گرمِ سفر
ہر قدم سنگِ نشاں تھا پہلے

سفرِ شوق کے فرسنگ نہ پوچھ
وقت بے قیدِ مکاں تھا پہلے

یہ الگ بات کہ غم راس ہے اب
اس میں اندیشۂ جاں تھا پہلے

یوں نہ گھبرائے ہوئے پھرتے تھے
دل عجب کنجِ اماں تھا پہلے

ڈیرے ڈالے ہیں بگولوں نے جہاں
اس طرف چشمہ رواں تھا پہلے

اب وہ دریا نہ وہ بستی نہ وہ لوگ
کیا خبر کون کہاں تھا پہلے

اڑ گئے شاخ سے یہ کہہ کے طیور
سرو اک شوخ جواں تھا پہلے

ہر خرابہ یہ صدا دیتا ہے
میں بھی آباد مکاں تھا پہلے

اب بھی تو پاس نہیں ہے لیکن
اس قدر دور کہاں تھا پہلے

کیا سے کیا ہو گئی دنیا پیارے
تو وہیں پر ہے جہاں تھا پہلے

ہم نے آباد کیا ملکِ سخن
کیسا سنسان سماں تھا پہلے

ہم نے بخشی ہے خموشی کو زباں
دردِ مجبورِ فغاں تھا پہلے

ہم نے ایجاد کیا تیشۂ عشق
شعلہ پتھر میں نہاں تھا پہلے

ہم نے روشن کیا معمورۂ غم
ورنہ ہر سمت دھواں تھا پہلے

ہم نے محفوظ کیا حسنِ بہار
عطرِ گل صرفِ خزاں تھا پہلے

غم نے پھر دل کو جگایا ناصر
خانہ برباد کہاں تھا پہلے؟

ابنِ انشا

○

اور تو کوئی بس نہ چلے گا ہجر کے درد کے ماروں کا
صبح کا ہونا دوبھر کر دیں رستہ روک ستاروں کا

جھوٹے سکوں میں بھی اٹھا دیتے ہیں یہ اکثر سچا مال
شکلیں دیکھ کے سودے کرنا کام ہوا بنجاروں کا

اپنی زباں سے کچھ نہ کہیں گے چپ ہی رہیں گے عاشق لوگ
تم سے تو اتنا ہو سکتا ہے پوچھو حال بچاروں کا

جس جپسی کا ذکر ہے تم سے دل کو اسی کی کھوج رہی
یوں تو ہمارے شہر میں اکثر میلا لگا ہے نگاروں کا

ایک ذرا سی بات تھی جس کا چرچا پہنچا گلی گلی
ہم گمناموں نے پھر بھی احسان نہ مانا یاروں کا

درد کا کہنا چیخ ہی اٹھو، دل کی نصیحت وضع نبھاؤ
سب کچھ سہنا چپ چپ رہنا کام ہے عزت داروں کا

انشا اب انہی اجنبیوں میں چین سے باقی عمر کٹے
جن کی خاطر بستی چھوڑی نام نہ لو ان پیاروں کا

○

سانحہ ہم پہ یہ پہلا ہے مری جاں کوئی ایسے دامن سے ملاتا ہے گریباں کوئی؟
قیس صاحب کا تو اس غم میں عجب حال ہوا اپنے رستے میں نہ پڑتا ہو بیاباں کوئی
ہم نے اپنے کو کوئی دیر سنبھالا ہوتا آن نکلے اگر آنسو سرِ مژگاں کوئی؟
یارو اس دردِ محبت کی دوا بتلاؤ ڈھونڈ لیں گے غمِ دوراں کا تو درماں کوئی
یک نظر دیکھنا، رم کرنا ہوا ہو جانا ان سے چھوٹی ہے بھلا خوئے غزالاں کوئی
ہم کسی سمت بھی نکلیں وہیں جا کر نکلیں ہم سے بھولی ہے رہِ کوچۂ جاناں کوئی
اب تری یاد میں روئیں گے نہ حیراں ہوں گے ان سے پیماں ہے کوئی دل سے تہیماں کوئی
سونی راتوں میں سرِ بسترِ خوابِ راحت بیٹھا رہتا ہے کسی بات پہ گریاں کوئی
بھیگی شاموں میں کھلے صحن میں تنہا تنہا کھویا کھویا نظر آتا ہے خراماں کوئی
دوستو دوستو اس شخص کو جا کر سمجھاؤ اپنے انشا کے سنبھلنے کا بھی ساماں کوئی

یہ بھی ہم لوگوں کی وحشت پہ ہنسا کرتا تھا
آیا اس خانۂ ویراں میں بھی مہماں کوئی

○

دل سی چیز کے گاہک ہوں گے دو یا ایک ہزار کے بیچ
انشا جی کیا مال لئے بیٹھے ہو تم بازار کے بیچ

پینا پلانا عین گنہ ہے، جی کا لگانا عین ہوس
آپ کی باتیں سب سچّی ہیں، لیکن بھری بہار کے بیچ؟

اے سخیو! اے خوش نظرو! یک گونہ کرم خیرات کرو
نعرہ زناں کچھ لوگ پھریں ہیں صبح سے شہرِ نگار کے بیچ

خار و خس و خاشاک تو جانیں ایک تجھی کو خبر نہ ملے
اے گلِ خوبی ہم تو عبث بدنام ہوئے گلزار کے بیچ

منّتِ قاصد کون اُٹھائے، شکوۂ درباں کون کرے
نامۂ شوق غزل کی صورت چھپنے کو دو اخبار کے بیچ

○

ساون بھادوں ساٹھ ہی دن ہیں پھر وہ رُت کی بات کہاں
اپنے اشک مسلسل برسیں اپنی سی برسات کہاں

چاند نے کتنی باتیں کر لیں — نکلا، چمکا، ڈوب گیا
ہم بھی آنکھ جھپک لیں، سو لیں؟ اے دل ہم کو رات کہاں

قیس کا نام سنا ہے تم نے ہم سے اب ملاقات کرو
عشق و جنوں کی منزل مشکل سب کی یہ اوقات کہاں

بیت کا کاروبار بہت ہے اب تو اور بھی پھیل چلا
اور جو کام جہاں کے دیکھیں فرصت دیں حالات کہاں

انشا جی ہم نظم کے شاعر، پھر بھی — خیر جو ہیں سو ہیں
کام کی بات غزل میں کہنا سب کے بس کی بات کہاں

کبھی اُن کے ملن کی آشا نے اک جوت جگا دی تھی من میں
اب من کا اجالا سنولایا، پھر شام ہے اپنے آنگن میں

جی گھلتا ہے آنسو ڈھلتے ہیں، ہر رین دیپ سے جلتے ہیں
اس برکھا سے جی کی آگ بجھے؟ یہ تو او رہی بھڑکے ساون میں

سبھی بول مدھر سبھی نین سجل، کن گلیوں میں تم ہمیں لے آئے
اس من کو نہ لوگو بھٹکاؤ، یہ من ہے کسی کے بندھن میں

ہر شکل کا روپ نہیں ہوتا، ہر روپ کو نام نہیں دیتے
کچھ شکلیں ہیں اپنی آنکھوں میں کچھ روپ ہیں اپنے درپن میں

کبھی من کے ابھٹا میں آؤ، وہ مورتیں تم کو دکھلائیں
وہ صورتیں تم کو دکھلائیں، ہم کھو گئے جن کے درشن میں

یہ چھیل چھبیلا کون پھرے اس متھرا کی نگری میں سکھیو!
سبھی باتیں کہ اپنے شیام میں تھیں اب دیکھ لو اس منموہن میں

ہر ایک پہ نظریں اٹھتی تھیں ہر ایک پہ جی کو مچلنا تھا
اس شہر میں روپ کا کال نہیں کچھ اور ہے اپنے ساجن میں

یا بن میں چکارے ملتے ہیں یا پیت کے مارے ملتے ہیں
کچھ پورب میں کچھ پچھم میں کچھ اُتّر میں کچھ دکھّن میں

شہروں میں پھرے سنیاس لیے، جمنا کے تٹیں بھگوان کہے
اِنشا سا کوئی رمتا دیکھا؟ کہنے کو ہیں جوگی ہر بن میں

اُس حسن کے نام پہ یاد آئے سب منظر فیض کی نظموں کے
وہی رنگِ حنا، وہی بندِ قبا وہی پھول کھلے پیراہن میں

ہم لوگوں کے آنے سے پہلے بھی تم لوگ ادھر سے گزرتے تھے
کبھی پھول بھی دیکھے غرفوں میں کبھی قوسِ قزح کسی چلمن میں

ہم ان سے جو مل کر دور رہوئے مجبور رہوئے، رنجور رہے
اب دل کا ٹھکانا مشکل ہے ہاں جان رہے گی امن میں

تم لوگوں نے چاند بجھا ڈالا، شبِ ماہ کا لطف گنوا ڈالا
اب لاکھ چراغ جلانے پھر و ہر راستے پر ہر روزن میں

کبھی میر فقیر کی بیتوں سے کبھی غزلوں سے انشا صاحب کی
ان برہ کی بے کل راتوں میں ہم جوت جگاتے ہیں من میں

(حرف بازباں گفتن)

ہم رات بہت روئے بہت آہ و فغاں کی — دل درد سے بوجھل ہو تو پھر نیند کہاں کی

سر زانو پہ رکھے ہوئے کیا سوچ رہی ہو — کچھ بات سمجھتی ہو محبت زدگاں کی ؟

تم میری طرف دیکھ کے چپ ہو سی گئی تھیں — وہ ساعتِ خوش وقتِ نشاطِ گزراں کی

اک دن یہ سمجھتے تھے کہ پایانِ تمنا — اک رات ہے مہتاب کے ایامِ جواں کی

اب اور ہی حالت ہے مگر جانِ تمنا — ہم نالہ کشاں، بے گنہاں، غم زدگاں کی

اس گھر کی کھلی چھت پہ چمکتے ہوئے تارو — کہتے ہو کبھی بات وہاں جا کے یہاں کی؟

برگشتہ ہوا ہم سے یہ مہتاب تو پیارو — بس بات بنی راہ چلا کاہکشاں کی

انشا سے ملو اس سے نہ روکیں گے و لیکن — اس سے یہ ملاقات نکالی ہے کہاں کی؟

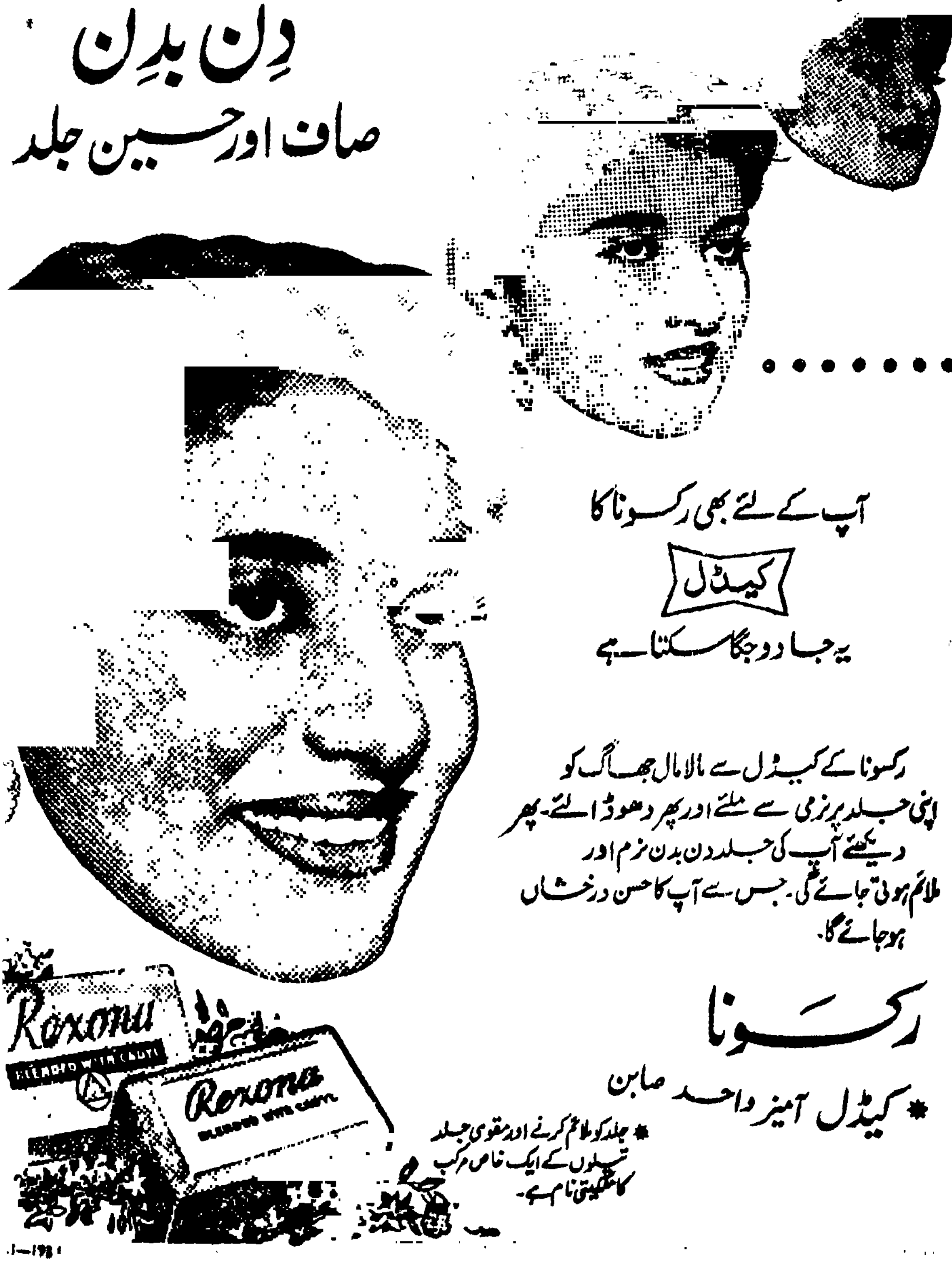
مشہور ہے ہر بزم میں اس شخص کا سودا — باتیں ہیں بہت شہر میں بدنام میاں کی

اے دوستو اے دوستو، اے درد نصیبو — گلیوں میں چلو سیر کریں شہر بتاں کی

ہم جائیں کسی سمت، کسی چوک پہ ٹھہریں — کہنا نہ کوئی بات کسی سود و زیاں کی

انشا کی غزل سن لو پہ رنجور نہ ہونا — دیوانہ ہے دیوانے نے اک بات بیاں کی

ہوتا ہے یہی عشق میں دستور سبھی کا
باتیں یہی دیکھی ہیں محبت زدگاں کی


دِن بدِن
صاف اور حسین جلد
آپ کے لئے بھی رکسونا کا
کیڈل
یہ جادو جگا سکتا ہے
رکسونا کے کیڈل سے مالامال جھاگ کو
اپنی جلد پر نرمی سے ملئے اور پھر دھو ڈالئے۔ پھر
دیکھئے آپ کی جلد دن بدن نرم اور
ملائم ہوتی جائے گی۔ جس سے آپ کا حسن درخشاں
ہو جائے گا۔
رکسونا
* کیڈل آمیز واحد صابن
* جلد کو ملائم کرنے اور مقوی جلد
تیلوں کے ایک خاص مرکب
کا تحقیقی نام ہے۔
Rexona
Rexona
Blended with Cadyl

سراج دکنی

○

لیا ہے نقدِ جانِ بلبلاں، یعنی خراج اپنا
چلایا خسروِ گل نے اسی رنگوں رواج اپنا

اسے غم! صبح آنے کی خبر ہے سرو قامت کی
قیامت کل تو آتی ہے عمل کر لے تو آج اپنا

لگا کر راکھ جوگن ہوئی قمری باغ کو تج کر
مگر کوئی سرو قد کے واسطے چھوڑے ہے راج اپنا

ترا غم زہر تھا پن نوشدارو جان کر کھایا
کیا ہے اپنے ہاتھوں دل ہمارے نے علاج اپنا

وہ ظالم ہم کو جلتا دیکھ کر اتنا بھی کہتا نہیں
کہ کیا ثابت قدم ہے کیوں نہ ہو آخر سراج اپنا

○

خبرِ تحیرِ عشق سن، نہ جنوں رہا، نہ پری رہی
نہ تو تُو رہا، نہ تو میں رہا، جو رہی سو بے خبری رہی

شہِ بے خودی نے عطا کیا، مجھے اب لباسِ برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی، نہ جنوں کی جامہ دری رہی

چلی سمتِ غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخِ نہالِ غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

نظرِ تغافلِ یار کا گلہ کس زباں سے کروں بیاں
کہ شرابِ حسرت و آرزو خمِ دل میں تھی، سو بھری رہی

وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی سو وہ دھری رہی

ترے جوشِ حیرتِ حسن کا اثر اس قدر سے یہاں ہوا
کہ نہ آئینے میں جلا رہی نہ پری میں جلوہ گری رہی

کیا خاک آتشِ عشق نے دلِ بے نوائے سراج کو
نہ خطر رہا، نہ حذر رہا، جو رہی سو بے خطری رہی

شاہ مبارک آبرو

○

جان! اگر دشمن ہوئے ہو تم ہمارے اس قدر
تو ہمارے دل کو کیوں لگتے ہو پیارے اس قدر

گاہ گاہے پیار کی آنکھوں سے کرتا ہے نگاہ
مہرباں ہوتا چلا ہے اب تو پیارے اس قدر

دیکھنے کو دوڑتے ہیں لوگ بھونچپا سمجھ
آہ سے دل کے نکلتے ہیں شرارے اس قدر

عاجزوں کو بے گنہ آزار دینا خوب نہیں
ڈر خدا سے! آبرو کو مت ستا رے اس قدر

○

دیکھو تو جان! تم کو میں تا ہوں کب ستی
بولو خدا کے واسطے! ٹک لال لب ستی

یہ جانیو ہر ایک سے لالچ نہیں ہے خوب
ہے بھیک مانگ کھانا بھلا اس کسب ستی

پانی میں ڈوب، آگ میں جل کر مرو، پن ایک
عاشق نہ ہو، پکار کے کہتا ہوں سب ستی

باندھا ہے برگ تاک کا کیوں سر پہ سہرا
کیا آبرو کا بیاہ ہے بنت العنب ستی

شاہ حاتم

عاشق کا جہاں میں گھر نہ دیکھا
ایسا کوئی دربدر نہ دیکھا

جیسا کہ اُڑے ہے طائرِ دل
ایسا کوئی تیز پر نہ دیکھا

خوبانِ جہاں ہوں جس سے تسخیر
ایسا کوئی ہم ہنر نہ دیکھا

اس تیغ نگہ سے ہو مقابل
ایسا کوئی بے جگر نہ دیکھا

جو آب ہے آبرو میں حاتمؔ
ایسا کوئی ہم گہر نہ دیکھا

تمہارے عشق میں ہم ننگ و نام بھول گئے
جہاں کے کام تھے جتنے، تمام بھول گئے

گئے تھے زعم میں اپنے پر اس کو دیکھتے ہی
جو دل نے ہم سے کہے تھے پیام، بھول گئے

تری طرف ہوئی صورت گرانِ چیں کی نگاہ
قلم کو ہاتھ سے رکھ، اپنا کام بھول گئے

تری یہ زلفِ گرہ گیر دیکھ کر صیّاد
شکار آپ ہوئے، صید و دام بھول گئے

بڑا غضب ہے کہ حاتمؔ کو تم نہ پہچانا
وہی قدیم تمھارا غلام بھول گئے

میر سوز

○

یہ تیرا عشق کب کا آشنا تھا
کہاں کا جان کو میری دھراتھا

وہ ساعت کونسی تھی یا الٰہی !
کہ جس ساعت دوچار اس سے ہوا تھا

میں کاش ! اس وقت آنکھیں موند لیتا
کہ میرا دیکھنا، مجھ پہ بلا تھا

میں اپنے ہاتھ اپنے دل کو کھویا
خداوندا ! میں کیوں عاشق ہوا تھا

ولے کیا آن تھی، اللہ اللہ !
کہ جس غمزے سے چھاتی پہ چڑھا تھا

وہ مجھ کو ذبح کرتا تھا چھری سے
میں اس کی تیز دستی تک رہا تھا

نہ تھا اس وقت، جز اللہ، کوئی
ولے یہ سوزؔ پہلو میں کھڑا تھا

○

مری جان جاتی ہے، یارو سنبھالو!
کلیجے میں کانٹا چبھا ہے، نکالو

نہ بھائی مجھے زندگانی نہ بھائی
مجھے مار ڈالو، مجھے مار ڈالو

خدا کے لئے ! اے مرے ہم نشینو!
یہ بانکا جو جاتا ہے اس کو بلالو

اگر وہ نہ آوے تمہارے کہے سے
تو منت کرو، گھیر کے گھیرنے بلالو!

اگرچہ خفا ہو کے وہ گالیاں دے
تو دم لے رہو، کچھ نہ بولو نہ چالو

کہو: ایک بندہ تمہارا مرے ہے
اسے جاں کنی سے تو جا کر بچالو!

ہلوں کی بری آہ ہوتی ہے پیارے
تم اس سوزؔ کی اپنے حق میں دعا لو

میر سوز

○

یہ تیرا عشق کب کا آشنا تھا
کہاں کا جان کو میری دھراتھا

وہ ساعت کونسی تھی یا الٰہی !
کہ جس ساعت دو چار اس سے ہوا تھا

ہیں کاش ! اس وقت آنکھیں موند لیتا
کہ میرا دیکھنا ، مجھ پہ بلا تھا

میں اپنے ہاتھ ، اپنے دل کو کھویا
خداوندا ! میں کیوں عاشق ہوا تھا

ولے کیا آن تھی ، اللہ اللہ !
کہ جس غمزے سے چھاتی پہ چڑھا تھا

وہ مجھ کو ذبح کرتا تھا چھری سے
میں اس کی تیز دستی تک رہا تھا

نہ تھا اس وقت ، جز اللہ ، کوئی
و لے یہ سوز پہلو میں کھڑا تھا

○

مری جان جاتی ہے ، یارو ! سنبھالو !
کلیجے میں کانٹا چبھا ہے ، نکالو

نہ بھائی مجھے زندگانی نہ بھائی
مجھے مار ڈالو ، مجھے مار ڈالو

خدا کے لئے ! اے مرے ہم نشینو !
یہ بانکا جو جاتا ہے اس کو بلا لو

اگر وہ نہ آوے تمہارے کہے سے
تو منت کرو ، گھیرے گھیر کے بلا لو !

اگرچہ خفا ہو کے وہ گالیاں دے
تو دم لے رہو ، کچھ نہ بولو نہ چالو

کہو : ایک بندہ تمہارا مرے ہے
اسے جاں کنی سے تو جاکر بچالو !

ہلوں کی بُری آہ ہوتی ہے پیارے
تم اس سوز کی اپنے حق میں دعا لو

قائم چاندپوری

○

ہو گرا ایسے ہی مری شکل سے بیزار بہت
تم سلامت رہو! بندہ کے خریدار بہت

ہم دگر جب خفگی آئی تو جھگڑا کیا ہے
تم کو خواہندہ بہت، ہم کو طرحدار بہت

سچ کہو، قتل پہ کس کے یہ کمر باندھی ہے
ان دنوں ہاتھ میں تم رکھتے ہو تلوار بہت

قائم آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری
مر چکے ہیں اسی آزار سے بیمار بہت

○

رکھتا ہے جو توصفائے عارض
موتی نے کہاں یہ پائے عارض

اک صافیِ تن ہے گل ہیں بھی نیک
ایسا وہ کہاں سے لائے عارض

اس سینے سے منہ نہ کر، نہ لے داغ
اس کی بھی کبھو یہ جائے عارض

بیعانے میں مہر و ماہ دیجے
تیرا ہو جہاں بہائے عارض

کس سے کہوں اس کے منہ کا نقشہ
اے وائے جبین و ہائے عارض

کیا دہر، جو حشر ہووے قائم
مکھ ماٹ جو وہ دکھائے عارض

انعام اللہ خاں یقینؔ

سر پہ سلطنت سے آستانِ یار بہتر تھا
ہمیں ظلِ ہما سے سایۂ دیوار بہتر تھا

مجھے زنجیر کرنا کیا مناسب تھا بہاراں میں
کہ گل ہاتھوں میں اور پاؤں میں میرے خار بہتر تھا

ہموں نے ہجر سے کچھ وصل میں دھڑکے بہت دیکھے
ہمارے حق میں اس راحت سے وہ آزار بہتر تھا

مرا دل مر گیا، جس دن سے نظارہ سے باز آیا
یقیںؔ پرہیز اگر کرتا، تو وہ بیمار بہتر تھا

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
نرا بُرا نہیں یہ شغل، کچھ بھلا بھی ہے

اس اشک و آہ سے سودا بگڑ نہ جائے کہیں
یہ دل کچھ آب رسیدہ ہے کچھ جلا بھی ہے

یہ آرزو ہے کہ اس بے وفا سے یہ پوچھوں
کہ میرے سب بے مزہ رکھنے میں کچھ مزا بھی ہے

یہ کون ڈھب ہے سجن خاک میں ملانے کا
کسو کا دل کبھو پاؤں تلے ملا بھی ہے

یقیںؔ کا شورِ جنوں سن کے یار نے پوچھا
کوئی قبیلۂ مجنوں میں کیا رہا بھی ہے

خواجہ احسن اللہ بیاںؔ

○

میں ترے ڈر سے رو نہیں سکتا
گردِ غم دل سے دھو نہیں سکتا

شب مرا شورِ گریہ سُن کے کہا
اس کے ہاتھوں میں سو نہیں سکتا

مصلحت ترکِ عشق ہے ناصح
لیک یہ ہم سے ہو نہیں سکتا

جوں سلکِ بیاںؔ کے ہے سخن
کوئی موتی پرو نہیں سکتا!

○

جو ہوتا ہے ریحان و سنبل کے صدقے
نہ ہوں کیوں کہ اس زلف و کاکل کے صدقے

خزاں میں بھی چھوڑا نہ طوفِ چمن کو
غرض ہو جیے عشقِ بلبل کے صدقے

جلو میں پھرے ہیں پری زاد لڑکے
دوانے ترے اس تجمل کے صدقے

ابھی وعدہ کر کر لگا سوچنے تو
نہیں یاد گویا، تامل کے صدقے

بیاںؔ کون ہے؟ اب تلک پوچھتے ہو
تغافل کے قربان، تجاہل کے صدقے

ہدایت خاں ہدایت

پہنچے ہے فصلِ گل کوئی حسنِ نگار کو
ٹکڑے پر اس کے صدقے کیا تو بہار کو

کس دل جلے کی آگ لے گزری چمن میں آج
دیکھا عرق فشاں ہیں نسیمِ بہار کو

لازم ہے دستگیریٔ افتادگاں نسیم!
لے پہنچ اس گلی کے تئیں میرے غبار کو

نالے سے میرے اور تو اب چاہتا ہے کیا
پانی تو کر دیا ہے دلِ کوہسار کو

اللہ رے کارخانۂ تقدیرِ ذوالجلال
یہ اعتبارِ ہستیٔ بے اعتبار کو

رہا مرتے مرتے مجھے غم اسی کا
نہیں بعد میرے کوئی بے کسی کا

کیا تیغِ قاتل نے جب کام اپنا
ہیں منہ دیکھتا رہ گیا بے بسی کا

عبث ہے غرض ان بتاں سے بھی ملنا
نہیں آج دنیا میں کوئی کسی کا

کیا حسن سے اُس نے آگاہ اُس کو
الٰہی! ہو خانہ خراب آرسی کا

ہدایت کہا ریختہ جب سے ہم نے
رواج اُٹھ گیا ہند سے فارسی کا

میر محمدی بیدار

ہم پہ سو ظلم و ستم کیجیے گا
ایک ملنے کو نہ کم کیجیے گا

گر یہی زلف و یہی مکھڑا ہے
غارتِ دیر و حرم کیجیے گا

جی میں ہے آج بجائے مکتوب
یہی بیت اس کو رقم کیجیے گا

مہربانی سے پھر اے بندہ نواز!
کبھی اِس روز کرم کیجیے گا

تیری ہم خاطرِ نازک سے حذر کرتے ہیں
ورنہ یہ نالے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں

دل و دیں تھا، سو لیا، اور بھی کچھ مطلب ہے؟
بار بار آپ جو ایدھر کو نظر کرتے ہیں

کیا ہو گر ایک گھڑی یاں بھی کرم فرمائیے
آپ اِس راہ سے آخر تو گزر کرتے ہیں

تیرے ایامِ فراق، اے صنمِ مہر گسل
آہ! مت پوچھ کہ کس طرح بسر کرتے ہیں

دن کو پھرتے ہیں تجھے ڈھونڈتے اور رات تمام
شمع کی طرح سے رو رو کے سحر کرتے ہیں

یہ وہی فتنہ و آشوبِ جہاں ہے بیدار
دیکھ کر پیر و جواں جس کو حذر کرتے ہیں

بس نہیں خوب کہ ایسے کو دل اپنا دیجے
آگے تو جان میاں! ہم تو خبر کرتے ہیں

میر عبدالحی تاباںؔ

○

رہتا ہے خاک و خوں میں سدا لوٹتا ہُوا
میرے غریب دل کو الٰہی! یہ کیا ہُوا

میں اپنے دل کو غنچۂ تصویر کی طرح
یا رب! کبھی خوشی سے نہ دیکھا کھِلا ہُوا

تو دیکھ مجھ کو نزع میں مت کڑھ کہ تیرے یار
مجھ سے بہت ہیں، ایک نہ ہوگا، تو کیا ہُوا

ہر دم کروں نہ کیوں کہ گریباں کو اپنے چاک
آتا ہے یاد، یار کا جامہ چَپا ہُوا

تاباںؔ کے دیکھنے سے بُرا مانتے تھے ہم
کھو دی بہار خط نے تمھاری، بھلا ہُوا

○

آئی بہار، شورشِ طفلاں کو کیا ہُوا
اہلِ جنوں کدھر گئے، یاراں کو کیا ہُوا

غنچے لہو میں تر نظر آتے ہیں تہ بہ تہ
اس رشکِ گل کو دیکھ، گلستاں کو کیا ہُوا

اُس جامہ زیب غنچہ دہن کو چمن میں دیکھ
حیراں ہوں میں کہ گل کے گریباں کو کیا ہُوا

آنے سے تیرے خط کے یہ کیوں ہے گرفتہ دل
بتلا کہ تیری زلفِ پریشاں کو کیا ہُوا

روتے ہی تیرے غم میں گزر گئی ہے اس کی عمر
پوچھا کبھی نہ تو نے کہ تاباںؔ کو کیا ہُوا

میر اثرؔ

○

ہم ہیں بے دل، دل اپنے پاس نہیں
آہ! اس کا بھی تجھ کو پاس نہیں

بے وفا کچھ نہیں تری تقصیر
مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں

قتل میرا ہے، تیری بدنامی
جان کا وہ نہ کچھ ہراس نہیں

تو ہی بہتر ہے ہم سے آئینے!
ہم تو اتنے بھی روشناس نہیں

یوں خدا کی خدائی برحق ہے
پر اثرؔ کی ہمیں تو آس نہیں

○

دل میں ہے جو ترے از سر نو یاد کریں
تو سنے یا نہ سنے، نالہ و فریاد کریں

ان بتوں کی ہے بڑی دوڑ، یہی دل شکنی
یہ کہاں، جو یہ کسی دل کے تئیں شاد کریں

ہم اسیروں کی اسے چاہیئے خاطرداری
اور الٹی نہ کہ ہم خاطرِ صیاد کریں

آپ نے دل سے بھلا ٹک تو نکل جائے بخار
اور بھی جی میں جو کچھ ہووے سو ارشاد کریں

جعفر علی حسرت

○

خدا حافظ ہے کیوں محفل میں اس کا نام آیا تھا
تڑپنے سے ابھی دل کو مرے آرام آیا تھا

فلک اک دم بھی تو نے وصل کی شب کو نہ ٹھہرایا
یہ ساری عمر میں تجھ تک ہمارا کام آیا تھا

بہاریں بھول گئیں، پر یاد ہے اتنا کہ گلشن میں
گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا

نہیں معلوم کیا تھا، جو سحر تک شمع رویا کی
کچھ اپنا حال پروانہ سنانے شام آیا تھا

ہوا لبریز جامِ زندگی جس وقت اے حسرت
دریغ! اس وقت میں ساقی پلانے جام آیا تھا

○

کس کا ہے جگر، جس پہ یہ بیداد کروگے
لو! دل تمہیں ہم دیتے ہیں، کیا یاد کروگے

دل لینے کو اور دل سے بھی کہہ دیکھیو بھلا کچھ
لا دیں گے بجا ہم تو، جو ارشاد کروگے

بے خوابی و حیرانی و طغیانیٔ گریہ
سب آنکھوں پہ ہم لیں گے جو امداد کروگے

تاراج کیا صبر و دل و جان، پھر آگئے
کیا خاک ہے مجھ میں، جسے برباد کروگے

کہہ دیجو صبا ٹک تو جوانانِ چمن سے
فرحت ہے کسی دل کو اگر شاد کروگے

پانی کریں پتھر کو بھی حسرت کی یہ آہیں
دل اپنا بتاں تم تئیں فولاد کروگے

سعادت یار خاں رنگین

○

دل تھا جو بساط اپنی، سو گذران چکے ہیں
جی نذر کریں، جی میں یہ اب ٹھان چکے ہیں

مت چُوک! ادھر دیکھ! یہ ہے مفت کا سودا
اک بوسہ پہ دین و دل و ایمان چکے ہیں

سو بار کہا: آؤں گا، اور آئے نہ ہرگز
بدعہد ہو تم، ہم تمھیں پہچان چکے ہیں

پھر چل، نہیں کچھ وقت ادھا، بس سونے دے رنگیں
وہ منہ پہ دوپٹے کے تئیں تان چکے ہیں

○

تجھ سے جس وقت کہ خالی یہ مکاں رہتا ہے
مجھ کو تنہائی میں پہروں خفقاں رہتا ہے

شکوہ ہم کرتے ہیں کیوں، رسم ہے دنیا کی یہی
دل جو لگتا ہے، تو پھر پاس کہاں رہتا ہے

جو ترے پاس سے آتا ہے، میں پوچھوں ہوں یہی
کیوں جی! کچھ ذکر ہمارا بھی وہاں رہتا ہے

پنکھڑی گُل کی جو کروٹ تلے اُس کے آئے
نازک اتنا ہے بدن اس کا، نشاں رہتا ہے

ق

اس ستم گر سے ہمارے جو کسی نے پوچھا
کوئی رنگیں بھی ترے کوچہ میں یاں رہتا ہے

تو کچھ اک تاؤ سا کھا، چیں بہ جبیں ہو کے مریں
گالی دے کر یہ کہا اس نے کہ ہاں رہتا ہے

شاہ نصیر

○

کب دل نہیں پھولوں سے ہمارا ہمہ تن چشم
نظارۂ ساقی کو ہے مینا ہمہ تن چشم

تو وہ چمن آرا ہے کہ ہر دستۂ نرگس
دیکھے ہے ترا بن کے تماشا ہمہ تن چشم

برقع کو الٹ منہ سے، جو کرنا ہے تو باتیں
اب میں ہمہ تن گوش بنوں یا ہمہ تن چشم

کیا خاک ہو صیاد مجھے چشم رہائی
حلقوں سے بنا دام ہے تیرا ہمہ تن چشم

آنکھوں کے تصور میں نصیر اس کی شب و روز
دل صورتِ آئینہ ہے اپنا ہمہ تن چشم

○

قدم نہ رکھ مرے چشم پُر آب کے گھر میں
بھرا ہے موج کا طوفاں حباب کے گھر میں

کہے ہے دیکھ کے وہ عکس رُخ بہ ساغرِ مے
نزولِ ماہ ہُوا، آفتاب کے گھر میں

مدام رند کریں کیوں نہ آستاں بوسی
حرم ہے شیخِ مشیخت مآب کے گھر میں

ہمارے دل میں کہاں آبلے ہیں اے ساقی
چنے ہوئے ہیں یہ شیشے شراب کے گھر میں

دلا! نہ کیوں کہ کروں اختلاط کی باتیں
حجاب کیا ہے اب اس بے حجاب کے گھر میں

نصیر دیکھ! تو کیا جلوہ خدائی ہے
ہمارے اس بتِ خانہ خراب کے گھر میں

میر نظام الدین ممنونؔ

○

بندہ ہوں حسنِ صورت و عشقِ مجاز کا
ہر آئینہ میں جلوہ ہے اس جلوہ ساز کا

اے آہ بے ادب نہ اسے پھونکیو کہ ہے
دل جلوہ گاہ پردہ نشینانِ راز کا

ہے آستانِ دیر پہ اپنی نشست و خاست
کب ہو حرم میں ہم کو ارادہ نماز کا

یاں جان تک بھی دے چکے پروا ہی واں نہیں
جھگڑا چکے گا کیوں کہ یہ ناز و نیاز کا

ممنوں دلِ ستم زدہ ہے عشق کا حریف
یاں ہے دو چار صعوۂ بے بال ، باز کا

○

ہم سے کتنے بے دلوں کی کب ہے منزل تک پہنچ
یار گو دل میں ہے پر ہم کو کہاں دل تک پہنچ

کشتیٔ طاقت شکستہ اور بحرِ غم کا جوش
مژدہ نومیدی نہیں اب اپنی ساحل تک پہنچ

دشتِ تنہائی میں صحرا گرد ہے جوں گرد باد
مشتِ خاکِ قیس کی مشکل ہے محمل تک پہنچ

صید گاہِ شوق میں کیا بے ادب وہ صید ہے
جو کہ جاتا ہے تڑپ کر پائے قاتل تک پہنچ

کرامت علی شہیدی

ہزار مرتبہ دیکھا ستم جدائی کا
ہنوز حوصلہ باقی ہے آشنائی کا

پری اٹھی مرے پہلو سے بار رہا ناکام
فریفتہ ہوں تری طرزِ دلربائی کا

مجھے عذابِ جہنم کہ بت پرست ہوں میں
وہ بت بہشت میں، دعویٰ جسے خدائی کا

فضائے باغ سے ہے گوشۂ قفس خوش تر
گر اپنے دل میں نہ ہو دغدغہ رہائی کا

ادب نہ وادیٔ وحشت کے مجھ سے ترک ہوئے
جنوں میں ہوش رہا ہے برہنہ پائی کا

نگاہ، خندہ، تغافل، عتاب، کہنہ ہوئے
نکال طرز نیا کوئی دلربائی کا

بتوں کا سجدہ مری سرشت میں کب تھا
کہ عزم کعبہ کے در پر ہو جبہ سائی کا

اچک رہا ہے کھڑا بامِ عرش پر کم بخت
قلق ہے مجھ کو شہیدی کی نارسائی کا

جی چاہے گا جس کو، اسے چاہا نہ کریں گے
ہم عشق و ہوس کو کبھی یک جا نہ کریں گے

اے کاش! اچٹیں عہد شکن بن کے جہاں میں
باز آئے! وفاداری کا دعویٰ نہ کریں گے

گو حسن پرستی نہ ہو خاطر سے فراموش
خوش قامتوں کا یاد سراپا نہ کریں گے

نرگس کی شبِ تیرہ میں لوٹیں گے بہاریں
پر سرمگیں آنکھوں کی تمنا نہ کریں گے

بہلائیں گے سیرِ گل و شبنم سے دل اپنا
اس عارضِ گل رنگ کی پروا نہ کریں گے

انگاروں پہ لوٹیں گے، پر ان شعلہ رخوں کے
نظارہ سے ہم آنکھ بھی سینکا نہ کریں گے

عصمت کا انھیں خوف ہے تقویٰ کا ہمیں پاس
نے کی ہے کبھی خواہش بے جا، نہ کریں گے

بکنے کے شہیدی کے برا مانیو مت جان!
ہیں عاشق صادق کبھی ایسا نہ کریں گے،

وزیر لکھنوی

○

چلا ہے او دلِ راحت طلب! کیا شادماں ہو کر
زمینِ کوئے جاناں رنج دے گی آسماں ہو کر

اسی باعث تو قتلِ عاشقاں کو منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسفِ بے کارواں ہو کر

کیا قتل اس نے غیروں کو، موئے ہم رشک کے مارے
اجل بھی دیکھو! آئی نصیبِ دشمناں ہو کر!

بناوٹ سے نے بگاڑا، باتیں سنوائیں خموشی نے
نہ پوچھو ہم نے کیا ہی منہ کی کھائی بے زباں ہو کر

وہ پیارا ہوں، لگا کر تیغ پر آب اس نے جب کھینچی
نکل آئی دہانِ زخم سے سوکھی زباں ہو کر

ادا سے جھک کے ملتے ہو، نگہ سے قتل کرتے ہو
ستم ایجاد ہو، ناوک لگاتے ہو، کماں ہو کر

○

سر مرا کاٹ کے پچھتائیے گا
جھوٹی پھر کس کی قسم کھائیے گا

کیا گریباں نے گلا گھونٹا ہے
ادھر اے دستِ جنوں آئیے گا

آپ کہتے ہیں کہ جا، جاتا ہوں
پر اکیلے بھی تو گھبرائیے گا

تھام لوں دل کو ذرا ہاتھوں سے
ابھی پہلو سے نہ اٹھ جائیے گا

کہیے! یارانِ عدم کیا گزری
کچھ لبِ گور سے فرمائیے گا

مردمِ چشم سے گر آئے حجاب
آنکھ کے پردے میں چھپ جائیے گا

ہم بھی آ نکلیں گے مسجد میں وزیر
خشتِ خم لے کے جو ہو آئیے گا

صبا لکھنوی

○

واعظ کہے میں ضرور ڈرانے سے ڈر گیا
جامِ شراب لائیے بھی ساقی کدھر گیا

بلبل کہاں، بہار کہاں، باغباں کہاں
وہ دن گزر گئے، وہ زمانہ گزر گیا

ایسی ہوا چلی مری آہوں کی رات کو
سب آسماں پہ خرمنِ انجم بکھر گیا

اچھا ہوا جو گئے وحدت پرست ہم
فتنہ گیا، فساد گیا، شور و شر گیا

کعبے کی سمت سجدہ کیا دل کو چھوڑ کر
تو کس طرف تھا دھیان ہمارا کدھر گیا

پھر سیرِ لالہ زار کو ہم اے صبا چلے
آئی بہار، داغِ جنوں پھر ابھر گیا

○

تیری طرف سے دل اے جانِ جاں اُٹھا نہ سکے
بہت ضعیف تھے بارِ گراں اُٹھا نہ سکے

ہزار بار بہار آئی لیکن اے صیاد
نگاہ ہم طرفِ بوستاں اُٹھا نہ سکے

اسیرِ زلف جو مرتے ہیں تو اب وہ کہتے ہیں
ذرا بھی صدمۂ قیدِ گراں اُٹھا نہ سکے

سنیں جو یار کی باتیں غش آگیا ہم کو
یہ ناتواں تھے کہ لطفِ بیاں اُٹھا نہ سکے

دیا شنکر نسیم

جب ہو چکی شراب تو مَیں مست مر گیا
شیشے کے خالی ہوتے ہی پیمانہ بھر گیا

نَے قاصدِ خیال، نہ پیکِ نظر گیا
اُن تک مَیں اپنی آپ ہی لے کر خبر گیا

سمجھا ہے حق کو اپنے ہی جانب ہر ایک شخص
یہ چاند اس کے ساتھ چلا، جو جدھر گیا!!

طوفانِ نوح اس میں ہو یا شورِ حشر ہو
ہونا جو کچھ ہے ہوگا، جو گزرا، گزر گیا

مَیں نے بھی آنکھیں دیکھی ہیں پریوں کی جا بجا
تم نے دکھائی آنکھ مجھے، اور مَیں ڈر گیا!

گزرا جہاں سے مَیں تو کہا سن کے یار نے
قصّہ گیا، فساد گیا، دردِ سر گیا!

کاغذ سیاہ کرتے ہو کس کے لیے نسیم
آیا جوابِ خط نہیں اور نامہ بر گیا

خُم نہ بن کر خود غرض ہو جائیے
مثلِ ساغر اوروں کے کام آئیے

ابرِ رحمت سنتے ہیں نام آپ کا
خاکساروں پر کرم فرمائیے!

آپ آہو چشم ہیں، آہو نہیں!
ہم سے وحشت کی نہ لیجے، آئیے!

صبر رخصت ہو تو جانے دیجیے
بے قراری آئے، تو ٹھہرائیے

جوہرِ تیغِ نگہ کھل جائے گا!
منہ نہ میرے زخم کا کھلوائیے

دل میں ہے دکھلائیے تاثیرِ عشق
ٹھنڈی سانسوں سے انہیں گرمائیے

سرد آہیں بھرتے ہیں جب ہم نسیم
کہتے ہیں وہ: ٹھنڈے ٹھنڈے جائیے

رند لکھنوی

○

رکھو خدمت میں مجھ سے کام تو لو
بات کرتے نہیں سلام تو لو

بات تم نے نہیں کی غیر سے کل
سر پہ اللہ کا کلام تو لو!

ناز و انداز و حسن و خوبی میں
کون ہے تم سا، اس کا نام تو لو

رند حاضر ہیں شیشہ و ساغر
مے نہ سمجھو اگر حرام تو لو!

○

مجھے رو رو کے دل، جان کھونا پڑا ہے
غرض ہاتھ دونوں سے دھونا پڑا ہے

جو رونا یہی ہے، تو پھوٹیں گی آنکھیں
مجھے اب تو آنکھوں کا رونا پڑا ہے

کئے سینکڑوں گھر محبت نے غارت
سنو جس محلے میں، رونا پڑا ہے

میں پاتا نہیں دل کو سینے میں اپنے
کئی دن سے خالی یہ کونا پڑا ہے

کرو چل کے آباد اب گور اسے رند!
بہت دن سے سونا وہ کونا پڑا ہے

نسیم دہلوی

نواب اصغر علی خاں

فصلِ گل آئی ہے گل اور ہی سامان ہوں گے
میرے دامن میں ترے دستِ گریباں ہوں گے

سخت کافر ہیں حسینوں کی نہ سُن تو اے دل!
چار دن بعد یہی دشمنِ ایماں ہوں گے

کس طرح جائیں گے مانع ہے ہمیں خوفِ مزاج
زلف پر خم ہے تو کچھ وہ بھی پریشاں ہوں گے

گریہ انجامِ تبسم، نہ ہنس اے غافل!
خون روئیں گے وہی زخم، جو خنداں ہوں گے

یاد آئے گا پسِ مرگ ہمارا یہ کمال
حال کھل جائے گا، جب خاک میں پنہاں ہوں گے

خانہ نادوں کو کہاں قیدِ محبت سے فراغ
ہم وہ بلبل ہیں یہیں خاکِ گلستاں ہوں گے

دورِ ہر نخل کریں گے صفتِ گرد نسیم
تو پسِ مرگ بھی قربانِ گلستاں ہوں گے

○

دیکھ او قاتل! بسر کرتے ہیں کس مشکل سے ہم
چارہ گر سے درد نالاں، درد سے دل، دل سے ہم

ہائے کیا بے خود کیا ہے غفلتِ امید نے
حالِ دل کہتے ہیں اپنا پھر اسی قاتل سے ہم

رشکِ امداد نے کیے روشن بدن میں استخواں
شمعِ محفل ہو کے اٹھے آپ کی محفل سے ہم

اس کو کہتے ہیں وفاداری کہ بعد از قتل بھی
داغِ خوں ہو کر نہ چھوٹے دامنِ قاتل سے ہم

چشمِ روشن سے نظر آتے ہیں جلوے روح کے
حسنِ لیلیٰ دیکھتے ہیں پردۂ محمل سے ہم

خالی از احساں نہیں یہ بھی کہ وقتِ اضطراب
خوش تو ہو جاتے ہیں تیرے وعدۂ باطل سے ہم

آؤ آپس میں سمجھ لیں غیر کا ہے کو سنے
تم کہو دل سے ہمارے کچھ تمہارے دل سے ہم

سن کے رو دیتے ہیں اکثر صورتِ زخمِ جگر
آپ شرماتے ہیں اپنے خندۂ باطل سے ہم

رشک ہے حسرت پہ اس کی دل میں آتا ہے یہی
اپنے قالب کو بدل لیں قالبِ بسمل سے ہم

سینہ و دل میں ہجومِ داغِ حسرت ہے نسیم
پھول چن لیتے ہیں اپنے گلشنِ حاصل سے ہم

ظہیر دہلوی

○

ساقیا! مر کے اٹھیں گے ترے مے خانے سے
عہد و پیماں ہیں یہی زیست میں پیمانے سے!

تو کہاں آئی مرا درد بٹانے کے لئے
اے شبِ ہجر! نکل جا مرے غم خانے سے

کون ہوتا ہے مصیبت میں کسی کا دل سوز
اُٹھ گئی شمع بھی جل کر مرے کاشانے سے

کچھ یہی کوہ کن و قیس پہ گزری ہوگی
ملتی جلتی ہے کہانی مرے افسانے سے

جبہ فرسائے درِ کعبہ تھے کل تک تو ظہیرؔ
گرتے پڑتے ہوئے آج آتے ہیں میخانے سے

○

وہ نیرنگِ الفت کو کیا جانتا ہے
کہ اپنے سے مجھ کو جدا جانتا ہے

کچھ ایسی تو دشمن نہیں خوبی نہیں ہے
مگر تو خدا جانے کیا جانتا ہے

یہ منہ سے تو کہتا ہوں چھوڑی محبت
مگر حال دل کا خدا جانتا ہے

تمہاری شرارت کو کیا جانے کوئی
یہ میں جانوں، یا دل مرا جانتا ہے

ظہیرؔ اپنے عیبوں کو میں جانتا ہوں
زمانہ مجھے پارسا جانتا ہے

سالکؔ دہلوی

مجھ ناتواں پہ حشر میں وہمِ فغاں غلط
میں گفتگو کی تاب رکھوں، یہ گماں غلط

تم بھی وہی کہو تو نہیں سب بجا۔ درست
میں بھی وہی کہوں، تو کہے اک جہاں غلط

گرمی سے اُس کے حسن کی کس کا جگر جلا
تشبیہِ مہر و روئے نکوئے بتاں غلط

کہیے! اسیرِ نمائشِ سنبل کوئی ہوا
دینی مثالِ کاکلِ عنبر فشاں غلط

سچ ہے کہ آدمی کو غرض آدمی سے ہے
واعظ! بیانِ دلکشِ حورِ جناں غلط

کہہ کر تمام سالکِ غم گیں کا ماجرا
میں نے کہا غلط ہے، تو بولے کہاں غلط

کچھ تغیر مرے احوالِ پریشاں میں نہیں
ایسے عالم میں ہوں، جو عالمِ امکاں میں نہیں

صبحِ محشر بھی دکھائی نہیں دیتی یارب!
روزِ بد بھی تو نصیبِ شبِ ہجراں میں نہیں

وحشتِ عشق کو ثابت قدمی بھی ہے ضرور
قیس کا نقشِ قدم تک تو بیاباں میں نہیں!

ہو گیا ذوق فزائے خلشِ یادِ مژہ!
کون کہتا ہے کہ لذت ترے پیکاں میں نہیں

دشتِ وحشت میں اُڑے پھرتے ہیں آرام سے ہم
جو صفت ضعف میں ہے، تختِ سلیماں میں نہیں

میر مہدی مجروح

○

غیروں کو بھلا سمجھے اور مجھ کو برا جانا
سمجھے بھی تو کیا سمجھے جانا بھی تو کیا جانا

اک عمر کے دکھ پائے سوتے ہیں فراغت سے
اے غلغلۂ محشر! ہم کو نہ جگا جانا

کیا یار کی بدخوئی، کیا غیر کی بدخواہی
سرمایۂ صد آفت ہے دل ہی کا آجانا

کچھ عرضِ تمنا میں شکوہ نہ ستم کا تھا
میں نے تو کہا کیا تھا اور آپ نے کیا جانا

چلمن کا الٹ جانا، ظاہر کا بہانہ ہے
ان کو تو بہ ہر صورت اک جلوہ دکھا جانا

ہے حق بہ طرف اس کے چاہے سو ستم کر لے
اس نے دلِ عاشق کو مجبورِ وفا جانا

انجام ہوا اپنا آغازِ محبت میں
اس شغل کو جاں فرسا ایسا تو نہ تھا جانا

مجروح ہوئے مائل کس آفتِ دوراں پہ
اے حضرتِ من! تم نے دل بھی نہ لگا جانا

○

گریباں چاک ہیں گل بوستاں میں
اثر کتنا ہے بلبل کی فغاں میں

قفس صیاد کا خالی پڑا ہے
نہ ہوں بے چین کیوں کر آشیاں میں

دعائے وصل جا اب تو اثر تک
کئے نالوں نے روزن آسماں میں

سنے گر طالع خفتہ کا قصہ
تو نیند آجائے چشم پاسباں میں

زلیخا کی بچھی جاتی ہیں آنکھیں
کہیں یوسف نہ ہو اس کارواں میں

تمام اسبابِ دنیاوی کے بدلے
ہے اک بے رونقی اپنی دکاں میں

سنا حالِ دلِ مجروح شب کو
کوئی حسرت سی حسرت تھی بیاں میں

جلاؔل لکھنوی

وہ دل نصیب ہوا، جس کو داغ بھی نہ ملا
ملا وہ غم کدہ، جس میں چراغ بھی نہ ملا

گئی تھی کہہ کے میں لاتی ہوں زلفِ یار کی بُو
پھری تو بادِ صبا کا دماغ بھی نہ ملا

اسیر کر کے ہمیں، کیوں رہا کیا صیاد
وہ ہم صفیر بھی چھوٹے، وہ باغ بھی نہ ملا

بتوں کے عشق میں کیا ہم سے ہوتی یادِ خدا
کہ دل بھی تھا نہ ٹھکانے، فراغ بھی نہ ملا

دکھائیں یار کو کیا جسمِ داغ دار کی سیر
نظر فریب ہمیں ایک داغ بھی نہ ملا

بھر آئے محفلِ ساقی میں کیوں نہ آنکھ اپنی
وہ بے نصیب ہیں خالی ایاغ بھی نہ ملا

چراغ لے کے ارادہ تھا بخت کو ڈھونڈیں
شبِ فراق تھی، کوئی چراغ بھی نہ ملا

خبر کو یار کی بھیجا تھا، گم ہوئے ایسے
حواسِ رفتہ کا اب تک سراغ بھی نہ ملا

جلاؔل باغِ جہاں میں وہ عندلیب ہیں ہم
چمن کو پھول ملے، ہم کو داغ بھی نہ ملا

نہ ٹھیری جب کوئی تسکینِ دل کی شکل یاروں میں
تو آ نکلے تڑپ کر ہم تمھارے بے قراروں میں

کسی کے عشق میں دردِ جگر سے دل یہ کہتا ہے
ادھر بھی آ نکلنا، ہم بھی ہیں امیدواروں میں

وہ ماتم بزمِ شادی ہے تمھاری جس میں شرکت ہو
وہ مرنا، زندگی ہے، تم جہاں ہو سوگواروں میں

تعلّی سے یہ نفرت ہے کہ بعدِ مرگ خاک اپنی
اگر اٹھتی بھی ہے، جا بیٹھتی ہے خاکساروں میں

ہمارے دل نے ہم سے بے وفائی کر کے کیا پایا؟
وہاں بھی جا کے ٹھیرایا گیا بے اعتباروں میں

وہ کھینچوں گا جلاؔل آہیں کہ اس کی خاک اڑا دیں گی
فلک نے پیس ڈالا ہے سمجھ کر خاکساروں میں

تسلیمؔ لکھنوی

○

وصل کی شب بھی ادائے رسمِ حرماں میں رہا
صبح تک میں التماسِ شوقِ پنہاں میں رہا

مر گئے لاکھوں شہیدِ ناز، کچھ پروا نہیں
وہ تماشائے ہلالِ عیدِ قرباں میں رہا

کام اپنا کر چکی بیماریٔ عشقِ بتاں
میں فریبِ نسخہ و تاثیرِ درماں میں رہا

واہ رے پاسِ وفا! اللہ ری شرمِ آرزو
ہر نفس ہمراہیٔ عمرِ گریزاں میں رہا

کیا پڑھے اشعارِ تسلیمؔ جگر افگار نے
شورِ تحسیں ہر طرف بزمِ سخنداں میں رہا

○

کل مرا تھا، آج وہ بت غیر کا ہونے لگا
وائے قسمت! دو ہی دن میں کیا سے کیا ہونے لگا

یاد میری آ گئی، منہ پھیر کر رونے لگے
انجمن میں ان کی جب ذکرِ وفا ہونے لگا

ہائے کب اس نے نکالے اپنے پیکاں کھینچ کر
درد کی لذت سے جب دل آشنا ہونے لگا

آہ نے اتنی تو کی تاثیر پیدا، شکر ہے
بام پر آنے لگے وہ، سامنا ہونے لگا

بام پر جب تک، وہ مہرِ حسن ہے سرگرمِ سیر
بھیڑ کیوں چھٹنے لگی، کیوں راستا ہونے لگا

خوب رویا بیٹھ کر واماندگی کی جان کو
جب مری نظروں سے پنہاں قافلا ہونے لگا

یہ بھی اے تسلیمؔ ہے برگشتہ بختی کا اثر
جب دوا کی ہم نے دردِ دل سوا ہونے لگا

مرزا قادر بخش صابرؔ

جو دل کو محبت کے مزے آئے ہوئے ہیں
وہ اپنی طبیعت پہ ابھی چھائے ہوئے ہیں !

ہر بات پہ اظہارِ نزاکت ہے، حیا سے !
ثابت ہے کہ تکلیف بھی کچھ پائے ہوئے ہیں

کچھ تم نے ہمیں دل میں سمو رکھا ہے سمجھو !
کچھ ہم بھی تمہیں ذہن میں ٹھہرائے ہوئے ہیں

پھر ملنے کو جی چاہتا ہے یار کا ہم سے !!
ناچار ہیں غصے میں قسم کھائے ہوئے ہیں

اللہ ری ضد کوٹھے کے چڑھنے کو کیا ترک !
جس روز سے ہم یار کے ہمسائے ہوئے ہیں

اب دل کو لگاتے ہیں ذرا سوچ سمجھ کر
دو چار جگہ پہلے جو زک پائے ہوئے ہیں !

کچھ حد پہ جھکائے ہوئے سر بیٹھے ہیں صابرؔ
اس بزم سے شاید کہ نکلوائے ہوئے ہیں

پہلے نہ اڑایا زن سے کس کے جگر کو
پر ہم نے لگائے ہیں ترے تیرِ نظر کو

ہے تیرِ نگہ بزمِ عدو میں میری جانب
غصے میں چھپایا ہے محبت کی نظر کو

کیوں آتشِ گل باغ میں ہے تیز کہ ہم آپ
اڑ جائیں گے اے شبنمِ شاداب سحر کو

دن رات کا فرق ان کی محبت میں ہے، اب تو
وعدہ تو کیا شام کا اور آئے سحر کو

دل چیز ہے کیا جان بھی دوں عشق میں صابرؔ
میں نفع سمجھتا ہوں مدام ایسے ضرر کو

نظامؔ رامپوری

○

کیوں کرتے ہو اعتبار میرا
معلوم ہے تم کو پیار میرا

یہ خیر ہے آج، کچھ تو کہیے!
کیوں ذکر ہے بار بار میرا

اک بات میں فیصلہ ہے تم سے
رنجیدہ ہے دِل ہزار میرا

تیرا نہیں اعتبار مجھ کو!
تو بھی نہ کر اعتبار میرا

شاید کہ نہ ہو تم اپنے بس کے
دل پر تو ہے اختیار میرا

مجھ کو نہ ہو رشکِ غیر ممکن
تو اور ہو دوست دار میرا

کچھ سہمے ہوئے ہیں اپنے دل میں
سنتے نہیں حالِ زار میرا

وہ ہائے بگڑ کے اُس کا جانا
— رونا وہیں زار زار میرا

کل تک تو نظامؔ یہ نہ تھا حال
دل آج ہے بے قرار میرا

○

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اُٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو، چھوڑ دیے مسکرا کے ہاتھ

بے ساختہ نگاہیں جو آپس میں مل گئیں
کیا منہ پر اُس نے رکھ لئے آنکھیں چُرا کے ہاتھ

یہ بھی نیا ستم ہے، حنا تو لگائیں غیر
اور اُس کی داد چاہیں وہ مجھ کو دکھا کے ہاتھ

بے اختیار ہو کے جو میں پاؤں پر گرا
ٹھوڑی کے نیچے اُس نے دھرا مسکرا کے ہاتھ

قاصد! ترے بیاں سے دِل ایسا ٹھہر گیا،
گویا کسی نے رکھ دیا سینے پہ آ کے ہاتھ

دیکھا جو کچھ رُکا مجھے، تو کس تپاک سے
گردن میں میری ڈال دیے آپ آ کے ہاتھ

کوچے سے تیرے اُٹھیں تو پھر جائیں ہم کہاں
بیٹھے ہیں یاں تو دونوں جہاں سے اُٹھا کے ہاتھ

دینا وہ اُس کا ساغرِ مے یاد ہے نظامؔ!
مُنہ پھیر کر اُدھر کو، اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ!

بیاںؔ یزدانی

○

جھونکے آتے ہیں بوئے اُلفت کے
پھول یارب ہیں کس کی تربت کے

شور ہے دل میں غم کے نالوں کا
علَم اُٹھتے ہیں آج حسرت کے

تیری باتوں میں کیا حلاوت تھی
کہ نہ لب کُھل سکے شکایت کے!

ہم پہ اور تیغِ ناز اُٹھ نہ سکے
چوچلے ہیں تری نزاکت کے

اے بیاںؔ! قیس و وامق و فرہاد
تھے یہ سارے مرید حضرت کے

○

ترا کشتہ اٹھایا اقربا نے
چلے محشر کو مٹی میں دبانے

نفس گم اور سخن باقی رہے گا
نہ ہوگا تار اور ہوں گے ترانے

خدا ٹھنڈا رکھے اے شمع تجھ کو
کھڑی روتی ہے بیکس کے سرہانے

ترے چلنے سے سینے میں زمیں کے
اٹھا اک دردِ محشر کے بہانے

ہمیں نے پنجۂ دستِ جنوں سے
کئے ہیں کوہ کی چوٹی میں شانے

حفیظ جون پوری

دل اس لئے ہے دوست کہ دل میں ہے جائے دوست
جب یہ نہ ہو بغل میں ہے دشمن بجائے دوست

مٹنے کی آرزو ہے اسی رہگزار میں
اتنے مٹے کہ لوگ کہیں خاک پائے دوست

تقریر کا ہے خاص ادائے بیاں میں لطف
سنئے مری زبان سے کچھ ماجرائے دوست

سب کچھ ہے اور کچھ نہیں عالم کی کائنات
دنیا برائے دوست ہے عقبیٰ برائے دوست

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

نہیں مرتے ہیں تو ایذا نہیں جھیلی جاتی
اور مرتے ہیں تو پیماں شکنی ہوتی ہے

دن کو اک نور برستا ہے مری تربت پر
رات کو چادرِ مہتاب تنی ہوتی ہے

لٹ گیا وہ ترے کوچے میں رکھا جس نے قدم
اس طرح کی بھی کہیں راہزنی ہوتی ہے

ہجر میں زہر ہے ساغر کا لگانا منہ سے
مے کی جو بوند ہے ہیرے کی کنی ہوتی ہے

میکشوں کو نہ کبھی فکرِ کم و بیش ہوئی
ایسے لوگوں کی طبیعت بھی غنی ہوتی ہے

ہوک اٹھتی ہے اگر ضبطِ فغاں کرتا ہوں
سانس رکتی ہے تو برچھی کی انی ہوتی ہے

پی لو دو گھونٹ کہ ساقی کی رہے بات حفیظ
صاف انکار میں خاطر شکنی ہوتی ہے

بیخود بدایونی

○

دردِ دل میں کمی نہ ہو جائے
دوستی، دشمنی نہ ہو جائے

تم مری دوستی کا دم نہ بھرو
آسماں مدعی نہ ہو جائے

بیٹھتا ہے ہمیشہ رندوں میں
کہیں زاہد، ولی نہ ہو جائے

طالعِ بد وہاں بھی ساتھ نہ دے
موت بھی زندگی نہ ہو جائے

اپنی خوئے وفا سے ڈرتا ہوں
عاشقی بندگی نہ ہو جائے

کہیں بیخود تمہاری خودداری
دشمنِ بےخودی نہ ہو جائے

○

ساتھ ساتھ اہلِ تمنّا کا وہ مضطر جانا
اللہ اللہ ترا بزم سے اٹھ کر جانا

رہبری کرکے مری خضر بھی جب تھک بیٹھے
اب انہیں جلوہ گہِ یار میں اکثر جانا

داغِ کم حوصلگی دل کو گوارا نہ ہوا
ورنہ کچھ ہجر میں دشوار نہ تھا مر جانا

سادگی سے یہ گماں ہے کہ بس اب رحم آیا
مطمئن ہوں کہ مجھے آپ نے مضطر جانا

نشہ میں بھی ترے بیخود کی تعلّی نہ گئی
بادۂ ہوش رُبا کو مئے کوثر جانا

برج نرائن چکبست

فنا کا ہوش آنا زندگی کا دردِ سر جانا
اجل کیا ہے خمارِ بادۂ ہستی اُتر جانا

مقامِ کوچ کیا ہے منزلِ مقصود تک پہنچے
قیامت تھا سرائے دہر میں دو دن ٹھہر جانا

بہت سودا رہا واعظ تجھے نارِ جہنم کا
مزا سوزِ محبت کا بھی کچھ اے بے خبر جانا

مصیبت میں بشر کے جوہرِ مردانہ کھلتے ہیں
مبارک بزدلوں کو گردشِ قسمت سے ڈر جانا

سدھاری منزلِ ہستی سے کس بے اعتنائی سے
تنِ خاکی کو شاید روح نے گردِ سفر جانا

درد دل، پاسِ وفا، جذبۂ ایماں ہونا
آدمیت ہے یہی اور یہی انساں

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں

ہم کو منظور ہے اے دیدۂ وحدت آگیں
ایک غنچہ میں تماشائے گلستاں

جس طرح خم کسی جام کا ٹکڑا نکلے
یونہی گردوں سے مہِ نو کا نمایاں

سر میں سودا نہ رہا پاؤں میں بیڑی نہ رہی
میری تقدیر میں تھا بے سر و ساماں

صفحۂ دہر میں مہرِ یدِ قدرت سمجھو
پھول کا خاک کے تودے سے نمایاں

ہو بیاضِ سحرِ نو پہ دل کیا مائل
یاد ہے دفترِ انجم کا پریشاں

کل بھی وہ کل ہے جو ہے فردائے قیامت زاہد
اور پھر اس کے لئے آج پریشاں

پاؤں زنجیر کے مشتاق ہیں اے جوشِ جنوں
ہے گرفتار ترا سلسلہ جنباں

خشک کر پامال نہ کر لعل و گہر کے مالک
ہے اسے طرۂ دستارِ عزیزاں

ہے مرا ضبطِ جنوں جوشِ جنوں سے بڑھ کر
ننگ ہے میرے لئے چاک گریباں ہونا

علی حیدر نظمؔ طباطبائی

○

کمی سے بس کہ امیدِ کشودِ کار نہیں
مجھے اجل کے بھی آنے کا اعتبار نہیں

جوابِ نامہ کا قاصد مزار پہ لایا
کہ جانتا تھا اسے تابِ انتظار نہیں

یہ کہہ کے اٹھ گئی بالیں سے میری شمعِ سحر
تمام ہو گئی شب اور تجھے قرار نہیں

جو تو ہو پاس تو جور و قصور سب کچھ ہو
جو تو نہیں، تو نہیں، بلکہ زینہار نہیں

خزاں کے آنے سے پہلے ہی تھا مجھے معلوم
کہ رنگ و بوئے چمن کا کچھ اعتبار نہیں

غزل کہی ہے کہ موتی پروئے ہیں اے نظمؔ
وہ کون شعر ہے، جو دُرِّ شاہوار نہیں

○

یہ آہِ بے اثر کیا ہو، یہ نخلِ بے ثمر کیا ہو
نہ ہو جب دردِ ہی یارب! تو دل کیا ہو، جگر کیا ہو

بغل گیر آرزو سے ہیں مرادیں، آرزو مجھ سے
یہاں اس وقت تو اک عید ہے، تم جلوہ گر کیا ہو

مقدر میں یہ لکھا ہے: کٹے گی عمر مر مر کر
ابھی سے مر گئے ہم دیکھئے، اب عمر بھر کیا ہو

مروّت سے ہو بیگانہ، وفا سے دور ہو کوسوں
یہ سچ ہے، نازنیں ہو، خوبصورت ہو، مگر کیا ہو

لگا کر زخم میں ٹانکے قضا تیری نہ آ جائے
جو وہ سفاک سن پائے بتا اے چارہ گر! کیا ہو؟

قیامت کے بکھیڑے پڑ گئے آتے ہی دنیا میں
یہ مانا ہم نے مر جانا تو ممکن ہے مگر کیا ہو

کہا میں نے کہ نظمؔ مبتلا مرتا ہے حسرت میں
کہا اس نے اگر مر جائے تو میرا ضرر کیا ہو

وحیدالدین سلیم

گریباں سے ترے کس نے نکالا صبحِ خنداں کو
کیا کس نے نہاں دامن کی کلیوں سے گلستاں کو

اڑایا چٹکیوں میں میرے ذرّے نے بیاباں کو
مرے قطرے نے پانی کر دیا ہر موجِ طوفاں کو

مری کشتی بھنور سے کھیلنے کا شوق رکھتی ہے
یہ کس نے کر دیا خاموش یارب موجِ طوفاں کو

یہ کیا نغمہ تھا چھیڑا جو کہ اک قلبِ مضطر نے
کہ میری نے نے رقصاں کر دیا سارے گلستاں کو

میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ چمکا تیرے پرتو سے
لگی ہیں کھینچنے کرنیں مری مہرِ درخشاں کو

مرے ذوقِ فنا پر زندگی ہے خضر کی قرباں
مرے تلخابۂ غم میں ڈبو دو آبِ حیواں کو

کلیمِ طورِ معنی ہوں یدِ بیضا ہے میرا دل
منور کر دیا جس نے مرے چاکِ گریباں کو

مدت ہوئی ہے مدحِ حسیناں کئے ہوئے — نورِ سخن سے دل کو چراغاں کئے ہوئے
عرصہ ہوا ہے وصفِ بہارِ جمال سے — روئے ورق کو رشکِ گلستاں کئے ہوئے
برسوں ہوئے ہیں تذکرۂ سوزِ عشق سے — بزمِ سخنوری کو درخشاں کئے ہوئے
آتا ہے کس شکوہ سے وہ رشکِ آفتاب — ظلمت کدے دلوں کے چراغاں کئے ہوئے
جاتا ہوں کوئے یار دیکھ لے گھٹا مجھے — برپا ہجومِ اشک سے طوفاں کئے ہوئے
بیٹھے ہیں ہم تصورِ گیسوئے یار میں — اس زندگی کو خوابِ پریشاں کئے ہوئے
خوں کر کے لے چلا ہوں دل و جاں کو اپنے ساتھ — دیدارِ روئے یار کا ساماں کئے ہوئے
مر مٹے اس ادا پہ کہ کچھ لوگ جل بجھے — سینے میں سوزِ عشق کو پنہاں کئے ہوئے

وہ نو بہارِ حسن ابھی اس راہ سے گیا
ہر نقشِ پا کو روضۂ رضواں کئے ہوئے

شوکت

سید کاظم علی شوکت بلگرامی

جب میں روتا ہوں، وہ روتے ہیں، یہ الفت میرے ساتھ
مدتوں برسا کیا ہے، ابرِ رحمت میرے ساتھ

جان جائے، یار ہے، دل کو رہے گا پاسِ عشق
قبر میں جائیں گے تیرے رازِ الفت میرے ساتھ

دیتی ہے ترغیب نالے کی کہ ہر آزردہ دوست
دشمنی کرتی ہے اب میری محبت میرے ساتھ

میں تو ہوں دل دادۂ الفت، کہو میں کیا کروں
دل رُبا ہو کر کرو تم جب یہ الفت میرے ساتھ

شکل تیری سامنے آنکھوں کے ہے آٹھوں پہر
یاد تیری ہے شریکِ رنج و راحت میرے ساتھ

بن گیا ہے تابِ دل اک محشرستانِ خیال
خواب میں جب وہ ہوئے سرگرمِ الفت میرے ساتھ

یاد اب بھولے سے بھی صبحِ وطن آتی نہیں،
ہو گئی مانوس ایسی شامِ غربت میرے ساتھ

دل میں دھڑکن، لب پہ نالے، چشمِ تر میں اشکِ خوں
کیا کہوں، کیا کر گئی تیری محبت میرے ساتھ

یاد آتا ہے یہ رفتارِ قمر کو دیکھ کر
سیر کرتا تھا یوں ہی وہ ماہ طلعت میرے ساتھ

تو ہے اور تیری نظر میں اک قیامت کا غرور
میں ہوں اور اک محشرِ ارمان و حسرت میرے ساتھ

وہ تو رخصت کر کے مجھ کو گھر میں جا بیٹھے مگر
یاد اُن کی دور تک آئی تھی شوکت میرے ساتھ

لکھا ہے گو تیری قسمت میں شوکت چشمِ تر رکھنا
مگر ظالم! کسی کی آبرو پر بھی نظر رکھنا

نہ بھولے گا، نہ بھولے گا، قیامت تک نہ بھولے گا
کسی کا وہ محبت سے مرے سینہ پہ سر رکھنا

نہ اٹھے گا دلِ نازک سے صدمہ رنجِ فرقت کا
الٰہی! میرے دردِ دل سے ان کو بے خبر رکھنا

وہ کیا جانیں بھلا ہوتی ہیں کیسی عیش کی راتیں
میسر ہو نہ جس کو تا سحر تکیہ پہ سر رکھنا

دلِ بے آرزو کافی ہے ہم حسرت نصیبوں کو
مبارک ہو صدف کو اپنی مٹھی میں گہر رکھنا

نہ پوچھو کس طرح شرطِ دل بری دنیا میں دلداری
جہاں میں گھر بنانا سہل ہے مشکل ہے گھر رکھنا

محشر

مرزا کاظم حسین لکھنوی

○

مدتیں ہو گئی ہیں چپ رہتے
کوئی سنتا تو ہم بھی کچھ کہتے

جل گیا خشک ہو کے دامنِ دل
اشک آنکھوں سے اور کیا بہتے

بات کی اور منہ کو آیا جگر
اس سے بہتر یہی تھا چپ رہتے

ہم کو جلدی نے موت کی مارا
اور جیتے، تو اور غم سہتے

سب ہی سنتے تمہاری اے محشر
کوئی کہنے کی بات اگر کہتے

○

دیر تک اٹھ نہ سکا واں سے وہ دیوانۂ دوست
چھڑ گیا جب کہ کہیں بیٹھ کے افسانۂ دوست

آج اٹھے جاتے ہیں درباں کی جفا سے لیکن
زندگی بھر کہیں چھٹنا ہے درِ خانۂ دوست

ہجر میں حالت دل کی ہیں وہ آنکھیں نگراں
دیکھی تھی جن سے کبھی رونقِ کاشانۂ دوست

راہ پر شوقِ دلی، سر پہ اجل، دل بیتاب
بے خبریوں میں چلا ہوں طرفِ خانۂ دوست

آج کیوں حد سے سوا دل کو خوشی ہے محشر
کیا بلائے ہوئے جاتے ہو سوئے خانۂ دوست؟

مضطر خیرآبادی

بزمِ خوابِ راحت بلایا انھوں نے تو دردِ نہاں کی کہانی کہوں گا
مرا حال سننے کے قابل نہیں ہے اگر مل گئے تو زبانی کہوں گا

لبِ جوئے اُلفت روانی ہے ڈھونڈو یہاں تشنۂ سخت جانی کہوں گا
اِدھر آ اِدھر، رُوحِ شیریں اِدھر آ ترے کوہکن کی کہانی کہوں گا!

خضر! تیرے چشمے کا پانی ہے اچھا، مگر میں اسے موجِ فانی کہوں گا
محبت کا مارا ہُوا دل جلا دے میں تب تیرے پانی کو پانی کہوں گا

تری ذاتِ واحد ہے بیدارِ مطلق، تجھے تو کبھی نیند آتی نہیں ہے
تری آنکھ لگنے کی حسرت میں یا رب! کہاں تک میں قصے کہانی کہونگا

وہ اک آئینہ جس میں منہ دیکھتے ہیں، کسی ایک کا وقفِ صورت نہیں ہے
یہیں سے نتیجہ اٹھا کر دوئی کا، میں وحدت کو کثرت کا بانی کہونگا

یہ ہستی کا شیشہ جو تو نے دیا ہے ذرا اس پہ چاہت کی صیقل تو کر لوں
یہ ہو جائے پھر اپنی ہستی کو میں بھی، تری ذات کا نقشِ ثانی کہوں گا

ازل ہی میں تجھ پر نظر پڑ چکی ہے، نہ کر مجھ سے انکارِ جلوہ نمائی!
تجلی تری گو نئی روشنی ہے، مگر میں تو اس کو پرانی کہوں گا

محبت میں انکارِ جلوہ نمائی، ذرا اس طریقے کو تو یاد رکھنا!
اگر میں کبھی تیرے درجے پہ پہنچا، تو میں بھی یونہی لن ترانی کہونگا

میں کیا بے وفا ہوں جو محشر میں مضطر خدا سے کروں شکوۂ قتل اپنا
زمانہ کہے خونِ ناحق بہایا، اگر مجھ سے پوچھا تو پانی کہوں گا!

غرورِ الفت کی طرزِ نازش عجب کرشمے دکھا رہی ہے
ہماری روٹھی ہوئی نظر کو تری تجلی منا رہی ہے

وہ طور والی تری تجلی، غضب کی گرمی دکھا رہی ہے
وہاں تو پتھر جلا دیئے تھے یہاں کلیجہ جلا رہی ہے

مرے نشیمن میں شانِ قدرت کے سارے اسباب ہیں مہیا
ہوا صفائی پہ ہے مقرر، چراغ بجلی جلا رہی ہے

نہ اس کے دامن سے میں ہی اُلجھا نہ میرے دامن سے یہ ہی اُلجھی
ہوا سے میرا بگاڑ کیا ہے جو شمعِ تربت بجھا رہی ہے

فرشتے آئے اگر لحد میں، تو صاف کہہ دوں گا راستہ لو
جب اس کی چاہت میں جان دے دی تو بات کرنے کو کیا رہی ہے

جمالِ قدرت بھی کوئی شے ہے کہ میں کلیجے کی چوٹ سینکوں
کلیم کے گھر میں رکھے رکھے وہ آگ اب کیا بنا رہی ہے

شبلی نعمانی

○

تیس دن کے لئے ترکِ مے و ساقی کر لوں
واعظِ سادہ کو روزوں میں تو راضی کر لوں

پھینک دینے کی کوئی چیز نہیں فضل و کمال
ورنہ حاسد! تری خاطر سے میں یہ بھی کر لوں

اے نکیرین! قیامت ہی پہ رکھو پرسش
میں ذرا عمرِ گذشتہ کی تلافی کر لوں

کچھ تو ہو چارۂ غم، بات تو یک سو ہو جائے
تم خفا ہو، تو اجل ہی کو میں راضی کر لوں

اور پھر کس کو پسند آئے گا ویرانۂ دل
غم سے مانا بھی کہ اس گھر کو میں خالی کر لوں

دل ہی ملتا نہیں سفلوں سے، وگرنہ شبلی
خوب گزرے فلکِ دوں سے جو یاری کر لوں

○

یار کو رغبتِ اغیار نہ ہونے پائے
گلِ تر کو ہوسِ خار نہ ہونے پائے

اس میں در پردہ سمجھتے ہیں وہ اپنا ہی گلہ
شکوۂ چرخ بھی زنہار نہ ہونے پائے

فتنۂ حشر جو آنا، تو دبے پاؤں ذرا
بختِ خفتہ مرا بیدار نہ ہونے پائے

ہائے دل کھول کے کچھ کہہ نہ سکے سوزِ دروں
آبلے ہم سخنِ خار نہ ہونے پائے

باغ کی سیر کو جاتے تو ہو، پر یاد رہے
سبزہ بیگانہ ہے، دو چار نہ ہونے پائے

جمع کر لیجئے غمزوں کو مگر خوبیٔ بزم
بس وہیں تک ہے کہ بازار نہ ہونے پائے

آپ جاتے تو ہیں اس بزم میں لیکن شبلی
حالِ دل دیکھئے اظہار نہ ہونے پائے

حسن بریلوی

○

حسن جب مقتل کی جانب تیغِ بُرّاں لے چلا
عشق اپنے مجرموں کو پابجولاں لے چلا

خونِ ناحق کی حیا بولی ، ذرا منہ ڈھانک لو
ناز جب اُن کو سرِ خاکِ شہیداں لے چلا

خاکِ عاشق روکنے کو دور تک لپٹی گئی
جب سمندِ ناز کو وہ گرمِ جولاں لے چلا

جب چلی مقتل سے قاتل کی سواری رات کو
آگے آگے مشعلیں خونِ شہیداں لے چلا

آرزوئے دیدِ جاناں بزم میں لائی مجھے
بزم سے مَیں آرزوئے دیدِ جاناں لے چلا

ڈھونڈتی تھی ہر طرف کس کو نگاہِ واپسیں
آس کس کے دید کی بیمارِ ہجراں لے چلا

نازِ آزادی حسن وجہِ اسیری ہو گیا !
مو کشاں مل کو خیالِ زلفِ پیچاں لے چلا

○

جلوے ترے جو رونقِ بازار ہو گئے
خوبانِ خود فروش خریدار ہو گئے

جلووں سے راستہ چمنِ دل کشا بنا !
جلووں سے آئینہ در و دیوار ہو گئے

دل جاں بلب جگر میں تپک جان بیقرار
ہم تیرا نام لے کے گنہ گار ہو گئے !

گلزار ہے بہار یوں ہی حسنِ یار سے
جیسے چمن ، بہار سے گلزار ہو گئے !

یہ حسنِ خود فروش عجب جنس ہے حسن
وہ بِک گئے ، ہوس کے خریدار ہو گئے

●

نسیم

شبیر حسین بھرتپوری

○

غیر کے گھر ہیں وہ مہمان بڑی مشکل ہے
جان جانے کے ہیں سامان بڑی مشکل ہے

کہتے ہیں، آپ ہیں جس بات کے طالب ہم سے
ہے وہی غیر کا ارمان بڑی مشکل ہے

اس نے لی جان ہزاروں کی یہ دم دے دے کر
مجھ پہ مرنا نہیں آسان بڑی مشکل ہے

روز کہتے ہو کہ تو کس کے لئے ہے بے تاب
جان کر بنتے ہو انجان، بڑی مشکل ہے

دوستی سہل نہیں اس بت بدخو سے نسیم
ضد نہ کر، دیکھ مری جان، بڑی مشکل ہے

○

ان کے پیکان پہ پیکان چلے آتے ہیں
دل میں گھر کرنے کو مہمان چلے آتے ہیں

دیکھ کر آئے ہیں کیا عارض و گیسو ان کے
لوگ حیران پریشان چلے آتے ہیں

چار انگل کا وہ پرچہ نہیں لکھتے مجھ کو
پاس اغیار کے فرمان چلے آتے ہیں

بزم اغیار میں کس شخص نے گستاخی کی
کہ وہ خاموش پشیمان چلے آتے ہیں

بیخود دہلوی

○

شمع مزار تھی، نہ کوئی سوگوار تھا
تم جس پہ رو رہے تھے، یہ کس کا مزار تھا

تڑپوں گا عمر بھر دلِ مرحوم کے لئے
کم بخت، نامراد لڑکپن کا یار تھا

سودائے عشق اور ہے، وحشت کچھ اور شے
مجنوں کا کوئی دوست فسانہ نگار تھا

جادو ہے یا طلسم تمہاری زبان میں
تم جھوٹ کہہ رہے تھے، مجھے اعتبار تھا

کیا کیا ہمارے سجدہ کی رسوائیاں ہوئیں
نقشِ قدم کسی کا سرِ رہگذار تھا

اس وقت تک تو وضع میں آیا نہیں ہے فرق
تیرا کرم شریک جو پروردگار تھا

○

وہ سن کر حور کی تعریف پردے سے نکل آئے
کہا کہ پھر مسکرا کر حسن زیبا اس کو کہتے ہیں

اجل کا نام دشمن دوسرے معنی میں لیتا ہے
تمہارے چاہنے والے تمنا اس کو کہتے ہیں

مرے مدفن پہ کیوں روتے ہو عاشق مر نہیں سکتا
یہ مر جانا نہیں ہے، صبر آنا اس کو کہتے ہیں

نمک بھر کر مرے زخموں میں تم کیا مسکراتے ہو
مرے زخموں کو دیکھو مسکرانا اس کو کہتے ہیں

زمانے سے عداوت کا سبب تھی دوستی جن کی
اب ان کو دشمنی ہے ہم سے، دنیا اس کو کہتے ہیں

دکھاتے ہو نہ آئینہ تو یہ کیوں کر نظر آتا
بشر حوروں سے اچھا تم نے دیکھا اس کو کہتے ہیں

پنڈت امرناتھ ساحر

○

جلا ہے کس قدر دل ذوقِ کاوش ہائے مژگاں پر
کہ سو سو نشتروں کی نوک ہے اک اک رگِ جاں پر

پیدا ہوگا مگر عکسِ عذارِ لالہ گوں، ورنہ
یہ گستاخی! ہمارا خون اور قاتل کے داماں پر

طریقِ عشق میں ہے رنج پہلے، اور خوشی پیچھے
مدارِ صبحِ روزِ وصل ہے اک شامِ ہجراں پر

مری دیوانگی روزِ قیامت میرے کام آئی!
قلم رحمت کا کھینچا اس نے آخر میرے عصیاں پر

محروموں کے تغافل کر رہے ہو سے اپنی تمکیں کا
[illegible]

○

رسوائے عشق ہے ترا شیدا کہیں جسے
عشاق میں مثال ہے رسوا کہیں جسے

سینہ چمن ہے، غنچۂ دل ہے شگفتہ دل
تیری نگاہ ہے چمن آرا کہیں جسے

غم پروریدہ ہے دلِ شوریدگانِ عشق!
فرقت کی ایک رات ہے دنیا کہیں جسے

منسوب کفر دیر سے، ایماں حرم سے ہے
اک رہ گیا ہوں میں کہ تمہارا کہیں جسے

ہم غیر معتبر سہی اور غیر معتبر
کہنا بجا ہے آپ کا، جیسا کہیں جسے

ساحر نفس و صدا ہے جس نے کہ یہ
[illegible] رشتہ ہے

سائل دہلوی

سنا بھی کبھی ماجرا دردِ غم کا، کسی دل جلے کی زبانی؟ کہو تو
نکل آئیں آنسو کلیجہ پکڑ لو، کروں عرض اپنی کہانی، کہو تو

تمہیں رنگِ مے شیخ مرغوب کیا ہے گلابی ہو یا زعفرانی! کہو تو
پلائے کوئی ساقیِ حور پیکر، مصفا، کشیدہ، پرانی، کہو تو

تمنائے دیدار ہے حسرتِ دل کہ تم جلوہ فرما ہو میں آنکھیں سینکوں
تو کہہ دینا موسیٰ سے جیسے کہا تھا، مری عرض پہ لن ترانی کہو تو

وفا پیشہ عاشق نہیں دیکھا تم نے، مجھے دیکھ لو، جانچ لو، آزما لو
تمہارے اشارے پہ قربان کر دوں ابھی مایۂ زندگانی کہو تو

زباں میں بیاں داستاں کا تقاضا، مرے ضبطِ دردِ نہاں کا ہے کہنا
پھر اس پر تاکید بھی ہے برابر، نہ کہنا پرانی کہانی، کہو تو

نامۂ شوق کی سطر میں ہے جگہ اک جو سادہ وہ مہمل نہیں ہے
[illegible] میں جا بجا بھی خود بتانے کو اس کے معانی کہو تو

سے غیروں سے، مجھ سے رنج، غم یوں بھی ہے اور یوں بھی
وفا دشمن، جفا جو کا ستم یوں بھی ہے اور یوں بھی
شبِ وعدہ وہ آ جائیں، نہ آئیں، مجھ کو بلوا لیں!
عنایت یوں بھی اور یوں بھی، کرم یوں بھی ہے اور یوں بھی
مجھے لکھا تھا، ہم بہرِ عیادت آنے والے ہیں
عدو ہمرہ ہے اب سمجھا کہ ہم یوں بھی ہے اور یوں بھی
نہ خود آئیں، نہ بلوائیں، شکایت کیوں نہ لکھ بھیجوں
عنایت کی نظر مجھ پر تو کم یوں بھی ہے اور یوں بھی
تم آؤ مرگِ شادی ہے، نہ آؤ مرگِ ناکامی
نظر میں اب رہِ ملکِ عدم یوں بھی ہے اور یوں بھی
ہمارے سر پہ بھی ٹوٹا ہے تمہارے پاؤں بھی چومے
غرض پیرِ فلک کی پشت، خم یوں بھی ہے اور یوں بھی
مجھے باور ہے تم جھوٹے نہیں، وعدے کے سچے ہو
قسم کیوں کھاؤ، ناجائز قسم یوں بھی ہے اور یوں بھی
یہ مسجد ہے، یہ مے خانہ، تعجب اس پہ آتا ہے
جنابِ شیخ کا نقشِ قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی
یہ تیری سادگی آرائشِ زیور سے بڑھ کر ہے!
خدا کے فضل سے تو تو ستم یوں بھی ہے اور یوں بھی
تجھے ادیب بھی کہتے ہیں، شاعر بھی سمجھتے ہیں
زمانے میں ترا سائل بھرم یوں بھی ہے اور یوں بھی

آغا شاعر

○

چلے گا نہیں مجھ پہ فقرا تمہارا
بتا لو! کہ خنجر ہے جھوٹا تمہارا

منائیں تو اب جان دے کر منائیں
قیامت ہے یہ روٹھ جانا تمہارا

بڑے سیدھے سادے، بڑے بھولے بھالے
کوئی دیکھے اس وقت چہرا تمہارا

بچا ہے جو ساغر میں کیوں پھینکتے ہو
ہمیں دے دو ہم پی لیں جھوٹا تمہارا

یہ کیا ہے سبب آج چپ چپ ہو پیارے
بتاؤ تو کیوں جی ہے کیسا تمہارا؟

اٹھانے پڑے خاک سے دل کے ٹکڑے
بڑا پیار تھا، پیار دیکھا تمہارا

خدا کے لئے ہاں نہیں کچھ تو کہہ دو
کہ منہ تک رہی ہے تمنا تمہارا!

علاج اس کے بیمار کا تم کرو گے؟
کہیں دل چلا ہے مسیحا تمہارا

چلا شاعرِ زار تسلیم ہے جی!
بھلا ہو بھلا میرے داتا تمہارا

○

یہ کیسے بال کھولے آئے، کیوں صورت بنی غم کی!
تمہارے دشمنوں کو کیا پڑی تھی میرے ماتم کی

شکایت کس سے کیجے، ہائے! کیا الٹا زمانہ ہے
بڑھایا پیار جب ہم نے، محبت یار نے کم کی

جگر میں درد ہے، دل مضطرب ہے، جان بے کل ہے
مجھے اس بیخودی میں بھی خبر ہے اپنے عالم کی

نہیں ملتے نہ ملئے۔ خیر! کوئی مر نہ جائے گا
خدا کا شکر ہے! پہلے محبت آپ نے کم کی

عدو جس طرح تم کو دیکھتا ہے ہم سمجھتے ہیں
چھپاؤ لاکھ تم، چھپتی نہیں ہے آنکھ محرم کی

مزہ اس میں ہی ملتا ہے، نمک چھڑکو، نمک چھڑکو
قسم لے لو نہیں عادت مرے زخموں کو مرہم کی

کہاں جانا ہے؟ تم تم کر چلو، ایسی بھی کیا جلدی
تم ہی تم ہو، خدا رکھے، نظر پڑتی ہے عالم کی

کوئی ایسا ہو آئینہ کہ جس میں تو نظر آئے
زمانے بھر کا جھوٹا، کیا حقیقت ساغرِ جم کی

گھٹائیں دیکھ کر بے تاب ہے بے چین ہے شاعر
ترے قربان، او مطرب! سنا دے کوئی موسم کی

صفی لکھنوی

○

جانا، جانا، جلدی کیا ہے، اِن باتوں کو جانے دو
ٹھہرو ٹھہرو دل تو ٹھہرے مجھ کو ہوش میں آنے دو

پاؤں نکالو خلوت سے، آئے جو قیامت آنے دو
سیارے سر آپس میں ٹکرائیں اگر ٹکرانے دو

مہرِ منوّر جامِ طلائی، ماہ کٹورا چاندی کا
چرخ کے خُم خانے میں یہی ہیں گردش میں پیمانے دو

دورِ بہارِ حسن تو ہو، پھر جوشِ جنوں کا قحط نہیں
کُوکے گی باغوں میں کوئل، بور آموں میں آنے دو

بادل گرجا، بجلی چمکی، روئی شبنم پھول ہنسے
مرغِ سحر کو ہجر کی شب کے افسانے دُہرانے دو

ہاتھ میں ہے آئینہ و شانہ پھر بھی شکن پیشانی پر
موجِ صبا سے تم تو نہ بگڑو زلفوں کو بل کھانے دو

کثرت سے جب نام و نشاں ہے کیا ہوں گے گمنام صفی
نقش دلوں پر نام ہے اپنا نقشِ لحد مٹ جانے دو

○

وہ عالم ہے کہ منہ پھیرے ہوئے عالم نکلتا ہے
شبِ فرقت کے غم جھیلے ہوؤں کا دم نکلتا ہے

الٰہی خیر ہو اُلجھن پہ اُلجھن بڑھتی جاتی ہے
نہ میرا دم نہ اُن کے گیسوؤں کا خم نکلتا ہے

قیامت ہی نہ ہو جائے جو پردے سے نکل آؤ
تمھارے منہ چھپانے میں تو یہ عالم نکلتا ہے

شکستِ رنگِ رُخ، آئینۂ بے تابیِ دل ہے
ذرا دیکھو تو کیوں کر غمزدوں کا دم نکلتا ہے

نگاہِ التفاتِ مہر اور اندازِ دلجوئی
مگر اک پہلوئے بے تابیِ شبنم نکلتا ہے

صفی کشتہ ہوں ناپرسانیوں کا اہلِ عالم کی
یہ دیکھوں کون میرا صاحبِ ماتم نکلتا ہے

ثاقب لکھنوی

○

کہاں تک جفا حسن والوں کی سہتے
جوانی جو رہتی تو پھر ہم نہ رہتے

وفا بھی نہ ہوتا تو اچھا تھا وعدہ
گھڑی دو گھڑی تو کبھی شاد رہتے

نشیمن نہ جلتا نشانی تو رہتی
ہمارا تھا کیا ٹھیک رہتے نہ رہتے

بتاتے ہیں آنسو کہ اب دل نہیں ہے
جو پانی نہ ہوتا تو دریا نہ بہتے

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

کوئی نقش اور کوئی دیوار سمجھا
زمانہ ہوا مجھ کو چپ رہتے رہتے

مری ناؤ اس غم کے دریا میں ثاقب
کنارے پہ آ ہی لگی بہتے بہتے

○

ہجر کی شب نالۂ دل وہ صدا دینے لگے
سننے والے رات کٹنے کی دعا دینے لگے

کس نظر سے آپ نے دیکھا دلِ مجروح کو
زخم جو کچھ بھر چلے تھے پھر ہوا دینے لگے

جز زمینِ کوئے جاناں کچھ نہیں پیشِ نگاہ
جس کا دروازہ نظر آیا صدا دینے لگے

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

مٹھیوں میں خاک لے کر دوست آئے وقتِ دفن
زندگی بھر کی محبت کا صلا دینے لگے

آئینہ ہو جائے میرا عشق ان کے حسن کا
کیا مزا ہو درد اگر خود ہی دوا دینے لگے

سینۂ سوزاں میں ثاقب گھٹ رہا ہے وہ دھواں
اُف کروں تو آگ دنیا کی ہوا دینے لگے

حکیم سعید احمد ناطق لکھنوی

○

کبھی دامانِ دل پر داغِ مایوسی نہیں آیا
اِدھر وعدہ کیا اس نے اُدھر دل کو یقیں آیا

محبت آشنا دل مذہب و ملت کو کیا جانے
ہوئی روشن جہاں بھی شمع پروانہ نہیں آیا

وہ عالم سے گزر کے بھی دلِ عاشق ہے آوارہ
ابھی تک یہ مسافر اپنی منزل پر نہیں آیا

مری جانب سے ان کے دل میں کس شکوے پہ کینہ ہے
وہ شکوہ جو زباں پر کیا، ابھی دل میں نہیں آیا

حیاتِ بے خودی کچھ ایسی نامحسوس تھی ناطقؔ
اجل آئی، تو مجھ کو اپنی ہستی کا یقیں آیا

○

کیا بتاؤں دل کہاں ہے اور کس جا درد ہے
میں سراپا دل ہوں، دل میرا سراپا درد ہے

یہ سمجھ لیں پہلے آپ اے حضرتِ عیسیٰ! ذرا
کس کے دل میں درد ہے یہ اور کس کا درد ہے

جو چلا دنیا سے وہ رکھے ہوئے سینے پہ ہاتھ
میں سمجھتا ہوں کہ سب کے دل میں تیرا درد ہے

میرے چپ رہنے سے تو غافل ہے اور ظاہر پرست
ظرف بھی اتنا ہی میں رکھتا ہوں، جتنا درد ہے

ہر تڑپ پر قالبِ مردہ میں آجاتی ہے روح
مجھ مریضِ ناتواں کی جان گویا درد ہے

بچ گئے تو انتہائے عشق میں لطف آئے گا
اور ابھی تو ابتدا میں انتہا کا درد ہے

اپنا اپنا حال کہہ لینے دو ناطقؔ سب کو تم
جانتا ہے وہ کہ کس کے دل میں کتنا درد ہے

ناطق گلاؤٹھوی

○

ڈھونڈتی ہے اضطرابِ شوق کی دنیا مجھے
آپ نے محفل سے اٹھوا کر کہاں رکھا مجھے

اے نگاہِ مست! اس کا نام ہے کیفِ سرور
آج تو نے دیکھ کر میری طرف دیکھا مجھے!

یار سے ہو کر جدا، جورِ فلک کا غم نہیں
ہو چکی وہ بات تھی جس بات کی پروا مجھے

ساتھ بھی چھوڑا تو کب جب سب بُرے دن کٹ گئے
زندگی تو نے کہاں آ کر دیا دھوکا مجھے

○

کیا ارادے ہیں وحشتِ دل کے
کس سے ملنا ہے خاک میں مل کے

اے دلِ شکوہ سنج! کیا گزری
کس لیے ہونٹ رہ گئے سِل کے؟

مٹتے جاتے ہیں راہِ عمر میں وحشت
مل رہے ہیں نشانِ منزل کے

چھوڑ ناطق فضائے بزمِ شکست
اٹھ کے ٹکڑے سنبھال لے دل کے

عزیز لکھنوی

○

دیکھ کر ہر در و دیوار کو حیراں ہونا
وہ مرا پہلے پہل داخلِ زنداں ہونا

اُف مرے اُجڑے ہُوئے گھر کی تباہی دیکھو
جس کے ہر ذرّہ پہ چھایا ہے بیاباں ہونا

حادثے دونوں یہ عالم میں اہم گذرے ہیں
میرا مرنا، تیری زلفوں کا پریشاں ہونا

کچھ نہ پوچھو شبِ وعدہ مرے گھر کی رونق
اللہ اللہ! وہ سامان سے ساماں ہونا

جوشش ہے لے کے اک انگڑائی کسی کا کہنا:
تم کو آتا ہی نہیں چاک گریباں ہونا!

سرخ ڈورے تری آنکھوں کے الٰہی توبہ
چاہیئے تھا انہیں پیوست رگِ جاں ہونا

ہو چلیں آپ کے بیمار کی آنکھیں بے نُور
قہر تھا صبح کے تارے کا نمایاں ہونا

مَیں کروں ضبط ادھر ان کو پسینہ آئے
چاہیئے یوں غمِ پنہاں کو نمایاں ہونا

اللہ اللہ یہ سلیقہ ترا اے شعلۂ طور!
کس طرح تو نے چھپایا ہے نمایاں ہونا

اُس سے کرتا ہے دمِ نزع وصیت یہ عزیز
خلق روئے گی، مگر تم نہ پریشاں ہونا

○

یہ مشورہ بہم اُٹھے ہیں چارہ جو کرتے
اب اس مریض کو اچھا تھا قبلہ رو کرتے

زبان رُک گئی آخر سحر کے ہوتے ہی!
تمام رات کٹی دل سے گفتگو کرتے

کفن کو باندھے ہوئے سر سے آئے ہیں ورنہ
ہم اور آپ سے اس طرح گفتگو کرتے

سوادِ شہرِ خموشاں کا دیکھئے منظر!
سنا نہ ہو، جو خموشی کو گفتگو کرتے!

اگر کہیں وہ دمِ واپسیں چلے آتے
ہم ایک سانس میں تفصیلِ آرزو کرتے

تمام رُوح کی لذت اسی پہ تھی موقوف
کہ زندگی میں کبھی تم سے گفتگو کرتے

جواب حضرتِ ناصح کو ہم بھی کچھ دیتے
جو گفتگو کے طریقے سے گفتگو کرتے

پہنچ کے حشر کے میداں میں ہول کیوں ہے عزیز
ابھی تو پہلی ہی منزل ہے جستجو کرتے!!

جلیل مانک پوری

کھو کے دل میرا تمہیں ناحق پشیمانی ہوئی
تم سے نادانی ہوئی یا مجھ سے نادانی ہوئی؟

اللہ اللہ پھوٹ نکلا رنگ چاہت کا مری
زہر کھایا میں نے پوشاک آپ کی دھانی ہوئی

ہم کو ہو سکتا نہیں دھوکا ہجومِ حشر میں
تیری صورت ہے ازل سے جانی پہچانی ہوئی

اے صبا! میں اور کیا دوں قبرِ مجنوں کے لئے
خاک تھوڑی سی چڑھا دینا مری چھانی ہوئی

یار کے ہاتھوں ہوا جو کچھ ہوا اے تیغِ ناز!
تیری عریانی ہوئی یا میری قربانی ہوئی

کر گئی دیوانگی ہم کو بری ہر جرم سے
چاک دامانی سے اپنی پاک دامانی ہوئی

باڑھ دی بانکی اداؤں نے جو خنجر کو جلیل!
ذبح کرنے میں مرے قاتل کو آسانی ہوئی

اس شان سے وہ آج پئے امتحاں چلے
فتنوں نے پاؤں چوم کے پوچھا: کہاں چلے

جب میں چلوں تو سایہ بھی اپنا نہ ساتھ دے
جب تم چلو، زمین چلے، آسماں چلے

آنکھوں میں کون آکے الٰہی نکل گیا
کس کی تلاش میں مرے اشکِ رواں چلے

اٹھتا ہوں میں جو دشت سے جانے کو اے جنوں
کہتے ہیں خار تھام کے دامن: کہاں چلے؟

احسنؔ مارہروی

ادائیں بانکپن انداز میں اک آن پیدا کر
تجھے معشوق بننا ہے تو پوری شان پیدا کر

کہاں کا وصل کیسی آرزو اے دل! وہ کہتے ہیں
نہ میں حسرت کروں پوری، نہ تو ارمان پیدا کر

ہمارا انتخاب اچھا نہیں اے دل! تو پھر تو ہی
خیالِ یار سے بہتر کوئی مہمان پیدا کر

مجھے ہے رشک اس کو بھی رقیب اپنا سمجھتا ہوں
نہ دیکھے جو تجھے ایسا کوئی دربان پیدا کر

خیالِ ضبطِ الفت ہے تو احسنؔ خوف پھر کیسا
نہ دھڑکے دل بھی سینے میں وہ اطمینان پیدا کر

ساقی و واعظ میں ضد ہے بادہ کش چکر میں ہے
توبہ لب پر، لب ڈوبا ہوا ساغر میں ہے

روک لے اے ضبط! جو آنسو کہ چشمِ تر میں ہے
کچھ نہیں بگڑا ہے اب تک گھر کی دولت گھر میں ہے

دب گیا تھا میرے مرنے سے جو اے محشر خرام!
کیا وہی خوابیدہ فتنہ صورتِ محشر میں ہے

جس کو تو چاہے جِلا دے، جس کو چاہے مار دے
وہ بھی تیری بات میں، یہ بھی تری ٹھوکر میں ہے

دل کے مٹ جانے سے جوشِ عشق گھٹ سکتا ہے کیا
دل سے کیا مطلب کہ یہ سودا تو میرے سر میں ہے

مانتا ہے آستاں کو تیرے کعبہ اور کون؟
یہ ہمارا ہی نشانِ سجدہ، سنگِ در میں ہے

احسنؔ آوارہ قسمت کی نہ پوچھو گردشیں
اپنے گھر بیٹھا ہوا تقدیر کے چکر میں ہے

نوحؔ ناروی

کسی بے درد کو ظلم و ستم کا شوق جب ہوگا
یہ میرا ایک دل لاکھوں دلوں میں منتخب ہوگا

ہمارا اور ان کا سامنا محشر میں جب ہوگا
وہ جلسہ، وہ سماں، وہ معرکہ بھی کچھ عجب ہوگا

کوئی زندہ رہے دنیا میں کیا اگلی امیدوں پہ
ابھی تو ہجر کا رونا ہے، ہوگا وصل جب ہوگا

لڑکپن جاچکا ان کا، جوانی آنے والی ہے
کبھی مجھ پر جفا ہوتی تھی، لیکن قہر اب ہوگا

تمہارے وصل کی ساعت ہمیشہ ٹلتی رہتی ہے
خدا جانے کہاں ہوگا، کسے معلوم کب ہوگا

ابھی لذت نہیں اس کو ملی آزارِ پنہاں کی
جو ہوگا بھی تو ہوتے ہوتے دل، ایذا طلب ہوگا

وہ اپنے وعدۂ دیدار سے پھرنے کو پھر جائیں
مگر یہ تو سمجھ لیں بے وفا کس کا لقب ہوگا

مجھے اظہارِ الفت پر یہ ان سے داد ملتی ہے
تمہارا عشق اک دن میری ذلت کا سبب ہوگا

بھری محفل میں ان کو چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی
جنابِ نوحؔ تم سا بھی نہ کوئی بے ادب ہوگا

آپ جن کے قریب ہوتے ہیں
وہ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں

جب طبیعت کسی پہ آتی ہے
موت کے دن قریب ہوتے ہیں

مجھ سے ملنا، پھر آپ کا ملنا
آپ کس کو نصیب ہوتے ہیں

ظلم سہہ کر، جو اُف نہیں کرتے
ان کے دل بھی عجیب ہوتے ہیں

عشق میں اور کچھ نہیں ملتا
سینکڑوں غم نصیب ہوتے ہیں

[illegible]
[illegible] ہوتے

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی

○

حسن عشق میں ہے یا عشق، حسن میں مضمر
جوہر آئینہ میں یا آئینہ ہے جوہر میں

عشق محشر آرا کی طور پہ گری بجلی
حسن لن ترانی کی رہ سکا نہ چادر میں

فرطِ سوزِ الفت میں دیکھ کر سکوں دل کا
بجلیاں مچلتی ہیں بادلوں کے محشر میں

چارہ گر کو حیرت ہے ارتقائے وحشت سے
پاؤں میں جو چکر تھا آرہا ہے وہ سر میں

ہوں وہ رند یا صوفی مست اس کی دھن میں ہیں
جانے کتنے میخانے بھر دئے ہیں کوثر میں

○

عشق ہی عشق ہو، عاشق ہو نہ معشوق جہاں
ایسی اک درگہِ توحید مآب اور بھی ہے

ہوش سے کاٹ یہ دن، زندہ دلی سے رکھ کام
شیب کے بعد مری جان! شباب اور بھی ہے

یار میخانے اگر کر گئے خالی، غم کیا؟
اب بھی ابر آتا ہے اور خم میں شراب اور بھی ہے

گھر کیا غالب و مومن نے جہاں آنکھوں میں
اسی بستی میں کوئی خانہ خراب اور بھی ہے

محمد علی جوہر

○

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں ان سے خلوت میں ملاقاتیں

ہر آن تسلّی ہے ہر لحظہ تشفّی ہے
ہر وقت ہے دلجوئی ہر دم ہیں مداراتیں

معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیّت
اک فاسق و فاجر میں اور ایسی کراماتیں

بیٹھا ہوا توبہ کی تُو خیر منایا کر
مِلتی نہیں یوں جوہر اس دیس کی برساتیں

○

دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

جینا وہ کیا کہ دل میں نہ ہو تیری آرزو
باقی ہے موت ہی دلِ بے مدعا کے بعد

تجھ سے مقابلے کی کسے تاب ہے ولے
میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

لذت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں
آتا ہے لطفِ جرمِ تمنا سزا کے بعد

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اِسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

دل شاہجہانپوری

○

پھر اعتبارِ عشق کے قابل نہیں رہا
جو دل تری نظر سے گرا دل نہیں رہا

نشتر چبھوئے اب نہ پشیمانیٔ نگاہ
مجھ کو تو شکوۂ خلشِ دل نہیں رہا

موجیں اُبھار کر مجھے جس سمت لے چلیں
حدِ نگاہ تک کہیں ساحل نہیں رہا

کیا کہیے اب مآلِ محبت کی سرگذشت
یاد اُس کی رہ گئی ہے مگر دل نہیں رہا

○

کوچہ گردی میں جوانی جائے گی
خاک ہو کر زندگانی جائے گی

مٹ نہیں سکتا ہمارے دل کا داغ
قبر میں بھی یہ نشانی جائے گی

سچ ہے میری بات کا کیا اعتبار
سچ کہوں گا، جھوٹ جانی جائے گی

حضرتِ دل جب بڑھاپا آئے گا
خیر مقدم کو جوانی جائے گی

شاہ بیدم وارثی

○

اپنی ہستی کا اگر حسن نمایاں ہو جائے
آدمی کثرتِ انوار سے حیراں ہو جائے

تم جو چاہو، تو مرے درد کا درماں ہو جائے
ورنہ مشکل ہے کہ مشکل مری آساں ہو جائے

او نمک پاشِ! تجھے اپنی ملاحت کی قسم
بات تو جب ہے کہ ہر زخم نمکداں ہو جائے

دینے والے تجھے دینا ہے تو، اتنا دے دے
کہ مجھے شکوۂ کوتاہیٔ داماں ہو جائے

اس سیہ بخت کی راتیں بھی کوئی راتیں ہیں
خوابِ راحت بھی جسے خوابِ پریشاں ہو جائے

سینۂ شبلی و منصور تو پھونکا تو نے
اس طرف بھی کرم اے جنبشِ داماں ہو جائے

آخری سانس بنے زمزمۂ ہو اپنا
سازِ مضرابِ فنا تارِ رگِ جاں ہو جائے

تو جو اسرارِ حقیقت کہیں ظاہر کر دے
ابھی بیدم رسن و دار کا ساماں ہو جائے

○

مجھے شکوہ نہیں! برباد رکھ! برباد رہنے دے
مگر اللہ میرے دل میں اپنی یاد رہنے دے

مرے ناشاد رہنے سے اگر تجھ کو مسرت ہے
تو میں ناشاد ہی اچھا، مجھے ناشاد رہنے دے

تری شانِ تغافل پر مری بربادیاں صدقے
جو بربادِ تمنا ہو، اسے برباد رہنے دے

نہ صحرا میں بہلتا ہے نہ کوئے یار میں ٹھہرے
کہیں تو چین سے مجھ کو دلِ ناشاد رہنے دے

کچھ اپنی گزری ہی بیدم بھلی معلوم ہوتی ہے
مری بیتی سنا دے، قصۂ فرہاد رہنے دے

آغا حشر

○

یاد میں تیری جہاں کو بھولتا جاتا ہوں میں
بھولنے والے! کبھی تجھ کو بھی یاد آتا ہوں میں

ایک دھندلا سا تصور ہے کہ دل بھی تھا یہاں
اب تو سینے میں فقط اک ٹیس سی پاتا ہوں میں

او وفا ناآشنا کب تک سنوں تیرا گلہ
بے وفا کہتے ہیں تجھ کو اور شرماتا ہوں میں

آرزوؤں کا شباب اور مرگِ حسرت ہائے ہائے
جب بہار آئی گلستاں میں تو مرجھاتا ہوں میں

حشر میری شعر گوئی ہے فقط فریادِ شوق
اپنا غم دل کی زباں میں، دل کو سمجھاتا ہوں میں

○

چوری کہیں کھلے نہ نسیم بہار کی
خوشبو اڑا کے لائی ہے گیسوئے یار کی

اللہ رکھے اس کا سلامت غرورِ حسن
آنکھوں کو جس نے دی ہے سزا انتظار کی

گلشن میں دیکھ کر مرے مستِ شباب کو
شرمائی جا رہی ہے جوانی بہار کی

اے میرے دل کے چین مرے دل کی روشنی
آ، اور صبح کر دے شبِ انتظار کی

اے حشر دیکھنا تو یہ ہے چودھویں کا چاند
یا آسماں کے ہاتھ میں تصویر یار کی

وحشت کلکتوی

○

ہوئے ہیں گم جس کی جستجو میں اسی کی ہم جستجو کریں گے
رکھا ہے محروم جس نے ہم کو اسی کی ہم آرزو کریں گے

گئے وہ دن جب کہ اس چمن میں ہوائے نشو و نما تھی ہم کو
خزاں کو دیکھا نہیں ہے ہم نے کہ خواہشِ رنگ و بو کریں گے

حکایتِ آرزو ہے نازک زبان کیا خاک کہہ سکے گی
لبِ خموش و نگاہِ حسرت سے دل کی ہم گفتگو کریں گے

جگہ جو آنکھوں میں میں نے دی تھی تو ان سے تھی چشمِ رازداری
یہ کیا خبر تھی کہ اشک میرے مجھی کو بے آبرو کریں گے

ابھی تو گم کردہ راہ خود ہیں مئے محبت کی بیخودی ہیں
اگر کبھی آپ میں ہم آئے تو اس کی بھی جستجو کریں گے

اس انجمن میں کہ چشمِ ساقی کفیل ہو عیشِ زندگی کی
وہ بادہ خواری میں خام ہوں گے جو فکرِ جام و سبو کریں گے

طہارتِ ظاہری سے حاصل نہ ہو سکے گی صفائے باطن
بہا کے ہم خونِ توبہ وحشتؔ اسی سے اک دن وضو کریں گے

○

درد کا میرے یقیں آپ کریں یا نہ کریں
عرض اتنی ہے کہ اس راز کا چرچا نہ کریں

لاکھ غافل سہی پر ایسے بھی ہم کور نہیں
کہ چمن دیکھ کے ذکرِ چمن آرا نہ کریں

عقل و دانش سے تو کچھ کام نہ نکلا اپنا
کب تک آخر دلِ دیوانہ کا کہنا نہ کریں

وہ نگاہیں عجب انداز سے ہیں عشوہ فروش
غمِ پنہاں کو ہمارے کہیں رسوا نہ کریں

تیرے آشفتہ سر ایسے بھی نہیں سودائی
کہ دل دیں کے لئے زلف کا سودا نہ کریں

میں نے بیہودہ توقع کی سزا پائی ہے
کچھ خیال آپ مری حسرتِ دل کا نہ کریں

میرے ارمانوں کو کاش اتنی سمجھ ہو وحشتؔ
کہ ان آنکھوں سے مروّت کا تقاضا نہ کریں

آسی الدنی

○

قید سے پہلے بھی آزادی مری خطرے میں تھی
آشیانہ ہی مرا صورت نمائے دام تھا

وا ہمہ خلاق اور آزادی کا حسن افزا سرور
ہر فریب رنگ کا پہلے گلستاں نام تھا

ضعف آہوں پر بھی غالب ہو چلا تھا اے اجل!
تو نہ آتی تو یہ میرا آخری پیغام تھا!

دیدۂ خوں نابہ افشاں میرا ان کے سامنے
بے خودی کے ہاتھ سے چھوٹا ہوا اک جام تھا

○

ہزاروں طرح اپنا درد ہم اس کو سناتے ہیں
مگر تصویر کو ہر حال میں تصویر پاتے ہیں

بجھا دے اے ہوائے تند! مدفن کے چراغوں کو
سیہ بختی میں یہ اک بدنما دھبہ لگاتے ہیں

مرتب کر گیا اک عشق کا قانون دنیا میں
وہ دیوانے ہیں جو مجنوں کو دیوانہ بتاتے ہیں

اسی محفل سے میں روتا ہوا آیا ہوں اے آسی
اشارے میں جہاں لاکھوں مقدر بدلے جاتے ہیں

تاجور نجیب آبادی

○

حسنِ شوخ چشم میں نام کو وفا نہیں   دردآفریں نظر درد آشنا نہیں

ننگِ عاشقی ہے وہ ننگِ زندگی ہے وہ   جس کے دل کا آئنہ ترا آشنا نہیں

آہ اس کی بیکسی تو نہ جس کے ساتھ ہو   ہائے اس کی بندگی جس کا تو خدا نہیں

حیف وہ الم نصیب جس کا درد تو نہ ہو   اُف وہ دردِ زندگی جس کی تو دوا نہیں

دوست یا عزیز ہیں خود فریبیوں کے نام   آج آپ کے سوا کوئی آپ کا نہیں

جانتا ہوں میں کہ تو اہلِ دل کے ساتھ ہے   دل پہ ہو خدا کی مار، دل بھی مانتا نہیں

اپنے حسن کو ذرا تو مری نظر سے دیکھ   دوست بششش جہات میں کچھ ترے سوا نہیں

بے وفا خدا سے ڈر طعنۂ وفا نہ دے

تاجورؔ میں اور عیب کچھ ہوں، بے وفا نہیں

○

محبت میں زیاں کاری مرادِ دل نہ بن جائے
یہ لاحاصل ہی عمرِ عشق کا حاصل نہ بن جائے

مجھی پر پڑ رہی ہے ساری محفل میں نظر اُن کی
یہ دلداری حسابِ دوستاں در دل نہ بن جائے

کروں گا عمر بھر طے راہِ بے منزل محبت کی
اگر وہ آستاں اس راہ کی منزل نہ بن جائے

یہ متوالی نظر، یہ بادۂ بے جام، ارے توبہ
کسی پر بے بنی اے ساقیٔ محفل نہ بن جائے

ترے انوار سے ہے نبضِ ہستی میں تڑپ پیدا
کہیں سارا نظامِ کائنات اک دل نہ بن جائے

کہیں رسوا نہ ہو اب شانِ استغنا محبت کی
مری حالت تمہارے رحم کے قابل نہ بن جائے

عبداللطیف تپش

○

جان آنکھوں میں رہی جی سے گزرنے نہ دیا
ابھی دیدار کی حسرت تھی کہ مرنے نہ دیا

کیا قیامت ہے ستم گار بھری محفل میں
دل چرا کر تری دزدیدہ نظر نے نہ دیا

مدتوں کشمکش یاس و تمنا میں رہے
غم نے جینے نہ دیا شوق نے مرنے نہ دیا

ناخدا نے مجھے دلدل میں پھنسائے رکھا
ڈوب مرنے نہ دیا، پار اترنے نہ دیا

کوئی تو بات ہے جو غیر کے آگے اس نے
شکوہ کیسا کہ مجھے شکر بھی کرنے نہ دیا

خاک آرام کی خواہش ہو وطن سے باہر
جب ہمیں چین تپش اپنے ہی گھر نے نہ دیا

○

موت آتی نہیں قرینے کی
یہ سزا مل رہی ہے جینے کی

مے سے پرہیز شیخ توبہ کرو
اک یہی چیز تو ہے پینے کی

تمہیں کہتا ہے آئینہ خود بیں
باتیں سنتے ہو اس کمینے کی

ہو گیا جب سے بے نقاب کوئی
شمع روشن نہ پھر کسی نے کی

چشم تر آبرو تو پیدا کر
یوں نہیں بجھتی آگ سینے کی

اہل دنیا سے کیا بدی کا گلہ
اے تپش تو نے کس سے کی نیکی

ظفر تاباں

○

عمرِ ابد کا ماحصل عشق کا ذوقِ ناتمام
ہائے وہ مستیٔ سحر، ہائے وہ بیخودیٔ شام

چلنے کو چل رہے ہیں ہم سفرانِ سست گام!
میری سرشت میں نہیں خواہشِ منزل و مقام

طائرِ خستہ بال کو دام بھی کنجِ آشیاں!
مرغِ چمن نورد کو، گوشۂ آشیاں بھی دام

اب بھی خدا پرست ہے دیر و حرم کی قید میں
ہائے نگاہِ نارسا، ہائے مذاقِ ناتمام

کیفِ نظر کی منتہا اہلِ نظر سے پوچھئے
جیسے کوئی پلا گیا بادۂ مشک بو کے جام

خوبیٔ و شانِ دلبری، غمزہ و ناز ہی نہیں
حُسن میں وہ ادا بھی ہے جس کا نہیں ہے کوئی نام

○

یاد میں تیری دو عالم کو بھلانا ہے ہمیں
عمر بھر اب کہیں آنا ہے نہ جانا ہے ہمیں

کہتے ہیں: عشق کا انجام برا ہوتا ہے
اب تو کچھ بھی ہو محبت کو نبھانا ہے ہمیں

خلشِ عشق سے بے چین ہے دل ایک طرف
اس پہ یا رب غمِ ہستی بھی اٹھانا ہے ہمیں

ہائے وہ آگ جو مشکل سے جلی تھی دل میں
آج اس آگ کے شعلوں کو بجھانا ہے ہمیں

رخصتِ عرضِ تمنا نہیں ملتی، اچھا
قصۂ شوق نگاہوں سے سنانا ہے ہمیں!

آپ کانٹوں سے جو بچتے ہوئے چلتے ہیں، چلیں
دامنِ شوق کو پھولوں سے بچانا ہے ہمیں

ہائے! اس شرمِ محبت کا برا ہو تاباں
عشق کا راز خود اُن سے بھی چھپانا ہے ہمیں!

عندلیب شادانی

○

کوئی ادا شناسِ محبت ہمیں بتائے
جو ہم کو بھول جائے وہ کیوں ہم کو یاد آئے

کس کی مجال تھی کہ حجاب نظر اٹھائے
وہ مسکرائے آپ ہی دل کے قریب آئے

اک دل نشیں نگاہ میں اللہ یہ خلش
نشتر کی نوک جیسے کلیجے میں ٹوٹ جائے

کچھ ہم سے بے خودی میں ہوئیں بے حجابیاں
چشمک زنی ستاروں نے کی پھول مسکرائے

ناداں سہی پہ اتنے بھی ناداں نہیں ہیں ہم
خود ہم نے جان جان کے کتنے فریب کھائے

وہ جانِ آرزو کہ ہے سرمایۂ نشاط
کیوں اس کی یاد غم کی گھٹا بن کے دل پہ چھائے

کہتے تھے "تم سے چھوٹ کے کیونکر جئیں گے ہم"
جیتے ہیں تم سے چھوٹ کے تقدیر جو دکھائے

مایوسیوں میں دل کا وہ عالم، دمِ وداع
بجھتے ہوئے چراغ کی لو جیسے تھرتھرائے

تم تو ہمیں کو کہتے تھے، یہ تم کو کیا ہوا
دیکھو! کنول کے پھولوں سے شبنم چھلک نہ جائے

اک ناتمام خواب مکمل نہ ہو سکا
آنے کو زندگی میں بہت انقلاب آئے

○

جہاں عہدِ تمنا ختم ہو جائے
عذابِ جاودانی زندگی ہے

رلاتی ہے مجھے کیوں چاندنی رات
یہی اک رازِ میری زندگی ہے

خلش ہو درد ہو یا کاہش ہو کچھ ہو
فقط جینا بھی کوئی زندگی ہے

ملا کر اے غمِ تکمیلِ تمنا!
بقائے آرزو ہی زندگی ہے

جگر میں یاس لب ہنسنے پہ مجبور
کہ ایسی ہی ہماری زندگی ہے

وہ چاہے جس قدر بھی مختصر ہو
محبت کی جوانی زندگی ہے

امیدیں مر چکیں میں جی رہا ہوں
عجب بے اختیاری زندگی ہے

جوانی اور ہنگاموں سے خالی
یہ جینا ہے یہ کوئی زندگی ہے

گزاری تھیں خوشی کی چند گھڑیاں
انھیں کی یاد میری زندگی ہے

محبت دونوں جانب سے محبت
نہ پوچھو آہ! کیسی زندگی ہے

علی اختر

○

زندگی کیا ہے جو دل ہو تشنۂ ذوقِ وفا
یعنی یہ پردہ تو اٹھ سکتا ہے آسانی کے ساتھ

گفتگوئے صورت و معنی ہے عنوانِ حیات
کھیلتے ہیں وہ مری فطرت کی حیرانی کے ساتھ

تم نے ہر ذرّے میں برپا کر دیا طوفانِ شوق
اک تبسم اس قدر جلووں کی طغیانی کے ساتھ

دل کی آبادی ہے اختر دل کی بربادی کا نام
اک تعلق ہے مری ہستی کو ویرانی کے ساتھ

○

حریمِ کعبہ بنا دی وہ سرزمیں میں نے
ترے خیال میں رکھ دی جہاں جبیں میں نے

مجھی کو پردۂ ہستی میں دے رہا ہے فریب
وہ حسن جس کو کیا جلوہ آفریں میں نے

چٹک میں غنچے کی وہ صوتِ جاں فزا تو نہیں
سنی ہے پہلے بھی آواز یہ کہیں میں نے

رہینِ منزلِ وہم و گماں رہا اختر
اسی میں ڈھونڈھ لیا جادۂ یقیں میں نے

تلوک چند محرومؔ

○

اِس نہیں کہ دعا بے اثر گئی
اک آہ کی تھی وہ بھی کہیں جا کے مر گئی

اے ہم نفس، نہ پوچھ جوانی کا ماجرا
موجِ نسیم تھی، اِدھر آئی، اُدھر گئی

دامِ غمِ حیات میں اُلجھا گئی اُمید
ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ احسان کر گئی

اس زندگی سے ہم کو نہ دنیا ملی، نہ دین
تقدیر کا مشاہدہ کرتے گزر گئی

انجامِ حسنِ گل پہ نظر تھی، وگرنہ کیوں
گلشن سے آہ بھر کے نسیمِ سحر گئی

بس اتنا ہوش تھا مجھے روزِ وداعِ دوست
ویرانہ تھا نظر میں جہاں تک نظر گئی

ہر موجِ آبِ سندھ ہوئی وقفِ پیچ و تاب
محرومؔ جب وطن میں ہماری خبر گئی!

○

کاوشوں سے اماں ملے نہ ملے
پھر ترا آستاں ملے نہ ملے

اب قفس ہی کو آشیاں کہیے
راحتِ آشیاں ملے نہ ملے

دل سے رہتے ہیں مشورے دن رات
ہم سخن، ہم زباں ملے نہ ملے

محوِ فریاد ہم ہیں آج کہ پھر
فرصتِ یک فغاں ملے نہ ملے

علمِ آہ سر بلند ہے آج
کل ہمارا نشاں ملے نہ ملے

تو تو بے تاب ہے مگر اے دل
ہو کے وہ مہرباں ملے نہ ملے

یہ غزل جوشؔ[1] کو سنا محرومؔ
پھر کوئی نکتہ داں ملے نہ ملے

[1] جناب جوشؔ

آنند نرائن مُلّا

○

چھپ کے دنیا سے سوادِ دلِ خاموش میں آ
آ یہاں تو مری ترسی ہوئی آغوش میں آ

اور دنیا میں کہیں تیرا ٹھکانہ ہی نہیں
اے مرے دل کی تمنا لبِ خاموش میں آ

مئے رنگیں پسِ مینا سے اشارے کب تک
ایک دن ساغرِ رندانِ بلانوش میں آ

عشق کرتا ہے تو پھر عشق کی توہین نہ کر
یا تو بے ہوش نہ ہو، ہو تو نہ پھر ہوش میں آ

تو بدل دے نہ کہیں جوہرِ انساں کا بھی رنگ
اے زمانے کے لہو دیکھ نہ یوں جوش میں آ

دیکھ کیا دام لگاتی ہے نگاہِ مُلّاؔ
کبھی اے غنچۂ تر دستِ گل فروش میں آ

○

نگاہ و دل کا افسانہ قریبِ اختتام آیا
ہمیں اب اس سے کیا، آئی سحر یا وقتِ شام آیا

زبانِ عشق پر اک چیخ بن کر تیرا نام آیا
خرد کی منزلیں طے ہو چکیں دل کا مقام آیا

اٹھانا ہے جو پتھر رکھ کے سینہ پر وہ کام آیا
محبت میں تری ترکِ محبت کا مقام آیا

اسے آنسو نہ کہہ اک یادِ ایامِ گذشتہ ہے
مری عمرِ رواں کو عمرِ رفتہ کا سلام آیا

ذرا لَو اور دل کی تیز کر پھیلا سا یہ شعلہ
نہ روشن کر سکا گھر کو نہ محفل ہی کے کام آیا

مکمل تبصرہ کرتا ہوا ایامِ رفتہ پر
نگاہِ بے سخن میں ایک اشکِ بے کلام آیا

زمانہ کو بہانہ چاہیئے شاید تشدد کا
پھر اک مجبورِ شوریدگی کا اتہام آیا

نہ جانے کتنی شمعیں گل ہوئیں کتنے بجھے تارے
تب اک خورشید اتراتا ہوا بالائے بام آیا

برہمن آبِ گنگا شیخ کوثر لے اڑا اس سے
ترے ہونٹوں کو جب چھوتا ہوا مُلّاؔ کا جام آیا

روشؔ صدیقی

○

اس سے بڑھ کر تو کوئی بے سروساماں نہ ملا
دل ملا جس کو مگر دردِ غریباں نہ ملا

اک ذرا ذوقِ تجسس میں بڑھایا تھا قدم
نکہتِ گل کو پھر آغوشِ گلستاں نہ ملا

تلخیٔ بادۂ اندوہِ وفا کیا کم ہے
اس میں اے دوست یہ زہرِ غمِ دوراں نہ ملا

کر دیا ہم نے گوارا غمِ آشفتہ سری
جب کسی طرح مزاجِ دلِ خوباں نہ ملا

اب کہاں جائیں بتاؤ تو کچھ اے اہلِ حرم
بت کدے میں بھی وہ غارت گرِ ایماں نہ ملا

نسبتِ پائے نگاریں ہے یہ اے موجِ نسیم
خاک سے سلسلۂ لالہ و ریحاں نہ ملا

بات اتنی سی ہے اے واعظِ افلاک نشیں
کیا ملے گا اسے یزداں جسے انساں نہ ملا

ان سے اب تذکرۂ دولتِ کونین ہے کیوں
جن غریبوں کو ترا گوشۂ داماں نہ ملا

زندگی نام ہے طوفانِ حوادث کا روشؔ
ننگِ ساحل ہے وہ جس کو کوئی طوفاں نہ ملا

○

عمرِ ابد سے خضر کو بے زار دیکھ کر
خوش ہوں فسونِ نرگسِ بیمار دیکھ کر

کیا جلوہ گاہِ حسرتِ نظارہ ہے بہشت؟
حیراں ہوں صورتِ در و دیوار دیکھ کر

بادہ بقدرِ ظرف سہی رسمِ میکدہ
ساقی! نزاکتِ دلِ میخوار دیکھ کر

اب جستجوئے دوست کی منزل کہیں بھی ہو
ہم چل پڑے ہیں راہ کو دشوار دیکھ کر

شایانِ جرمِ عشق نہ تھی قیدِ زندگی
جی شاد ہو گیا رسن و دار دیکھ کر

اب اس سے کیا غرض یہ حرم ہے کہ دیر ہے
بیٹھے ہیں ہم تو سایۂ دیوار دیکھ کر

اب حشر تک حجاب نشیں ہے نگاہِ شوق
چھپنا تھا رنگِ حسرتِ دیدار دیکھ کر

رازِ فروغِ آخرِ شب کچھ نہ کھل سکا
کیوں خوش ہے شمع صبح کے آثار دیکھ کر

سازِ غزل اٹھا ہی لیا ہم نے اے روشؔ
اس چشمِ نیم باز کا اصرار دیکھ کر

میرا جی

○

ہنسو تو ساتھ ہنسے گی دُنیا، بیٹھ اکیلے رونا ہوگا
چپکے چپکے بہا کر آنسو، دل کے دُکھ کو دھونا ہوگا

بیرن ریت بڑی دُنیا کی، آنکھ سے ٹپکا جو بھی موتی
پلکوں ہی سے اٹھانا ہوگا، پلکوں ہی سے پرونا ہوگا

پیاروں سے مل جائیں پیارے، انہونی کب ہونی ہوگی
کانٹے پھول بنیں گے کیسے، کب سکھ سیج بچھونا ہوگا

بہتے بہتے کام نہ آئے لاکھوں بھنور طوفانی ساگر
اب منجدھار میں اپنے ہاتھوں جیون ناؤ ڈبونا ہوگا

میرا جی کیوں سوچ ستائے، پلک پلک ڈوری لہرائے
قسمت جو بھی رنگ دکھائے اپنے دل میں سمونا ہوگا

○

○

غم کے بھروسے کیا کچھ چھوڑا، کیا اب تم سے بیان کریں
غم بھی راس نہ آیا دل کو اور ہی کچھ سامان کریں

کرنے اور کہنے کی باتیں کس نے کہیں اور کس نے کیں!
کرتے کہتے دیکھیں کسی کو ہم بھی کوئی پیمان کریں

بھلی بری جیسی بھی گزری اُن کے سہارے گزری ہے
حضرتِ دل جب ہاتھ بڑھائیں، ہر مشکل آسان کریں!

ایک ٹھکانا آگے آگے، پیچھے پیچھے مسافر ہے!
چلتے چلتے سانس جو ٹوٹے منزل کا عنوان کریں

مجبوروں کی مختاروں سے دُوری اچھی ہوتی ہے
مل بیٹھیں تو مبادا دونوں، باہم کچھ احسان کریں

دستِ مزدور پر خشتِ رنگیں اس کا اشارہ کرتی ہے
ایک ہی نعرہ کافی ہے بربادیٔ سرایوان کریں

پیر بنے تھے میرا جی سے، باتوں سے ہم جان گئے
فیض کا چشمہ جاری ہے حفظ اُن کا بھی دیوان کریں!

جوشؔ ملسیانی

○

تری یاد میں کب قیامت نہ ٹوٹی ترے غم میں کب حشر برپا نہ دیکھا
بجز اک نگاہِ مسیحا نفس کے محبت کے ماروں نے کیا کیا نہ دیکھا

بہت سیر کی باغِ جنت کی ہم نے مگر کچھ مزا زندگی کا نہ دیکھا
کسی دل میں دردِ محبت نہ پایا کسی دل میں داغِ تمنا نہ دیکھا

جنونِ محبت میں دیوانگی میں تری بے رخی کا بھی ہیں قدرداں ہم
بڑا تو نے احسان مجھ پر کیا یہ، تماشا بنا کر تماشا نہ دیکھا!

ترے آستاں کا پتہ کس سے پائیں کرے رہبری کون بھٹکے ہوؤں کی
یہ راہِ طلب ہے کہ راہِ عدم ہے کسی کا بھی نقشِ کفِ پا نہ دیکھا

محبت کہاں یہ تو بے چارگی ہے ستم بھی سہیں پھر کرم اس کو سمجھیں
یہ جبر اس لیے کر لیا ہے گوارا کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا!

نیازِ محبت سے یہ بے نیازی خلوصِ محبت سے اتنا تغافل
مرا درد تم نے، مرا حال تم نے، نہ جانا، نہ سمجھا، نہ پوچھا، نہ دیکھا

تمہیں جوشؔ ہم خوب پہچانتے ہیں، تمہاری بلا نوشیاں جانتے ہیں
کہاں تم کہاں پارسائی کا جامہ کبھی ہم نے ایسا دکھاوا نہ دیکھا

○

بلا سے کوئی ہاتھ ملتا رہے
ترا حسن سانچے میں ڈھلتا رہے

ہر اک دل میں چمکے محبت کا داغ
یہ سکہ زمانے میں چلتا رہے

وہ ہمدرد کیا جس کی ہر بات میں
شکایت کا پہلو نکلتا رہے!

بدل جائے خود بھی تو حیرت ہے کیا!
جو ہر روز وعدے بدلتا رہے

مری بے قراری پہ کہتے ہیں وہ
نکلتا ہے دم تو نکلتا رہے!

پلائی ہے ساقی جو آنکھوں سے آج!
اسی کا بس اب دَور چلتا رہے

تمہیں ہم سحاب کرم بھی کہیں
امیدوں کا خرمن بھی جلتا رہے

یہ طولِ سفر یہ نشیب و فراز
مسافر کہاں تک سنبھلتا رہے

کوئی جوہری جوشؔ ہو یا نہ ہو
سخن وہ جواہر اگلتا رہے

جلال الدّین اکبر

خاموش ہیں لب اور آنکھوں سے آنسو ہیں کہ پیہم بہتے ہیں
ہم سامنے اُن کے بیٹھے ہیں اور قصّۂ فرقت کہتے ہیں

اب حسن و عشق میں فرق نہیں اب دونوں کی اک حالت ہے
میں اُن کو دیکھتا رہتا ہوں، وہ مجھ کو دیکھتے رہتے ہیں

اُن کی وہ حیا، وہ خاموشی ایسی وہ محبت کی نظریں
وہ سننے کو سب کچھ سنتے ہیں، ہم کہنے کو سب کچھ کہتے ہیں

اس شوقِ فراواں کی یا رب آخر کوئی حد بھی ہے کہ نہیں
انکار کریں وہ یا وعدہ ہم راستہ دیکھتے رہتے ہیں

ہمدرد نہیں ہمراز نہیں کس سے کہیئے کیونکر کہیئے
جو دل پہ گذرتی رہتی ہے جو جان پہ صدمے سہتے ہیں

آ دیکھ کہ ظالم فرقت میں کیا حال مرا بے حال ہوا
آہوں سے شرارے جھڑتے ہیں، آنکھوں سے دریا بہتے ہیں

اکبرؔ شاید دل کھو بیٹھے وہ جلسے وہ احباب نہیں
تنہا خاموش سے پھرتے ہیں ہر وقت اُداس سے رہتے ہیں

ہر آن ایک تازہ شکایت ہے آپ سے
اللہ مجھ کو کتنی محبت ہے آپ سے

کیا آپ جانتے ہیں، مجھے تو خبر نہیں
کہتے ہیں لوگ مجھ کو محبت ہے آپ سے

اس دل کی آرزوئے محبت کو کیا کہوں
جس دل کو آرزوئے محبت ہے آپ سے

رونا تو ہے یہی کہ نہیں آہ میں اثر
شکوہ ہے آپ سے نہ شکایت ہے آپ سے

آلِ احمد سرور

○

غیرتِ عشق کا یہ ایک سہارا نہ گیا
لاکھ مجبور ہوئے ان کو پکارا نہ گیا

کیا لہو روئے تو آیا ہے بہاروں کا سلام
صرف خوابوں سے حقائق کو سنوارا نہ گیا

معرکہ عشق کا سر ہم سے کبھی سر ہو نہ سکا
کون راہی تھا جو اس راہ میں مارا نہ گیا

وہ بھی وقت آتا ہے ساقی بھی بدل جاتے ہیں
مے کدے پر کبھی مستوں کا اجارا نہ گیا

شوق کی بات کب الفاظ میں ڈھل سکتی تھی
اس پری کو کبھی شیشے میں اُتارا نہ گیا

کبھی ٹکرا دیئے شیشے کبھی چھلکا دیئے جام
رائگاں ایک بھی ساقی کا اشارا نہ گیا

آئینے جتنے بھی دیکھے وہ مکدّر تھے سرورؔ
جوہرِ صدق و صفا پھر بھی ہمارا نہ گیا

○

ہم برق و شرر کو کبھی خاطر میں نہ لائے
اُس فتنۂ دوراں کو مگر دیکھ نہ پائے

گو قطرے ہیں دریاؤں کا طوفان سمائے
پر شوق کی روداد کب الفاظ میں آئے

زلفوں کو دیا ہے رخِ زیبا نے عجب رنگ
جلوؤں سے ترے اور بھی روشن ہوئے سائے

یہ عشق کے شعلے بھی عجب چیز ہیں یعنی
جو آگ لگائے وہی خود آگ بجھائے

ڈھلتی ہے وہ مے اک ترے پیمانے میں ساقی
مستی کو بھی جو ہوش کے آداب سکھائے

تیری ہی نگاہوں کا تصرف تھا کہ ہم نے
رعنائیِ افکار کے اعجاز دکھائے

جس دل پہ کسی کی نگہِ لطف پڑی تھی
بیٹھے ہیں سرورؔ اس کو کلیجے سے لگائے

ماہر القادری

○

احساسِ خوشی مٹ جاتا ہے افسردہ طبیعت ہوتی ہے
دل پہ وہ گھڑی بھی آتی ہے جب غم کی ضرورت ہوتی ہے

دو حرف بھی میرے سن نہ سکے، تم اتنے کیوں بیزار ہوئے
مَیں نے تمھیں اپنا سمجھا تھا، اپنوں سے شکایت ہوتی ہے

یہ سود و زیاں کے پیمانے، یہ جھوٹے سچے افسانے
ان اہلِ ہوس کی باتوں سے بدنام محبّت ہوتی ہے

اک دوسری بوتل آنے تک، یہ دُردِ تہِ ساغر ہی سہی
او تشنۂ مے! بیتاب نہ ہو، ساقی کو ندامت ہوتی ہے

ماہرؔ کی سادہ باتوں سے اللہ بچاتا ہی رکھے!
خود تو یہ بڑے ہی حضرت ہیں اوروں کو نصیحت ہوتی ہے

○

دل میں اب آواز کہاں ہے
ٹوٹ گیا تو ساز کہاں ہے

آنکھ میں آنسو، لب پہ خموشی
دل کی بات اب راز کہاں ہے

سرو و صنوبر سب کو دیکھا!
اُن کا سا انداز کہاں ہے

دل خوابیدہ، روح فسردہ
وہ جوشِ آغاز کہاں ہے

پردہ بھی جلوہ بن جاتا
آنکھ تجلّی ساز کہاں ہے

بت خانے کا عزم ہے ماہرؔ
کعبے کا در باز کہاں ہے

سراج الدین ظفر

○

اٹھو زمانے کے آشوب کا ازالہ کریں
بنامِ گل بدناں رُخ سُوئے پیالہ کریں

بیادِ دیدۂ مخمور پُر پیالہ کریں
اٹھو کہ زہر کا پھر زہر سے ازالہ کریں

وہ رند ہیں نہ اٹھائیں بہار کا احساں
درود ہم تری خلوت میں بے حوالہ کریں

کہاں کے دیر و حرم آؤ ایک سجدۂ شوق
بپائے ہوش ربایانِ نیم سالہ کریں

برس پڑے جو گلستاں میں اس نظر سے شراب
بہک بہک کے ہم آگے بجوئے لالہ کریں

سبو اٹھا کہ گدایانِ کوئے میخانہ
ترے حوالے مہ و مہر کا قبالہ کریں

حدیثِ زہد ہو یا وارداتِ زہرہ وشاں
کسی کے نام کو ہم زیبِ ہر مقالہ کریں

دکھا صحیفۂ رُخ اس طرح کہ اہلِ بہار!
ورق ورق بخجالت بیاضِ لالہ کریں

اٹھو جلا کے مئے سرخ سے چراغِ ابد
نشاطِ صحبتِ شب کو ہزار سالہ کریں

ادا و رمز نگاہوں کی ہے کہ جیسے ظفر
تلاشِ کنجِ غزالانِ خوش رسالہ کریں

○

در میکدہ سے دیوارِ چمن تک پہنچے
ہم غزالوں کے تعاقب میں ختن تک پہنچے

ہاتھ میخواروں کے بے قصد اٹھے تھے لیکن!
اتفاقاً ترے گیسو کی شکن تک پہنچے

مدرسے میں کہاں اس عہد کا موضوعِ جنوں
لوگ پہنچے تو روایاتِ کہن تک پہنچے

راستہ ایک تھا ہم عشق کے دیوانوں کا
قد و گیسو سے چلے دار و رسن تک پہنچے

آئیں ہم دست درازی پہ تو میخانے سے
سلسلہ انجمنِ سرو و سمن تک پہنچے

اک قبائے سبک و تنگ میں سو سو ہیں طلسم
کیا کوئی حسن کے اسرارِ کہن تک پہنچے

آپ ہی آپ جو کھل جائے تری زلفِ دوتا
ناگہاں بے ہنری نقطۂ فن تک پہنچے

اے سخن فہم ہم اس بزم سے آئے ہیں جہاں
حیرتِ آئینہ اسلوبِ سخن تک پہنچے

اس طرح شوقِ غزالاں میں غزلخواں ہو ظفر
شہرتِ مشکِ غزل شہرِ ختن تک پہنچے

★

مختار صدیقی

○

موت کو زیست ترستی ہے یہاں
موت ہی کون سی سستی ہے یہاں

دم کی مشکل نہیں آساں کرتے
کس قدر عقدہ پرستی ہے یہاں

سب خرابے ہیں تمناؤں کے
کون بستی ہے جو بستی ہے یہاں

چھوڑ دے صرفہ میں ساون بھادوں
دیکھ ہر آنکھ برستی ہے یہاں

اب تو ہر اوج کا تارا ڈوبا
اوج کا نام ہی پستی ہے یہاں

○

تھی تو سہی پر آج سے پہلے ایسی حقیر فقیر نہ تھی
دل کی شرافت ذہن کی جودت اتنی بڑی تقصیر نہ تھی

سچ کہتے ہو، ہم ایسے کہاں، اور سوز و گدازِ عشق کہاں
سچ ہے مرے آئینۂ دل میں کوئی کبھی تصویر نہ تھی

اب جو اُچاٹ ہوئی ہے طبیعت شاید اب ہم رخصت ہیں
بن کارن اب بے بات دگرنہ، ایسی کبھی دلگیر نہ تھی

اہلِ جنوں کو فصلِ خزاں اب سے کبھی گر نہ ربط رہا
اب کے بہار وہ آئی کہ جس کی بوئے گل بھی سفیر نہ تھی

آخر غیرت نے سمجھایا، زاہدانہ زیست کریں
باقی ہر تدبیر تو کی، جو اپنے خلافِ ضمیر نہ تھی

یوسف ظفر

○

تعمیرِ زندگی کو نمایاں کیا گیا
تخریبِ کائنات کا ساماں کیا گیا

گلشن کی شاخ شاخ کو ویراں کیا گیا
یوں بھی علاجِ تنگیٔ داماں کیا گیا

کھوئے ہوؤں پہ تیری نظر کی نوازشیں
آئینہ دے کے اور بھی حیراں کیا گیا

آوارگیٔ زلف سے آسودگی ملی
آسودگی ملی کہ پریشاں کیا گیا،

وہ خوش نصیب ہوں کہ غمِ التفات سے
میرے غمِ حیات کا درماں کیا گیا

تنہائیاں بچھا کے جہانِ خراب میں
میرے لئے نگاہ کا ساماں کیا گیا

پھیلا کے بے ثباتیٔ عالم کی داستاں
مجھ پر حرام کیفِ بہاراں کیا گیا

بھڑکا کے آتشِ رُخِ جاناں کی آرزو
مجھ کو رہینِ آتشِ دوراں کیا گیا

نومیدیٔ طلب پہ چڑھا کے طلب کا رنگ
اُمیدِ دیدِ دوست کو ارزاں کیا گیا

یہ بھی کرم کہ مجھ کو شبانِ سیاہ میں
ناموسِ دلنوازیٔ ہجراں کیا گیا

جمعیتِ جمال کا حسنِ کمال دیکھ
آخر یہی ہوا کہ پریشاں کیا گیا،

دے کر چمن چمن کو بہار و خزاں کا رنگ
میرے خیال و خواب پہ احساں کیا گیا

آ اور کائنات کے پھولوں کی داد دے
جن سے ترا جمال نمایاں کیا گیا

○

یارو ابھی غم، غمِ یاراں ہے قریب آجاؤ
پیار و پھر فصلِ بہاراں ہے قریب آجاؤ

دور ہو کر بھی سنیں تم نے حکایاتِ وفا
قرب میں بھی وہی عنواں ہے قریب آجاؤ

ہم محبت کے مسافر ہیں کہیں دیکھ نہ لے
گھات میں گردشِ دوراں ہے قریب آجاؤ

جان پیاری ہے کہ تم بھی ہو مری جان کے ساتھ
غمِ جاں ہی غمِ جاناں ہے قریب آجاؤ

آج دنیا کو نہیں اپنے غموں سے فرصت
آج مل بیٹھنا آساں ہے، قریب آجاؤ

کس مروت پہ زمانے سے ڈریں، دور رہیں
آؤ اللہ نگہباں ہے قریب آجاؤ

میرے ہی پہلوئے سوزاں میں سکوں ممکن ہے
چار سو گردشِ دوراں ہے قریب آجاؤ

جاؤ، اب جاؤ، کہ وہ عہدِ وفا ختم ہوا
جب بھی دیکھو، کہ پھر امکاں ہے قریب آجاؤ

میں زمانے کی کڑی دھوپ کا مارا ہوں ظفر
تم جہاں ہو چمنستاں ہے قریب آجاؤ

انجم رومانی

○

ہرچند انھیں عہد فراموش نہ ہوگا
لیکن ہمیں اس وقت کوئی ہوش نہ ہوگا

دیکھو گے تو آئے گی تمھیں اپنی جفا یاد
خاموش جسے پاؤ گے خاموش نہ ہوگا

گذرے ہیں وہ لمحے کہ سدا یاد رہیں گے
دیکھا ہے وہ عالم کہ فراموش نہ ہوگا

ہم اپنی شکستوں سے ہیں جس طرح بغل گیر
یوں قبر سے بھی کوئی ہم آغوش نہ ہوگا

پی جاتے ہیں زہرِ غمِ ہستی ہو کہ مے ہو
ہم سا بھی زمانے میں بلانوش نہ ہوگا

ہونے کو تو دنیا میں کئی پردہ نشیں ہیں
لیکن تری صورت کوئی روپوش نہ ہوگا

پاؤ گے نہ آزادِ غمِ انجم کسی دل کو
ہوگا غمِ فردا جو غمِ دوش نہ ہوگا

○

جہاں تک گیا کاروانِ خیال
نہ تھا کچھ بجز حسرتِ پائمال

مجھے تیرا، تجھ کو ہے میرا خیال
مگر زندگی پھر بھی ہے خستہ حال

جہاں تک ہے دیر و حرم کا سوال
رہیں چپ تو مشکل، کہیں تو محال

تری کائنات ایک حیرت کدہ
شناسا مگر اجنبی خدّ و خال

مری کائنات ایک زخمِ کہن
مقدر میں جس کے نہیں اندمال

نئی زندگی کے نئے مکر و فن
نئے آدمی کی نئی چال ڈھال

ہوئے رخصت انجم سحر کے قریب
نہ دیکھا گیا شاید اپنا مآل

قیوم نظر

کیوں بیٹھ گئے غبار سے ہم
کچھ کہہ نہ سکے بہار سے ہم

یہ زندگی عمر بھر کا رونا
گھبرا گئے انتظار سے ہم

وہ ہجر کی مدتوں کا عالم
باز آئے اس اختیار سے ہم

ہنستے ہیں کہ ہنس سکے زمانہ
خوش ہیں تو اس اعتبار سے ہم

یوں بھی تو سکوں ملا ہے برسوں
پھرتے رہے بے قرار سے ہم

وہ تم سے آج تک گریزاں
جب تم سے تھے ہمکنار سے ہم

اب آخر شب نظر ہے شاید
پھر جیسے ہیں ہوشیار سے ہم

ماتھے پر ٹیکا صندل کا اب دل کے کارن رہتا ہے
مندر میں مسجد بنتی ہے مسجد میں برہمن رہتا ہے

ذرّے میں سورج اور سورج میں ذرّہ روشن رہتا ہے
اب من میں ساجن رہتے ہیں اور ساجن میں من رہتا ہے

رُت بیت چکی ہے برکھا کی اور بیت چکے ماسے بیٹھے ہیں
روٹھے ہیں، روٹھنے والوں کی آنکھوں میں ساون رہتا ہے

اک آس نشانی جینے کی رہتی تھی مگر جب وہ بھی نہیں
کیوں دکھ کی مالا جپنے کو یہ تنکا سا تن رہتا ہے

اے محوِ پرستش اہلِ کسی کو دیکھنے والو یہ تو کہو
یوں کب تک جان پہ بنتی ہے یوں کب تک جوبن رہتا ہے

دل توڑ کے جانے والے سُن دو اور بھی رشتے باقی ہیں
اک سانس کی ڈوری ٹوٹی ہے اک پریم کا بندھن رہتا ہے

عبدالمجید حیرت

○

ایماں نواز گردشِ پیمانہ ہو گئی
ہم سے بھی ایک لغزشِ مستانہ ہو گئی

کوئی تو بات شمع کے جلنے میں تھی ضرور
جس پر نثار ہستیٔ پروانہ ہو گئی

صد شکر آج ہو تو گئی ان سے گفتگو
یہ اور بات ہے کہ حریفانہ ہو گئی

اللہ رے اشک باریٔ شمعِ شبِ فراق
جو صبح ہوتے ہوتے اک افسانہ ہو گئی

حیرت کے غم کدے میں خوشی کا گذر کہاں
آپ آ گئے تو رونقِ کاشانہ ہو گئی

○

مرہمِ زخمِ جگر ہو جائے
ایک ایسی بھی نظر ہو جائے

اک اشارہ بھی اگر ہو جائے
اس شبِ غم کی سحر ہو جائے

صبح یہ ضد کہ ہو جائے شام
شام کو یہ کہ سحر ہو جائے

ہو نہ اتنا بھی پریشاں کوئی
کہ زمانے کو خبر ہو جائے

یوں تو جو کچھ بھی کسی پر گزرے
دل نہ افسردہ مگر ہو جائے

فکرِ فردا بھی کریں گے حیرت
پہلے یہ شب تو بسر ہو جائے

سکندر علی وجد

○

شمیم زلفِ یار آئے نہ آئے
مرے دل کو قرار آئے نہ آئے

ابھی آیا ہے ہوش اے یادِ جاناں
نہ تڑپا، بار بار آئے نہ آئے

چراغِ زندگانی بجھ رہا ہے
وہ جانِ انتظار آئے نہ آئے

کیا جو تم نے اپنے دل سے پوچھو
ہمارا اعتبار آئے نہ آئے

نگاہِ اہلِ گلشن کہہ رہی ہے
خزاں جائے، بہار آئے نہ آئے

بڑھے گا کارواں منزل بہ منزل
غبارِ رہگزار آئے نہ آئے

○

جب وہ مسرور نظر آتا ہے
ہر طرف نور نظر آتا ہے

میں تو میخوار ہوں تو کیوں ساقی
نشے میں چور نظر آتا ہے

قرب سے ہاتھ اُٹھایا میں نے
تو بڑی دُور نظر آتا ہے

میں ہی تنہا نہیں دل کے ہاتھوں
تو بھی مجبور نظر آتا ہے

خاکساری کو چھپانے کے لئے
وجد مغرور نظر آتا ہے

ادیب سہارنپوری

○

اک خلش کو حاصلِ عمرِ رواں رہنے دیا
جان کر ہم نے انہیں نامہرباں رہنے دیا

آرزوئے قرب بھی بخشی دلوں کو عشق نے
فاصلہ بھی میرے اُن کے درمیاں رہنے دیا

کتنی دیواروں کے سائے ہاتھ پھیلاتے رہے
عشق نے لیکن ہمیں بے خانماں رہنے دیا

اپنے اپنے حوصلے اپنی طلب کی بات ہے
چن لیا ہم نے تمہیں سارا جہاں رہنے دیا

کون اس طرزِ جفائے آسماں کی داد دے
باغ سارا پھونک ڈالا آشیاں رہنے دیا

یہ بھی کیا جینے میں جینا ہے بغیر ان کے ادیب
شمع گل کر دی گئی باقی دھواں رہنے دیا

○

وہ پَو پھٹی وہ کرن سے کرن میں آگ لگی
وہ شب کی زلفِ شکن در شکن میں آگ لگی

سلگ اٹھی وہ ردائے نجوم و کاہکشاں!
وہ دیکھ دامنِ چرخِ کہن میں آگ لگی

نشاطِ گرمیٔ محفل تھی جس کی تابانی
اسی چراغ سے کیوں انجمن میں آگ لگی

ہزار شمع و قمر بجھ گئے پہ یہ نہ بجھی!
یہ کس دیئے سے پتنگوں کے من میں آگ لگی

تمام عمر کے آنسو اسے بجھا نہ سکے!
جو دل سے تا بہ جگر دم زدن میں آگ لگی

بھلا سکے گی نہ دنیا یہ حادثہ کہ ادیب
چراغِ لالہ و گل سے چمن میں آگ لگی

ذوالفقار علی بخاری

بسائی میں نے جو قلبِ حزیں میں
وہ دُنیا کام آئی کارِ دیں میں

وہی ہے اصل میں جانِ تمنّا
جو حسرت ہے نگاہِ واپسیں میں

ترے شوقِ سراپا کی کشش سے
سمٹ آیا ہوں میں اپنی جبیں میں

ہے پیچ و تاب میں ہر موجِ ساحل
وہ بے تابی ہے موجِ تہ نشیں میں

حقیقت ہے کہ ہو تم جانِ خوبی
کہ خوبی ہے وطن کی سرزمیں میں

محبت ہے کہ وہ عکسِ مسرت
اتر آیا مرے قلبِ حزیں میں

ہنوں کے راج میں انصاف ہوگا
نہ ہوگا فرقِ جیب و آستیں میں

بہت کچھ پاؤ گے دنیا میں پیارے
محبت پاؤ گے لیکن ہمیں میں

بخاری کی تڑپ، حافظ کی مستی
تمہارے نغمۂ وجد آفریں میں

زندگی آزار تھی آزار ہے تیرے بغیر
کارِ سہلِ مرگ بھی دشوار ہے تیرے بغیر

کام یوں آکر رکے جیسے کبھی چلتے نہ تھے
عمرِ فانی وقتِ بے رفتار ہے تیرے بغیر

کیا بتاؤں کس طرح اب کٹ رہی ہے زندگی
میری ہر ہر سانس اک تلوار ہے تیرے بغیر

تیرا غم تھا اور تجھ ہی سے بیاں کرتا تھا میں
کون سا غم قابلِ اظہار ہے تیرے بغیر

میرے غم کی تلخیوں کا اس سے کچھ اندازہ کر
مجھ کو مے نوشی سے بھی انکار ہے تیرے بغیر

غلام ربّانی تاباںؔ

○

جنوں خود نما، خود نگر بھی نہیں
خرد کی طرح کم نظر بھی نہیں!

کوئی راہزن کا خطر بھی نہیں
کہ دامن میں گردِ سفر بھی نہیں!

یہاں ہوش و ایماں سبھو لٹ گئے
مزا یہ ہے ان کی خبر بھی نہیں

غمِ زندگی اک مسلسل عذاب
غمِ زندگی سے مفر بھی نہیں!

نظر معتبر ہے خبر معتبر
مگر اس قدر معتبر بھی نہیں

تری انجمن مرکزِ آرزو!
تری انجمن میں گزر بھی نہیں

کہاں جائیں تاباںؔ گنہگارِ شوق!
سزا بھی نہیں درگزر بھی نہیں!

○

چھٹے غبارِ نظر بامِ طور آ جائے
پیو شراب کہ چہرہ پہ نور آ جائے!

اٹھاؤ جام بنامِ حیات بادہ کشو!
نظارے جھومیں، نظر کو سرور آ جائے

شراب خانہ میں کوثر کا ذکر کیا کیجے
کسی کی عقل میں جیسے فتور آ جائے

تمام زہد و ریاضت ہو غرقِ موجِ شراب
جو میکدے میں وہ شیدائے حور آ جائے

مقامِ دار سے گزرو تو زندگی پاؤ!
پیو جو زہرِ ہلاہل سرور آ جائے

نگاہ تیز، نفس گرم، آرزو بیباک!
جسے ہو ناز ہمارے حضور آ جائے!

یہ کاروبارِ مشیت بھی خوب ہے تاباںؔ!
کسی پہ برق گرے زد پہ طور آ جائے

رازؔ مُرادآبادی

○

ہر اک شکستِ تمنا پہ مسکراتے ہیں
وہ کیا کریں، جو مسلسل فریب کھاتے ہیں

کبھی کبھی تو وہ اس طرح یاد آتے ہیں
ہم اس کے بعد ہر اک شے کو بھول جاتے ہیں

یقینِ عشق نہیں، اعتبارِ حسن نہیں
یہ وہم کیا مرے دل میں سمائے جاتے ہیں

نگاہِ ناز بھی کیا چیز ہے، خدا جانے
نظر کے ساتھ زمانے بدلتے جاتے ہیں

کسی کے وعدۂ صبر آزما کی خیر کہ ہم
اب اعتبار کی حد سے گزرتے جاتے ہیں

○

غم کہ تھا حریفِ جاں اب حریفِ جاناں ہے
اب وہ زلف برہم ہے اب وہ چشم گریاں ہے

وسعتوں میں دامن کی ان دنوں گریباں ہے
ہم نفس کہیں شاید موسمِ بہاراں ہے

رنگ و بو کے پردے میں کون یہ خراماں ہے
ہر نفس معطر ہے ہر نظر غزل خواں ہے

بندگی یہ کیا جانے، دیر کیا حرم کیا ہے
ہم جہاں پہ ہیں واعظ، کفر ہے نہ ایماں ہے

شکریہ مگر ناصح تو یہ راز کیا سمجھے
جورِ برملا ان کا التفاتِ پنہاں ہے

مجید امجد

○

کیا روپ دوستی کا کیا رنگ دشمنی کا
کوئی نہیں جہاں میں کوئی نہیں کسی کا

اک تنکا آشیانہ اک راگنی اثاثہ
اک موسمِ بہاراں مہمان دو گھڑی کا

آخر کوئی کنارا اس سیلِ بے کراں کا
آخر کوئی مداوا اس دردِ زندگی کا

میری سیہ شبی نے اک عمر آرزو کی
لرزے کبھی افق پر تاگا سا روشنی کا

اب میری زندگی میں آنسو ہیں اور نہ آہیں
لیکن — یہ ایک میٹھا میٹھا سا روگ جی کا

او مسکراتے تارو! او کھلکھلاتے پھولو!
کوئی علاج میری افسردہ خاطری کا!

○

جنونِ عشق کی رسمِ عجیب کیا کہنا
میں ان سے دور وہ میرے قریب کیا کہنا

یہ تیرگیٔ مسلسل میں ایک وقفۂ نور
یہ زندگی کا طلسمِ عجیب کیا کہنا

جو تم ہو برقِ نشیمن تو میں نشیمن برق
الجھ پڑے ہیں ہمارے نصیب کیا کہنا

ہجومِ رنگ فراواں سہی — مگر پھر بھی
بہار — نوحۂ صد عندلیب کیا کہنا

ہزار قافلۂ زندگی کی تیرہ شبی
یہ روشنی سی افق کے قریب کیا کہنا

لرز گئی تری لو میرے ڈگمگانے سے
چراغِ گوشۂ کوئے حبیب کیا کہنا

شان الحق حقی

○

اثر نہ ہو تو اسی نطقِ بے اثر سے کہہ
چھپا نہ دردِ محبت جہان بھر سے کہہ

جو کہہ چکا ہے تو اندازِ تازہ تر سے کہہ
خبر کی بات ہے اک گوشِ بے خبر سے کہہ

چمن چمن سے اُکھڑ کر رہے گا پائے خزاں
روش روش کو جتا دے شجر شجر سے کہہ

بیانِ شوق نہیں قیل و قال کا محتاج
کبھی فغاں میں ادا کر کبھی نظر سے کہہ

وزیر و میر کے کیا گوشِ بے اثر سے خطاب
مرادِ دل کی گدایانِ رہ گزر سے کہہ

شبابِ تشنہ کی خونبار خواہشوں کو نہ بھول
مرے فسانۂ رنگیں کو پیشتر سے کہہ

سفر ہے شرطِ حیات اور جہت ہے شرطِ سفر
پکار کر یہ رفیقانِ ہم سفر سے کہہ

○

اے دل ترے خیال کی دنیا کہاں سے لائیں
ان وحشتوں کے واسطے صحرا کہاں سے لائیں

حسرت تو ہے یہی کہ ہو دنیا سے دل کو میل
ہو جس سے دل کو میل وہ دنیا کہاں سے لائیں

دیکھا تھا جو نہالِ تمنا کے سائے میں
اے بے دلی وہ خوابِ دل افزا کہاں سے لائیں

روشن تھے جو کبھی وہ نظارے کدھر گئے
برپا تھا جو کبھی وہ تماشا کہاں سے لائیں

کیا اس نگاہِ حوصلہ افزا کو دیں جواب؟
گم کر دیا جسے وہ تمنا کہاں سے لائیں

ہے لطفِ دوست حرفِ تقاضا کا منتظر
اے بے بسی مجالِ تقاضا کہاں سے لائیں

حقی بہت ہے کارِ جنوں دشتِ زیست میں
آسودگانِ راہ وہ سودا کہاں سے لائیں

باقیؔ صدیقی

○

ہم ذرّے ہیں خاکِ رہگذر کے
دیکھو ہمیں بام سے اُتر کے

چپ ہو گئے یوں اسیر جیسے
جھگڑے تھے تمام بال و پر کے

وعدہ نہ دلاؤ یاد اُن کا
نادم ہوں خود اعتبار کر کے

اے بادِ سحر نہ چھیڑ ہم کو
ہم جاگے ہوئے ہیں رات بھر کے

شبنم کی طرح حیات کے خواب
کچھ اور نکھر گئے بکھر کے

جب اُن کو خیالِ وضع آیا
انداز بدل گئے نظر کے

یوں موت کے منتظر ہیں باقیؔ
مل جائے گا چین جیسے مر کے

○

رسم سجدہ بھی اُٹھا دی ہم نے
عظمتِ عشق بڑھا دی ہم نے

جب کوئی تازہ شگوفہ پھوٹا
کی گلستاں میں منادی ہم نے

جب چمن میں نہ کہیں چین ملا
درِ زنداں پہ صدا دی ہم نے

آنچ صیاد کے گھر تک پہنچی
اِتنی شعلوں کو ہوا دی ہم نے

خونِ دل سے درِ میخانہ پر
تیری تصویر بنا دی ہم نے

دل کو آنے لگا بسنے کا خیال
آگ جب گھر کو لگا دی ہم نے

جگن ناتھ آزاد

جو دل کا راز ہے آہ و فغاں کہنا ہی پڑتا ہے
تو پھر اپنے قفس کو آشیاں کہنا ہی پڑتا ہے

تجھے اے طائرِ شاخِ نشیمن کیا خبر اس کی
کبھی صیّاد کو بھی باغباں کہنا ہی پڑتا ہے

یہ دنیا ہے یہاں ہر کام چلتا ہے سلیقے سے
یہاں پتھر کو بھی لعلِ گراں کہنا ہی پڑتا ہے

بہ فیضِ مصلحت ایسا بھی ہوتا ہے زمانے میں
کہ رہزن کو امیرِ کارواں کہنا ہی پڑتا ہے

مروّت کی قسم تیری خوشی کے واسطے اکثر
سرابِ دشت کو آبِ رواں کہنا ہی پڑتا ہے

زباں تک جب دلوں کی بات ہم لا نہیں سکتے
جفا کو پھر وفا کی داستاں کہنا ہی پڑتا ہے

نہ پوچھو کیا گزرتی ہے دلِ خوددار پر اکثر
کسی بے مہر کو جب مہرباں کہنا ہی پڑتا ہے

ممکن نہیں کہ بزمِ طرب پھر سجا سکوں
اب یہ بھی ہے بہت کہ تمہیں یاد آ سکوں

یہ کیا طلسم ہے کہ تری جلوہ گاہ سے
نزدیک آ سکوں نہ کہیں دور جا سکوں

ذوقِ نگاہ اور بہاروں کے درمیاں
پردے گرے ہیں وہ کہ نہ جن کو اٹھا سکوں

کس طرح کر سکو گے بہاروں کو مطمئن
اہلِ چمن جو میں بھی چمن میں نہ آ سکوں

تیری حسیں فضا میں مرے اے نئے وطن
ایسا بھی ہے کوئی جسے اپنا بنا سکوں؟

آزاد! سازِ دل پہ ہیں رقصاں وہ زمزمے
خود سن سکوں مگر نہ کسی کو سنا سکوں

عرش ملسیانی

○

یہ دورِ خرد ہے دورِ جنوں اس دور میں جینا مشکل ہے
انگور کی مے کے دھوکے میں زہراب کا پینا مشکل ہے

جب ناخنِ وحشت چلتے تھے روکے سے کسی کے رک نہ سکے
اک چاکِ دلِ انسانیت سیتے ہیں تو سینا مشکل ہے

اک صبر کے گھونٹ سے مٹ جاتی تشنہ لبوں کی تشنہ لبی
کم ظرفیِ دنیا کے صدقے یہ گھونٹ بھی پینا مشکل ہے

وہ شعلہ نہیں جو بجھ جائے آندھی کے ایک ہی جھونکے سے
بجھنے کا سلیقہ آساں ہے جلنے کا قرینا مشکل ہے

کہنے کو رفو کر ہی لیں گے دنیا والے سب زخم اپنے
جو زخم دلِ انساں پہ لگا اس زخم کا سینا مشکل ہے

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے ماحول کے خونیں منظر سے
اس حال میں جینا لازم ہے جس حال میں جینا مشکل ہے

ملنے کو ملے گا بالآخر اے عرشؔ سکونِ ساحل بھی
طوفانِ حوادث سے لیکن بچ جائے سفینہ مشکل ہے

○

○

دلِ فسردہ پہ سو بار تازگی آئی
مگر وہ یاد کہ جا کر نہ پھر کبھی آئی

چمن میں کون ہے پرسانِ حال شبنم کا
غریب روئی تو غنچوں کو بھی ہنسی آئی

نویدِ عیش سے بھی لطفِ عیش مل نہ سکا
لباسِ غم ہی میں آئی اگر خوشی آئی

کسی طرح بھی زمانے کو بس میں کر نہ سکے
نہ دوستی نہ ہمیں راس دشمنی آئی!

عجب نہ تھا کہ غمِ دل شکست کھا جاتا
ہزار شکر ترے لطف میں کمی آئی!

زمانہ ہنستا ہے مجھ پہ ہزار بار ہنسے
تمہاری آنکھ میں لیکن یہ کیوں نمی آئی

دیئے جلائے امیدوں نے دل کے گرد بہت
کسی طرف سے نہ اس گھر میں روشنی آئی

ہزار دید پہ پابندیاں تھیں پہرے تھے
نگاہِ شوق مگر ان کو دیکھ ہی آئی

ظہور نظر

حیات وقفِ غمِ روزگار کیوں کرتے
میں سوچتا ہوں کہ وہ مجھ سے پیار کیوں کرتے

نہ میری راہ میں تارے نہ میرے پاس چراغ
وہ میرے ساتھ سفر اختیار کیوں کرتے

نگاہ صرف بلا ہی نہیں کچھ اور بھی ہے
یہ جانتے تو ترا اعتبار کیوں کرتے

غمِ حیات میں ہوتا اگر نہ ہاتھ ترا !
تو ہم خرد میں جنوں کو شمار کیوں کرتے

کوئی تو بات ہے ورنہ جفاؤں کے مارے
تجھے بلا کے ترا انتظار کیوں کرتے !

نظر چمن میں اگر واقعی بہار آتی !
تو پھول خواہشِ ابرِ بہار کیوں کرتے

رو دیتے تھے، ہنس لیتے تھے، بس میں تھا جب اپنا جی
تم نے ہمیں دیوانہ کہا ہے ایسی تو کوئی بات نہ تھی

اب یہ تمہارا کام کہ جو تو ہم پروانے تھے یا دیپ
دن بیتا تو جلتے جلتے، جلتے جلتے رات کٹی

گلشن گلشن محفل محفل ایک ہی قصہ ایک ہی بات،
ظالم دنیا، جابر دنیا جانے یہ کب بدلے گی

پہلے کتنے ہاتھ نہ جانے اُن کے رنگیلے دامن پر
کل تک تھے ہم چاک گریباں ان سے پوچھے آج کوئی

ہم ہیں مشعل والے پہلے ہم سے دو دو ہاتھ کرو
پھر بکھرا ایسا اندھیارا نگر نگر بستی بستی !

تم ہو آگ تو ہم پانی ہیں، تم ہو دھوپ تو ہم چھاؤں
اپنا تمہارا ساتھ ہی کیا ہم پرجا تم راجہ جی

گلی گلی میں غم کے دہکتے ڈگر ڈگر پہ راکھ کے ڈھیر
جشن منانے والے یارو ایک نظر اس جانب بھی

•

ضیاؔ جالندھری

○

چھیڑی بھی جو رسم و راہ کی بات
وہ سُن نہ سکے نگاہ کی بات

ہر لحظہ بدل رہے ہیں حالات
مجھ سے نہ کرو نباہ کی بات

کہتے ہیں تری مژہ کے تارے
خود میری شبِ سیاہ کی بات

اب ہے وہ نگہ نہ وہ تبسّم
کچھ اور تھی گاہ گاہ کی بات

کیا یاد نہ آئے گا یہ انجام
کس دل سے کریں گے چاہ کی بات

○

کیا سروکار اب کسی سے مجھے
واسطہ تھا تو تھا تجھی سے مجھے

بے حسی کا بھی اب نہیں احساس
کیا ہوا تیری بے رُخی سے مجھے

موت کی آرزو بھی کر دیکھوں
کیا اُمیدیں تھیں زندگی سے مجھے

پھر کسی پہ نہ اعتبار آئے
یوں اتارو نہ اپنے جی سے مجھے

تیرا غم بھی نہ ہو تو کیا جینا
کچھ تسلّی ہے درد ہی سے مجھے

کتنا پُرکار ہو گیا ہوں کہ تھا
واسطہ تیری سادگی سے مجھے

کر گئے کس قدر تباہ ضیاؔ
دشمن، اندازِ دوستی سے مجھے

احمد ریاض

○

بہ وصفِ شوق بھی دل کا کہا نہیں کرتے
فروغِ قامت و رُخ کی ثنا نہیں کرتے

شکستِ عہدِ ستم پہ یقین رکھتے ہیں
ہم انتہائے ستم کا گلا نہیں کرتے

کچھ اس طرح سے لُٹی ہے متاعِ دیدہ و دل
کہ اب کسی سے بھی ذکرِ وفا نہیں کرتے

اسی لئے ہیں سزاوارِ جورِ برقِ ستم
کہ حقِ خدمتِ گلچیں ادا نہیں کرتے

مذاقِ کوہکنی ہو کہ دشت پیمائی
جنھیں تمھاری طلب ہو وہ کیا نہیں کرتے

وہ آشنائے غمِ کائنات کیا ہوں گے
جو خود کو آپ کا درد آشنا نہیں کرتے

غمِ حبیب، غمِ زندگی، غمِ دوراں
کسی مقام پہ ہم جی بُرا نہیں کرتے

○

کیا کیا محبتوں کے زمانے بدل گئے
اب تم کبھی ملے ہو تو آنسو نکل گئے

فرطِ غمِ حوادثِ دوراں کے باوجود
جب بھی ترے دیار سے گذرے مچل گئے

میں نکتہ چیں نہیں ہوں مگر یہ بتایئے
وہ کون تھے جو ہنس کے گلوں کو مسل گئے

کچھ دستِ گلفروش میں سنولا کے رہ گئے
کچھ باغباں کی برق نوازی سے جل گئے

تم نے ہمیں فریبِ قیادت دیا تو ہے؟
لیکن کبھی ہوا ہے کہ طوفان ٹل گئے

اک وہ بھی تھے جو بہہ گئے موجوں کے ساتھ ساتھ
اک ہم بھی ہیں جو کھا کے تھپیڑے سنبھل گئے

احمد راہی

○

غمِ حیات میں کوئی کمی نہیں آئی
نظر فریب تھی تیری جمال آرائی

وہ داستاں جو تری دلکشی نے چھیڑی تھی
ہزار بار مری سادگی نے دُہرائی

فسانے عام سہی میری چشمِ حیراں کے
تماشا بنتے رہے ہیں یہاں تماشائی

تری وفا، تری مجبوریاں بجا لیکن
یہ سوزشِ غمِ ہجراں، یہ سردِ تنہائی

کسی کے حسنِ تمنا کا پاس ہے ورنہ
مجھے خیالِ جہاں ہے نہ خوفِ رسوائی

میں سوچتا ہوں زمانے کا حال کیا ہوگا
اگر یہ اُلجھی ہوئی زلف تو نے سلجھائی

کہیں یہ اپنی محبت کی انتہا تو نہیں
بہت دنوں سے تری یاد بھی نہیں آئی

○

کبھی تری کبھی اپنی حیات کا غم ہے
ہر ایک رنگ میں ناکامیوں کا ماتم ہے

خیال تھا ترے پہلو میں کچھ سکوں ہوگا
مگر یہاں بھی وہی اضطرابِ پیہم ہے

مرے مذاقِ الم آشنا کا کیا ہوگا
تری نگاہ میں شعلے ہیں اب نہ شبنم ہے

سحر سے رشتۂ امید باندھنے والے
چراغِ زیست کی لو شام ہی سے مدھم ہے

یہ کس مقام پہ لے آئی زندگی راہی
کہ ہر قدم پہ عجب بے بسی کا عالم ہے

عارف عبدالمتین

میری سوچ لرز اٹھی ہے دیکھ کے پیار کا یہ عالم
تیری آنکھوں سے ٹپکا ہے آنسو بن کر تیرا غم

دل کو تانے سلجھاؤ پہ لیکن میں نے دیکھا ہے
سلجھانے سے اور الجھا ہے تیری زلف کا ایک ایک خم

دن کے ڈھلتے ہنگامے میں اکثر سویا رہتا ہے
کروٹ لے کر جاگ اٹھتا ہے رات کی چپ میں تیرا غم

ہجر کے سنولائے لمحوں میں آس بھی تنہا چھوڑ گئی
کس سے پوچھوں کون بتائے رات ہوئی ہے کتنی کم

تیری دھن میں تجھ سے بھی شاید آگے جا نکلا ہوں
تیرے پہلو میں بیٹھا ہوں پھر بھی آنکھیں ہیں پرنم

تیرا غم ہم دیوانوں کو کس عالم میں چھوڑ گیا
ایک زمانہ ہم سے خفا ہے، ایک جہاں سے ہم برہم

ترے بازوؤں کا سہارا تو ہے لوں گراں ہیں بھی رچ گئی ہے تھکن
ہم صحرا سے بچ کر چمن میں تو آؤں پہ صحرا سے کچھ کم نہیں یہ چمن

میری زیست کی راہ تاریک تھی، چاند بن کر تم آئے تو روشن ہوئی
یہ راہ آج پھر تیرہ و تار ہے، غالباً چاند کو لگ گیا ہے گہن

ہر اک سمت ناگن کی صورت لپکتی ہوئی تیرگی سے ہراساں نہ ہو
عجب کیا کہ ٹوٹے سانٹے میرے فروزاں سے تیرا سلگتا بدن

یہ اشکوں سے بھیگی ہوئی مسکراہٹ مروّت کا اعجاز ہے ورنہ
غموں کی ہواؤں میں اڑتا ہوا دیکھ کر آ رہے ہیں کوئی پیرہن

فراقِ لب و زلف پر منحصر کم ہی پائی ہے اہلِ وفا کی تڑپ
تم آغوش کے تنگ حلقہ میں ہو، پھر بھی ہر لمحہ افزوں ہے دل کی جلن

شہرت بخاری

وہ پاس آئے، آس بنے اور پلٹ گئے
کتنے ہی رستے آنکھوں کے آگے سے ہٹ گئے

ہر باغ میں بہار ہوئی خیمہ زن مگر
دامن کے ساتھ ساتھ یہاں دل بھی پھٹ گئے

گمراہیوں کا لپکا کچھ ایسا پڑا کہ ہم
منزل قریب آئی تو رہبر سے کٹ گئے

دل ٹوٹ کے اس طرح سے طبیعت سنبھل گئی
گویا تمام عمر کے جھگڑے نپٹ گئے

برسوں کے پیاسے دشت نوردوں سے پوچھیے
اُن بادلوں کا پیار جو گھرتے ہی چھٹ گئے

بس میں رہیں نہ جب غمِ دوراں کی وسعتیں
ہم لوگ اپنے گوشۂ دل میں سمٹ گئے

شہرت انہیں بھلانے کی کوشش تو کی کبھی
دامانِ دل سے سینکڑوں فتنے لپٹ گئے

ہم پی گئے سب، ہلے نہ لب تک
جی ہار گئے، نجومِ شب تک

ہر چند گھٹائیں چھٹ گئی ہیں
پر دل پہ غبار سا ہے اب تک

خوش ہو نہ زمانہ میرے غم پر
آئے گا یہ دورِ جام سب تک

اشکوں نے فسانہ کر دیا ہے
وہ لفظ کہ آ سکا نہ لب تک

ہر غم کو اُڑا دیا ہنسی میں
تم پیشِ نظر رہے ہو جب تک

مے خانے میں سر چھپائیں آؤ
وا ہو درِ کعبہ جانے کب تک

شہرت کوئی اور بات چھیڑو
اُلٹیں وہ نقابِ لطف جب تک

شہزاد احمد شہزاد

میری خاطر دیر نہ کرنا اور سفر کرتے جانا
لیکن چھوڑ کے جانے والو ایک نظر کرتے جانا

اتنا سکوں اتنی خاموشی کیسے رات گزر سکتی ہے
جاتے جاتے محفلِ دل کو زیر و زبر کرتے جانا

ہجر کی شب کے تارو تم کو ڈوب تو جانا ہے لیکن
میرے دل پہ کیا گزری ہے ان کو خبر کرتے جانا

روتی آنکھیں یا ہنستے لب آپ ہی اک رسوائی ہیں
چپ چپ رہنا اور طوافِ راہگذر کرتے جانا

اور ذرا چمکا دینا یادوں کے بھڑکتے شعلوں کو
اے غمِ جاناں اے غمِ دوراں دل پہ اثر کرتے جانا

ہم سے درد کے ماروں کی مجبوری کیا مختاری کیا
جینا اور نہ مرنا لیکن عمر بسر کرتے جانا

کس کو خبر شہزاد کہ ان آنکھوں میں کیسا جادو ہے
کہنا اور نہ سننا لیکن دل میں گھر کرتے جانا

کھلے جو پھول تو منہ چھپ گیا ستاروں کا
مثالِ ابر چلا کارواں بہاروں کا

نہ مجھ سے پوچھ شبِ ہجر دل پہ کیا گزری
یہ دیکھ حال ہے کیا میرے غمگساروں کا

نئی بہار بنے، اک نیا چمن کھل جائے
سمجھ سکے کوئی مطلب اگر اشاروں کا

شبِ سیاہ کے لمحے گزار لینے دو
گھڑی گھڑی نہ کرو ذکر ماہ پاروں کا

دکھائی دیتی ہے اس طرح روپ رنگ کی بات
فضا میں رقص ہو جس طرح ابر پاروں کا

ہوا نہ راہ میں حائل کوئی شگوفہ بھی
رواں رواں ہی رہا قافلہ بہاروں کا

مجھے بھی اہلِ جہاں بھول جائیں گے شہزاد
کسے خیال ہے ڈوبے ہوئے ستاروں کا

سلام مچھلی شہری

○

یہ ابر و باد یہ طوفان، یہ اندھیری رات
اب ایک موڑ پہ آجا رفیقِ راہِ حیات

ہوا کے دوش پہ موجِ اجل خراماں ہے
مریضِ دہر پہ طاری ہیں نزع کے لمحات

حیات ایک تخیل نہیں حقیقت ہے
مجھے بتائی ہے آدم کے عزم نے یہ بات

مرے رفیق محبت کے دن بھی آئیں گے
وہی حسین سویرا وہی کنواری رات

وہی گلاب کے موسم وہی شراب کے دور
وہی شریر گھٹائیں، وہی بھری برسات

سنائی جائے گی کوئل کو ہم نوا کر کے
حسین پھولوں کو بھنوروں کی ایک راز کی بات

غزل کی ڈال سجا کر چمن کی دلہن کو —
سلام نذر کرے گا سہاگ کی سوغات

○

ہوا زمانے کی ساقی! بدل تو سکتی ہے
حیات ساغرِ رنگیں میں ڈھل تو سکتی ہے

بس اک لطیف تبسم بس اک حسین نظر
مریضِ دل کی یہ حالت سنبھل تو سکتی ہے

جہاں سے چھوڑ رہے ہو مجھے اندھیرے میں
وہیں سے راہِ محبت نکل تو سکتی ہے

پھر اپنے غنچۂ زخمِ جگر کا کیا ہوگا
نسیمِ صبح مری سمت چل تو سکتی ہے

تری نگاہِ کرم کی قسم ہے اب بھی مجھے
یہی یقین کہ دنیا بدل تو سکتی ہے

سلام! جام و سبو کی یہ شاعری معلوم
وگرنہ اپنی طبیعت بہل تو سکتی ہے!

شاعر لکھنوی

آنسو شعلوں میں ڈھل رہے ہیں
غم دل کی فضا بدل رہے ہیں

گلشن ہے انھیں کا گل انھیں کے
کانٹوں پہ جو ہنس کے چل رہے ہیں

ایک ایک نفس میں روشنی ہے
یادوں کے چراغ جل رہے ہیں

چپ چپ سی ہے تلخیٔ زمانہ
غم جام و سبو میں ڈھل رہے ہیں

مٹ مٹ کے ابھر رہی ہے دنیا
بجھ بجھ کے چراغ جل رہے ہیں

اللہ رے اعتبارِ ہستی
ہم خواب میں جیسے چل رہے ہیں

اس سمت بھی گردشِ زمانہ!
کچھ لوگ ابھی سنبھل رہے ہیں

ساحل پہ انھیں کا حق ہے شاعر
طوفاں کا جو رُخ بدل رہے ہیں

جو غمِ حبیب سے دُور تھے وہ خود اپنی آگ میں جل گئے
جو غمِ حبیب کو پا گئے وہ غموں سے ہنس کے نکل گئے

جو تھکے تھکے سے تھے حوصلے وہ شباب بن کے مچل گئے
جو نظر نظر سے گلے ملی تو بجھے چراغ بھی جل گئے

نہ خزاں میں ہے کوئی تیرگی نہ بہار میں کوئی روشنی
یہ نظر نظر کے چراغ ہیں کہیں بجھ گئے کہیں جل گئے

غمِ عیش و یاس و امید کا نہ اثر حیات پہ ہو سکا
مری روحِ عشق وہی رہی یہ لباس تھے جو بدل گئے

نہ ہے شاعر اب غمِ نو بہ نو نہ وہ داغِ دل نہ وہ تازگی
جنھیں اعتمادِ بہار تھا وہی پھول رنگ بدل گئے

جعفر طاہر

کوئے حرم سے نکلی ہے کوئے بتاں کی راہ
ہائے کہاں پہ آکے ملی ہے کہاں کی راہ

صد آسماں بدامن و صد کہکشاں بدوش
بامِ بلندِ یار ترے آستاں کی راہ

ملکِ عدم میں قافلۂ عمر جا بسا
ہم دیکھتے ہی رہ گئے اُس بدگماں کی راہ

لٹتا رہا ہے ذوقِ نظر گام گام پر
اب کیا رہا ہے پاس جو ہم لیں وہاں کی راہ

اے زلفِ خم بہ خم تجھے اپنا ہی واسطہ
ہموار ہونے پائے نہ عمرِ رواں کی راہ

گلہائے رنگ رنگ ہیں افکارِ نو بہ نو
یہ رہگزارِ شعر ہے کس گلستاں کی راہ

طاہر یہ منزلیں، یہ مقامات، یہ حرم
اللہ رے یہ راہ، یہ کوئے بتاں کی راہ

عرصۂ ظلمتِ حیات کٹے
ہمنفس مسکرا کہ رات کٹے

ثمرِ آرزو کا ذکر نہ چھیڑ
چھونے پائے نہ تھے کہ ہات کٹے

کاش ہر زلف تیغ بن جائے
کاش زنجیرِ حادثات کٹے

اے بقائے دوام کے مالک
کس طرح عمرِ بے ثبات کٹے

آدمی جستجوئے راہ میں ہے
تجھ کو ضد ہے رہِ نجات کٹے

شبِ خلوت سخن، سخن کی داد
اور سرِ بزم بات بات کٹے

جلیب اشعر

دل کے ہاتھوں کہیں دنیا میں گزارا نہ رہا
ہم کسی کے نہ رہے، کوئی ہمارا نہ رہا

صبر اے دل! کہ یہ حالت نہیں دیکھی جاتی
ٹھہر اے درد! کہ اب ضبط کا یارا نہ رہا

یوں تو اب بھی ہے وہی رنج، وہی محرومی
وہ جو اک تیری طرف سے تھا اشارا نہ رہا

اور تو کیا تھا انھیں اپنا سمجھنے کے سوا
وہ بھی اب عشق کی غیرت کو گوارا نہ رہا

چھن گئی آخری امید بھی دل سے اشعر
یہ سہارا ہے کہ اب کوئی سہارا نہ رہا

بے نیازی سے، مدارات سے ڈر لگتا ہے
جانے کیا بات ہے، ہر بات سے ڈر لگتا ہے

ساغرِ بادۂ گل رنگ تو کچھ دور نہیں
نگہِ پیرِ خرابات سے ڈر لگتا ہے

دل پہ کھائی ہوئی اک چوٹ ابھر آتی ہے
تیرے دیوانے کو برسات سے ڈر لگتا ہے

اے دل! افسانۂ آغازِ وفا رہنے دے
مجھ کو بیتے ہوئے لمحات سے ڈر لگتا ہے

ہاتھ سے ضبط کا دامن نہ کہیں چھوٹ جائے
آپ کی پرسشِ حالات سے ڈر لگتا ہے

میں جو اس بزم میں جاتا نہیں اشعر مجھ کو
اپنے سہمے ہوئے جذبات سے ڈر لگتا ہے

مکین احسن کلیم

حیات مجھ پہ اک الزام ہی سہی پھر بھی
بہت عزیز ہے مجھ کو یہ زندگی پھر بھی

نہیں کچھ اور تو ممکن تھی خودکشی پھر بھی
ہے کوئی بات کہ جیتا ہے آدمی پھر بھی

یہ تیرگی تو بس اک گردشِ زمیں تک ہے
مگر یہ رات جو ہم سے نہ کٹ سکی پھر بھی

چمن لٹا ہے خود اہلِ چمن کی سازش سے
کلی کلی ہے مگر محوِ خواب سی پھر بھی

کسی کو پا کے بھی اکثر گماں یہ ہوتا ہے
کہ جیسے رہ گئی باقی کوئی کمی پھر بھی

ہمیں بہ یورشِ ظلمت ہیں کشتۂ شب
ہمیں ہیں پیش روِ صبح و روشنی پھر بھی

لبِ کلیم پہ اب نغمۂ بہار تو ہے
یہ اور بات کہ آنکھیں ہیں شبنمی پھر بھی

بہت تلخ ہیں زندگی کے فسانے
مرے خواب ہیں پھر بھی کتنے سہانے

سہارا نہ دیتی اگر موجِ طوفاں
ڈبو ہی دیا تھا ہمیں ناخدا نے

سحر کو تو آنا ہے آ کر رہے گی
کٹے کیسے لیکن یہ شب کون جانے

گری اور گرتی رہی برقِ سوزاں
بنے اور بنتے رہے آشیانے

ستاروں سے آگے بہت کچھ ہے مانا
زمیں پر بھی جینے کے ہوں کچھ بہانے

کلیم آج کیا سوچ کر ہو گئے چپ
ارے آ گئے یاد کب کے زمانے

سلیم احمد

○

ترکِ اُن سے رسم و راہِ ملاقات ہو گئی
یوں مل گئے کہیں تو کوئی بات ہو گئی

دل تھا اور اس عالمِ غربت کی شام تھی
کیا وقت تھا کہ تم سے ملاقات ہو گئی

یہ دشتِ ہول خیز یہ منزل کی دُھن یہ شوق
یہ بھی خبر نہیں کہ کہاں رات ہو گئی

رسمِ جہاں نہ چھوٹ سکی ترکِ عشق سے
جب مل گئے تو پرسشِ حالات ہو گئی

خُو بو رہی سہی تھی، جو مجھ میں خلوص کی
اب وہ بھی نذرِ رسمِ عنایات ہو گئی

دلچسپ ہے سلیم حکایت تری مگر
اب سو رہو کہ یار بہت رات ہو گئی

○

مانے تو کس کی دیوانہ مانے   جتنی زبانیں اُتنے ...
انداز اس کا احوال میرا   کچھ میں نہ سمجھوں کچھ وہ ...
اللہ رے یہ خود استادی   میں اب چلا ہوں ...
گم کردہ رہ کیا سوچتا ہے   چھوڑ آیا پیچھے ...
میری وحشت کا [illegible]   اپنی [illegible] ...
چاہو تو آؤ چاہو نہ آؤ   دونوں ...
کچھ یہ سخن بھی ان کو   یاد آ ہے ...
کیا ہے سلیم ان باتوں کا حاصل ...
... ہے تو آزما ...

نور بجنوری

اِن گھٹاؤں میں اُجالے کا بسیرا ہی سہی
خیر اگر آپ بضد ہیں تو سویرا ہی سہی

اے غمِ زیست بُلاتی ہیں مہکتی زلفیں
آج کی رات یہ پُرنور اندھیرا ہی سہی

دل میں جو آگ لگی ہے وہ کہاں بجھتی ہے
راہ شاداب سہی ابر گھنیرا ہی سہی

ہوشیار اہلِ خرد خاک نشیں آ پہنچے
آپ کے زعم کا افلاک پہ ڈیرا ہی سہی

تو پریشاں نہ ہو خالقِ فردوسِ بریں
یہ جہنم یہ جہاں آج سے میرا ہی سہی

کتنی یادیں ہیں کہ ناگن کی طرح ڈستی ہیں
نور ان گلیوں کا اک آخری پھیرا ہی سہی

میری دنیا سنگ و آہن ان کی دنیا چاند ستارے
عقل کہاں تک دامن کھینچے عشق کہاں تک ہاتھ پسارے

اپنی اپنی دھن میں مگن ہیں شاموں صبحوں کے متوالے
صبح کے آنسو کون سکھائے رات کے گیسو کون سنوارے

آبلہ پا رہگیروں کو جھرنوں سے دل بہلانے بھی دے
عزمِ جواں کو اور جواں کر اپنی منزل دور ہے پیارے

چھم چھم چھم چھم ناچتی موجیں یہ سرگوشی کرتی جائیں
طوفانوں کی راہ تکیں گے کب تک یہ مجبور کنارے

نور عقیدوں کے شعلوں میں [illegible]
تم ہی بتاؤ ان [illegible]

اصغر سلیم

غبار سا ہے سرِ شاخسار کہتے ہیں
چلا ہے قافلۂ نوبہار کہتے ہیں

بدل گئی ہیں جہانِ وفا کی سب رسمیں
اُجڑ گئے ہیں دلوں کے دیار کہتے ہیں

اس ایک بات سے گلچیں کا دل دھڑکتا ہے
کہ ہم صبا سے حدیثِ بہار کہتے ہیں

یہ تجربے تو کسی مصلحت سے ہے ورنہ
فقیہِ شہر بھی ہے بادہ خوار کہتے ہیں

جسے کبھی سرِ منبر نہ کہہ سکا واعظ
وہ بات اہلِ جنوں زیرِ دار کہتے ہیں

سلیم سایۂ گل ہو کہ عشق زنداں
جنوں ہے شیوۂ مردانِ کار کہتے ہیں

گلشن گلشن شعلۂ گل کی، زلفِ صبا کی بات چلی
حرفِ جنوں کی، بندِ گراں کی، جرم و سزا کی بات چلی

زنداں زنداں شورِ جنوں ہے موسمِ گل کے آنے سے
محفل محفل اب کے برس اربابِ وفا کی بات چلی

عہدِ ستم ہے دیکھیں ہم آشفتہ سروں پر کیا گزرے
شہر میں اس کے بندِ قبا کی رنگِ حنا کی بات چلی

ایک ہوا دیوانہ اک نے سر تیشے سے پھوڑ لیا
کیسے کیسے لوگ تھے جن سے رسمِ وفا کی بات چلی

"ٹوٹ گئیں نغموں کی طنابیں شعر کے خیمے راکھ ہوئے"
بزمِ سخن میں جب بھی سلیم اس شعلہ نوا کی بات چلی

ساغر صدیقی

جھوم کر گاؤ! میں شرابی ہوں
رقص فرماؤ! میں شرابی ہوں

ایک سجدہ بنامِ مے خانہ
دوستو آؤ! میں شرابی ہوں

لوگ کہتے ہیں رات بیت چکی
مجھ کو سمجھاؤ! میں شرابی ہوں

آج ان ریشمی گھٹاؤں کو
یوں نہ بکھراؤ! میں شرابی ہوں

حادثے روز ہوتے رہتے ہیں
بھول بھی جاؤ! میں شرابی ہوں

مجھ پہ ظاہر ہے آپ کا باطن
منہ نہ کھلواؤ! میں شرابی ہوں

چراغِ طور جلاؤ! بڑا اندھیرا ہے
ذرا نقاب اٹھاؤ! بڑا اندھیرا ہے

وہ جن کے ہوتے ہیں خورشید آستینوں میں
انہیں کہیں سے بلاؤ! بڑا اندھیرا ہے

مجھے تمہاری نگاہوں پہ اعتماد نہیں
میرے قریب نہ آؤ! بڑا اندھیرا ہے

فرازِ عرش سے ٹوٹا ہوا کوئی تارا
کہیں سے ڈھونڈ کے لاؤ! بڑا اندھیرا ہے

ابھی تو صبح کے ماتھے کا رنگ کالا ہے
ابھی فریب نہ کھاؤ! بڑا اندھیرا ہے

بصیرتوں پہ اُجالوں کا خوف طاری ہے
مجھے یقین دلاؤ! بڑا اندھیرا ہے

جسے زبانِ خرد میں شراب کہتے ہیں
وہ روشنی سی پلاؤ! بڑا اندھیرا ہے

بنامِ زہرہ جبینانِ خطۂ فردوس
کسی کرن کو جگاؤ! بڑا اندھیرا ہے

عظیم مرتضیٰ

کچھ بھی ہو مرا حال نمایاں تو نہیں ہے
دل چاک سہی، نیرِ گریباں تو نہیں ہے

حسنِ طلب برق ہے تعمیرِ نشیمن
ورنہ ہوسِ سیرِ گلستاں تو نہیں ہے

کچھ نقش تری یاد کے باقی ہیں ابھی تک
دل بے سر و ساماں سہی، ویراں تو نہیں ہے

ہم درد کے مارے ہی گراں جاں ہیں وگرنہ
جینا تری فرقت میں کچھ آساں تو نہیں ہے

ٹوٹا تو عزیز اور ہوا اہلِ وفا کو
دل بھی کہیں اس شوخ کا پیماں تو نہیں ہے

ترا خیال بھی ہے، وضعِ غم کا پاس بھی ہے
مگر یہ بات کہ دنیا نظر شناس بھی ہے

بہارِ صبحِ ازل چھپ گئی نگاہوں میں
وہی فضا ترے کوچے کے آس پاس بھی ہے

جو ہو سکے تو چلے آؤ آج میری طرف
ملے بھی دیر ہوئی اور جی اُداس بھی ہے

خلوصِ نیتِ رہ رو پہ منحصر ہے عظیم
مقامِ عشق بہت دور بھی ہے، پاس بھی ہے

جمیل ملک

○

کون ہمارا درد بٹائے، کون ہمارا تھامے ہات
اُن کے نگر میں جگمگ جگمگ، اپنے دیس میں رات ہی رات

نیلے نیلے امبر، وہ چاند — وہ کرنوں کی برسات
ہم دونوں کھوئے کھوئے سے، ہائے وہ مست منوہر رات

تو گلشن گلشن اٹھلائے، میں صحرا صحرا بھٹکوں؛
دِل کا یہ سودا ہے، ورنہ تیرا اور میرا کیا سات

سب دُنیاداری کی باتیں، دل میں اور زباں پہ اور
تجھ سے پیار بڑھا کر آخر جان گئے تیری اوقات

چاہے اب اس کو اپناؤ، چاہے ناز سے ٹھکراؤ!
آج سے اپنا دخل نہیں ہے، دل کی ڈور تمہارے ہات

دنیا کا منشا ہے پیارے، ہم گھٹ گھٹ کر مر جائیں!
دل کی دھڑکن یہ کہتی ہے، اِک دن بدلیں گے حالات

ایک انوکھی لے سے میں نے سب کے دل گرمائے ہیں
دنیا کو یہ وہم کہ میرے ہونٹوں پر ہے اپنی بات

○

یہ منظر، یہ روپ انوکھے، سب شہکار ہمارے ہیں
ہم نے اپنے خونِ جگر سے کیا کیا نقش ابھارے ہیں

صدیوں کے دل کی دھڑکن ہے، ان کی جاگتی آنکھوں میں
یہ جو فلک پہ ہنس کھ، چنچل، جگمگ جگمگ تارے ہیں

ایک ذرا سی بھول پہ ہم کو اتنا تو بدنام نہ کر
ہم نے اپنے گھاؤ چھپا کر تیرے کاج سنوارے ہیں

کچھ باتیں، کچھ راتیں، کچھ برساتیں، اپنا سرمایہ
ماضی کے اندھیارے میں یہ جلتے دیپ ہمارے ہیں

ایک جہاں کی کھوج میں اپنے پیار کی نگری چھوڑ آئے
اور زمانہ یہ سمجھا، ہم پیار کی بازی ہارے ہیں

سب سے ہنس کر ملنے والے ہم کو کسی سے بیر نہیں
دنیا سے محروم نہیں اور ہم دنیا کو پیارے ہیں!



ناقابل مسابقت کارنامہ

اگرچہ یہ دور جٹ کا ہے اور آواز سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے سفر کیا جا سکتا ہو مگر اب بھی اس اونٹ اور شتربان کو ملک کی روزمانہ زندگی میں دخل ہے۔ باربرداری کا یہ طریقہ صدیوں پرانا ہے۔ انسان نے تاریخ میں سب سے پہلے اونٹ سے ہی خدمت لینی شروع کی تھی۔ تاہم بہت سے مقامات پر ابھی تک اتنی قابل اعتماد سواری ایجاد نہیں ہوئی۔ اونٹ کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ تین دن تک بغیر ایک قطرہ پانی پیئے پانچ سو سے ایک ہزار پونڈ تک کا وزن لیکر ایسے دشوار گزار راستوں پر جہاں کسی جانور یا گاڑی کا گزر نہ ہو سکے روزانہ پچیس میل کی مسافت طے کر سکتا ہے۔ اونٹوں کے کارواں پاکستان بھر میں گھومتے رہتے ہیں اور بہاولپور وغیرہ کے دیہات میں تو شتربانی ہی ذریعہ معاش ہے۔

یہ دیہات کتنے ہی چھوٹے اور دور افتادہ کیوں نہ ہوں ان کیلئے پٹرولیم کی مصنوعات برابر پہونچتی رہتی ہیں۔ برماشیل کا وسیع ادارہ چھوٹے چھوٹے قریوں کی بھی اتنی ہی سرگرمی سے خدمت کرتا ہے جتنی بڑے بڑے شہروں کی۔ جہاں بھی ضرورت ہو برماشیل خدمت کے لئے پہونچ جاتی ہے۔

برماشیل کا نصب العین ـــــ خدمت



آرزو

سراج الدین علی خاں

آتا ہے صبح اٹھ کر تیری برابری کو
کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

دل مارنے کا نسخہ پہنچا ہے عاشقوں تک
کیا کوئی جانتا ہے اس کیمیاگری کو

اس تندخو صنم سے ملنے لگا ہوں جب سے
ہر کوئی مانتا ہے میری دلاوری کو

اپنی فسوں گری سے اب ہم تو ہار بیٹھے
بادِ صبا یہ کہنا اس دل ربا پری کو

اب خواب میں ہم اس کی صورت کو ہیں ترستے
اے آرزو ہوا کیا بختوں کی یاوری کو

آزردہ

مفتی صدرالدین

یہ کہہ کے رخنہ ڈالیے اُن کے حجاب میں
اچھے بُرے کا حال کھلے گا نقاب میں

یارب! وہ خواب حق میں مرے خواب مرگ ہو
آئے وہ مستِ خواب اگر میرے خواب میں

تحقیق ہو تو جانوں کہ میں کیا ہوں قیس کیا
لکھا ہوا ہے یوں تو سبھی کچھ کتاب میں

میں اور ذوقِ بادہ کشی؟ لے گئیں مجھے!
یہ کم نگاہیاں تری بزمِ شراب میں

ہیں دونوں مثلِ شیشہ، پہ سامانِ صد شکست
جیسا ہے تیرے دل میں نہیں ہے حباب میں

یہ عمر اور عشق، ہے آزردہ جائے شرم!
حضرت یہ باتیں پھبتی تھیں عہدِ شباب میں

آشفتہ

بھورے خان

جامِ گدائی ہاتھ میں لے، نت سانجھ سویرے پھرتے ہیں
شمس و قمر یہ دونوں بھکاری حسن کے تیرے پھرتے ہیں!

مدت سے ہے اخترِ طالع ماہ جبیں بن گردش میں!
کھول تو باہمن پوتھی اپنی، کب دن میرے پھرتے ہیں

پنڈت پوچھو، ہاتھ دکھاؤ، فال کھلاؤ کوئی، یہ
دن جو ہوں برگشتہ اپنے کس کے پھیرے پھرتے ہیں

عقل و فراست سلب ہوئے سب ملتے جنوں سے دلائے جنوں
گلیوں گلیوں لڑکے ہم کو گھیرے گھیرے پھرتے ہیں

یوں کاندھے پہ زلفیں اُس کی بل کھاتی ہیں وقتِ خرام
مارِ سیہ کو ڈال گلے میں جیسے سپیرے پھرتے ہیں

جوگ لیا آشفتہ ہم نے دیکھ لٹک ان زلفوں کی
گلیوں گلیوں حال پریشاں، بال بکھیرے پھرتے ہیں

آشفتہ

مرزا رضا قلی

یہ جوشِ غم ہے کہ سینہ میں خوں اُبلتا ہے
نہ رکھیو ہاتھ کلیجہ پہ میرے، جلتا ہے

نہ پوچھو دل کی حقیقت، تمہارے عشق میں آہ
اسے وہ غم جو لگا ہے، اسی میں گلتا ہے

یہ ہم کو اس کی جدائی نے اور ایذا دی
کہ رات دن کوئی سینے میں دل کو ملتا ہے

کسی کے کان کا دُر دیکھا تو نے آشفتہ؟
جو اشک آنکھوں سے موتی سا تیرے ڈھلتا ہے

آصف

آصف الدولہ بہادر

جس گھڑی تیرے آستاں سے گئے
ہم نے جانا کہ دو جہاں سے گئے

تیرے کوچہ میں نقشِ پا کی طرح
ایسے بیٹھے کہ پھر نہ واں سے گئے

شمع کی طرح رفتہ رفتہ ہم
ایسے گزرے کہ جسم و جاں سے گئے

ایک دن میں نے یار سے یہ کہا :
اب تو ہم طاقت و تواں سے گئے

ہنس کے بولا کہ سُن لے اے آصف
یہی کہہ کہہ کے لاکھوں جاں سے گئے

آفتاب

شاہ عالم بادشاہ دہلی

بعدِ مجنوں کیوں نہ ہوں میں کارفرمائے جنوں
عشق کی سرکار سے ملبوسِ رسوائی ملا !

خوب سا سیدھا بنے گا دیکھ اے سروِ چمن
اس کی رعنائی سے مت تو اپنی زیبائی ملا

جل گیا پروانہ جس دم محفل آرائی کے ساتھ
خاک میں سب شمع نے وہ محفل آرائی ملا

طالعِ بیدار کی منت اٹھانے بھی نہ دی
اس سے شب ہم کو تمنا خواب میں لائی ملا

اپنی قسمت میں ازل سے تھی لکھی سرگشتگی !
گردِ باد آسا جو کار دشت پیمائی ملا

واہ وا ! رحمت ہے، اس کو اور مجھ کو آفریں
راہ میں بن کر عصا جو خارِ صحرائی ملا

دستگیری بھی نہ کی تو نے کہ جو نقشِ قدم !
خاک میں، میں تیری خاطر اے توانائی ملا

سرکشی اے چرخ مت کر، دیکھ پیشِ آفتاب
خاک میں دے گا یہ ساری تیری خود آرائی ملا !

احسانؔ

منشی احسان علی شاہجہانپوری

○

اس کو نہ سوچیے کہ ستم یا کرم ہُوا
خنجر اٹھائیے! سرِ تسلیم خم ہُوا

توڑا ہمارے دل کو بتوں نے، ستم ہُوا
وہ بھی انہیں کا قول، انہیں کی قسم ہوا

اپنی گلی میں دیکھ کے ہم ہو رہے ہیں خوش
نقشِ امیدِ یار کا نقشِ قدم ہُوا

کیسا مری وفا نے پشیمان کر دیا
آنکھیں بھی اُن کی جھک گئیں غصہ بھی کم ہُوا

دونوں طرف سے جب وہی دل ایک جان ایک
مجھ پر ستم ہوا، تو تمہیں پر ستم ہوا

محرومِ عیش میری طرح دوسرا کہاں
دل میں سرورِ وصل بھی آیا، تو غم ہُوا

احسانؔ ضبط کرنے سے اخفائے رازِ عشق
دل سے بہت ہوا مگر آنکھوں سے کم ہُوا

احسنؔ

میرزا احسن

○

نہ نالہ ہے دل میں نہ آہِ حزیں ہے
کوئی دم ہے یاں، سو دم واپسیں ہے

گئے دن جو آنکھوں سے بہتے تھے دریا
اِدھر دیکھ لو، خشک اب آستیں ہے

گیا دل جو کوچہ میں چینِ جبیں کے
نہ پھر واں سے نکلا عجب سرزمیں ہے

قدم رکھ نہ اپنا مرے دل سے باہر
کہا مان میرا، یہ گھر دل نشیں ہے

نہ کھینچ آسماں پر تو سر اپنا احسنؔ
سمجھ آخرش سب کا مدفن زمیں ہے

اختر

نواب واجد علی شاہ

چاک چاک اپنا گریباں نہ ہوا تھا، سو ہوا
وحشتِ دل کا جو ساماں نہ ہوا تھا، سو ہوا

یا خدا دیر میں ساماں نہ ہوا تھا، سو ہوا
کافرِ عشق مسلماں نہ ہوا تھا، سو ہوا

رُخِ انور سے مَیں حیراں نہ ہوا تھا، سو ہوا
کبھی اے زلف! پریشاں نہ ہوا تھا، سو ہوا

ظلم و جور اے شبِ ہجراں! نہ ہوا تھا، سو ہوا
خانۂ گور میں مہماں نہ ہوا تھا، سو ہوا

چشمِ انصاف سے طوفاں نہ ہوا تھا، سو ہوا
دلِ اختر چمنستاں نہ ہوا تھا، سو ہوا

اثر

نواب سید امداد امام

سنا حالِ دل، پر کہا کچھ نہیں
مگر کان دھر کر سنا کچھ نہیں

نہ گل پہ ہے جوبن، نہ بلبل کو جوش
چمن کی وہ اگلی ہوا کچھ نہیں

عبادت خدا کی بہ امیدِ حور
مگر تجھ کو زاہد حیا کچھ نہیں

خدا ان سے بندوں کو اپنے بچائے
کہ نزدیک جن کے خدا کچھ نہیں

حسینوں کے انداز مت پوچھیے
جفا ہی جفا ہے، وفا کچھ نہیں

بتوں کی پرستش کہاں تک اثر
مگر تجھ کو خوفِ خدا کچھ نہیں

ارشد

میرزا عبدالغنی گورگانی

الٰہی! جان دی ہے میں نے کس کے روئے روشن پر
ہزاروں شمعیں پروانہ بنی ہیں میرے مدفن پر

تعجب کیا خمیدہ ہو اگر تلوار قاتل کی!
چڑھا ہے خون کس کس بے گنہ کا اس کی گردن پر

وہ بے انصاف، اور اپنی وفا کی داد یا قسمت!
گمانِ دوستی ہے سادگی سے ہم کو دشمن پر

عجب اس جلوۂ یکتا میں نیرنگِ تماشا ہے
نئی صورت سے چمکا خاطرِ شیخ و برہمن پر

میں ہوں ممنونِ منتِ صلحِ کل کا جب سے اے ارشد
یقینِ دوستی ہونے لگا ہے مجھ کو دشمن پر

اسد

میر امانی

پی کر شراب، دُرد تہِ جام دے گیا
وہ شوخ ہم کو بوسہ بہ پیغام دے گیا

آیا جو میکشی کو چمن میں وہ بادہ نوش
ہر ایک گل کے ہاتھ میں اک جام دے گیا

کھانے کو غم ہے، پینے کو خوں، دیکھنے کو داغ
سب عشق کا وہ ہم کو سرانجام دے گیا

کل کہہ گیا کہ اور پہ عاشق ہے تو اسد
آیا ہے جب وہ یاں تو اک الزام دے گیا

اسمٰعیل

مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی

جو بھلے برے کی اٹکل نہ مرا شعار ہوتا
نہ جزائے خیر پاتا، نہ گناہ گار ہوتا

مئے بے خودی کا ساقی مجھے ایک جرعہ بس تھا
نہ کبھی نشہ اترتا، نہ کبھی خمار ہوتا

میں کبھی کا مر بھی رہتا، نہ غمِ فراق سہتا
اگر اپنی زندگی پر مجھے اختیار ہوتا

یہ جو عشقِ جاں ستاں ہے یہ جو بحرِ بیکراں ہے
نہ سنا کوئی سفینہ کبھی اس سے پار ہوتا

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا
کہ جو کوئی تم سے کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

ہے اسی انجمن میں یکساں عدم و وجود میرا
کہ جو میں یہاں نہ ہوتا یہی کاروبار ہوتا

اسیر

مظفر علی

آہ کب سب پر نہیں ہے داغ کب دل میں نہیں
کون سی شب ہے کہ گرمی اپنی محفل میں نہیں

بزم کی کثرت سے اندیشہ مرے دل میں نہیں
دل میں اس کی ہے جگہ جس کے جو محفل میں نہیں

پنجۂ مژگانِ تر نے یہ اڑائیں دھجیاں!
تار باقی ایک بھی دامانِ سائل میں نہیں!

خونِ ناحق کا ہمارے داغ مٹنے کا نہیں!
تیغ میں ہوگا، اگر دامانِ قاتل میں نہیں

پردہ دارِ چہرۂ یوسف نہیں ہے ہر نقاب
حسنِ لیلیٰ جلوہ گر ہر ایک محمل میں نہیں!

نجد کا صحرا عجب صحرائے وحشت خیز ہے
قیس کیا لیلیٰ کو بھی آرام منزل میں نہیں!

جس طرف جی چاہے گا میرا نکل جاؤں گا میں
سیکڑوں دروازے ہیں حلقے سلاسل میں نہیں

حد سے باہر پاؤں جو رکھتا ہے ہوتا ہے خراب
گھر میں جو راحت مسافر کو ہے منزل میں نہیں

ڈوبتے جاتے ہیں کیوں کر لوگ حیرت ہے مجھے
قدِ آدم آب جوہرِ تیغِ قاتل میں نہیں

ہم غریبوں کا خدا ہے، ناخدا کا کیا؟
ملا اپ ملاح کشتی دستِ ساحل میں نہیں

ہو گیا وحشت سے ایسا بسملوں کا خون خشک
ایک بھی دھبا لہو کا تیغِ قاتل میں نہیں!

افسوس

میر شیر علی

سمندِ گرم جویاں اس سوار کا پہنچا
غبار تا فلک اس خاک سار کا پہنچا

تو سچ بتا کر تجھے اتنی کیوں ہے بے چینی
مگر پیام کسی بے قرار کا پہنچا

ملے ہے پانوں سے اپنے وہ لالہ رو مہدم
یہ مرتبہ تو دلِ داغدار کا پہنچا

ہے یاں تلک تو نزاکت، گلوں کے گجرے سے
لچکنے لگتا ہے اس گل عذار کا پہنچا

قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں افسوس
حصول کیا ہے، جو مژدہ بہار کا پہنچا

اشتیاق

ولی اللہ سرہندی

خیال دل کو ہے اس گل سے آشنائی کا
نہیں صبا کو ہے دعوٰے جہاں رسائی کا

کہیں وہ کثرتِ عشاق سے گھمنڈ میں آ
ڈروں ہوں میں کہ نہ دعوٰے کرے خدائی کا

مجھے تو دھڑکا تھا زاہد پر اک نگاہ سے آج!
غرور کیا ہوا وہ تیری پارسائی کا

جہاں میں دل نہ لگانے کا لیوے پھر کوئی نام
بیاں کروں میں اگر تیری بے وفائی کا

نہ چھوڑا مار بھی کھا کر گزر گلی کا تری!
رقیب کو مرے دعوٰے ہے بےحیائی کا

نہیں خیال میں لاتے وہ سلطنت جم کی
غرور ہے جنہیں در کی ترے گدائی کا

جفائے یار سے مت اشتیاق پھیرے منہ
خیال کیجو کہیں آور جبہہ سائی کا

الم

صاحب میں

○

دھمکاتے ہیں بس مجھ کو فقط آپ اکڑ کر
بانکے ہو تو مونڈھا چلو مونڈھے سے گڑ کر

ہنگام فغاں تھا خس و پنبہ قفس و دام
تارِ رگِ گل نے ہے رکھا ہم کو جکڑ کر

جب نامِ خدا دور سے وہ جلوہ نما ہو
مر جائیں صنموں کی صفیں حیرت سے بچھڑ کر

منڈیا کا تو پیچ اٹھا بیٹھے گا اے شیخ
چھٹ اس سے نہ کچھ پاوے گا رندوں سے جھگڑ کر

آجاتا ہے دکھ درد بھلانے کو الم یاں
کیا اس سے مزا غم ہو اٹھاتے بھلا لڑ کر

امانت لکھنوی

○

شبِ فرقت میں نالوں نے جہاں سر پر اٹھایا ہے
زمیں کو زلزلہ ہے آسماں چکر میں آیا ہے

حسابِ آب و دانہ حشر میں ہوگا، تو کہہ دوں گا
پیا ہے عمر بھر خونِ جگر، غم میں نے کھایا ہے

شفق پھولی ہے دیکھو شام کو شہرِ بدخشاں میں
لبِ رنگیں پہ مسّی مل کے اس نے پان کھایا ہے

مری تربت پہ تا نا چاندنی میں کیوں ہے نکیرو
یہ کس نے چادرِ مہتاب میں دھبہ لگایا ہے!

نہیں بے وجہ پیہم ہچکیاں آتی ہیں فرقت میں
کسی محبوب کو تو لے امانت یاد آیا ہے!

آمانی

سید امانی

○

اس کے کوچہ ستی غبار اٹھا
کون سا واں سے خاکسار اٹھا

عندلیبو! بسا لو اب صحرا!
باغ سے موسمِ بہار اٹھا

ہچکیاں لے گلابیاں روئیں
بزم سے جب یہ مے گسار اٹھا

عزمِ رخصت ہوا جب ہی اس کا
میرے دل سے وہیں قرار اٹھا

نہیں جو قدرِ اشک، عالم سے
موتیوں کا مگر وقار اٹھا

شمع سے سوز آمانی پوچھا ترا
اک دھواں اسکے دل سے یار اٹھا

امید

قزلباش خاں

○

یار بن گھر میں عجب صحبت ہے
در و دیوار سے اب صحبت ہے

دل ہمارا اسے کرتا ہے رات
غیر سے جو سرِ شب صحبت ہے

دردِ دل اس سے جو ہم نے نہ کہا
ایسی حاصل ہوئی کب صحبت ہے

دہر میں پاسِ نفس لازم ہے
شیشہ و سنگ یہ سب صحبت ہے

دستِ اغیار ہے زیرِ سرِ یار!
آج امید کڈھب صحبت ہے

امیر

نواب محمد یار خان

سرخ چشم اتنی کہیں ہوتی ہے بیداری سے
لہو اترا ہے تری آنکھوں میں خوں خواری سے

وقت رخصت کے ترے، اے مرے جی کے دشمن
تھام تھام آج رکھا دل کو میں کس خواری سے

بس میں آیا جو تمہارے، اسے چاہو سو کرو
کیا ستم آدمی سہتا نہیں لاچاری سے

کس نے نظروں میں خدا جانے اسے ڈالا
نرگس آج آنکھ اٹھاتی نہیں بیماری سے

کیا کہوں ولولۂ شوق کو تیرے میں امیر
گھر میں جاتے ہیں پرائے تو خبرداری سے

امین

خواجہ امین الدین

جس کا دل آپ نے لیا ہوگا
خاک میں سے ملا دیا ہوگا !

ہم کو کہیے۔ گر بہار آئی ہے
دل وہ غنچہ نہیں کہ وا ہوگا

گالیاں غیر سے سناتے ہو
ہاں میاں! تم سے اور کیا ہوگا

رل گیا ہوگا خاک میں جوں اشک
تیری آنکھوں سے جو گرا ہوگا

انجام

عمدۃ الملک، امیر خاں

ٹک تو دے فرصت کہ ہولیں رخصت اے صیّاد ہم
مدتوں اس باغ کے سائے میں تھے آزاد ہم

منہ ترا تکتے ہیں سب تسلیمِ حسن و عشق کے
تو ہی بتلا دے کریں کس سے تری فریاد ہم

دل تو ہے داغِ غلامی سے تری طاؤس وار
سامنے قمری کے گویا ہیں سرو ساں آزاد ہم

اب کسی نے دل جلایا مہربانی سے تو کیا
عمر، مانندِ شرر، جب کر چلے برباد ہم

ساتھ اپنے سر کے تھا انجام پاسِ تمکنت
شکر ہے! تڑپے نہ زیرِ خنجرِ فولاد ہم

انیس لکھنوی

صدا ہے فکرِ ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعفِ پیری نے
چنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

بھلا تردد بیجا سے اس میں کیا حاصل
اٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

سحرؔ

شیخ امداد علی

آنکھ کھلتے ہی میسر ہوا دیدارِ قفس
موئے مژگاں مری قسمت سے ہوئے تارِ قفس

ہم اسیروں کے اگر پیشِ نظر گلکاری ہیں
ہوگی دیوارِ چمن صورتِ دیوارِ قفس

کیسے وحشی ہے بنائے قفسِ تابوتی
مر گئے پر بھی نہ چھوٹیں گے گرفتارِ قفس

ہم صفیرو! کوئی کیا جانے اسیری کا مزا
ہیں چمن بیچ کے ہوتا ہوں خریدارِ قفس

روبصحت ہوئے زنداں سے جو مر کر نکلے
گور میں نقلِ مکاں کرتے ہیں بیمارِ قفس

برقؔ لکھنوی

کیا کیا ہوا نہ دامنِ دولت سے چھوٹ کر
مر مر گیا فراق میں حضرت سے چھوٹ کر

آنکھیں ترس رہی ہیں زیارت کے واسطے
دم بند ہے حضور کی خدمت سے چھوٹ کر

آتا نہیں قرار دلِ بے قرار کو
غم میں پھنسا ہوں دامِ محبت سے چھوٹ کر

آخر تڑپ تڑپ کے گئی جانِ مضطرب
ہرگز نہ ہم بچے کسی صورت سے چھوٹ کر

کیا برقؔ منہ دکھاؤں کہ آتی ہے مجھ کو شرم
زندہ میں ہوں فراق میں حضرت سے چھوٹ کر

بسمل

سید امین الحسن موہانی

پہلے سے دیکھنا کہیں بہتر بنائیں گے
اب اپنا ایک اور مقدر بنائیں گے

بگڑے ہوئے ہیں منہ پہ ہیں کون ان سے کیا کہے
اس وقت بات بات کے دفتر بنائیں گے

دیکھیں گے اپنے دل کے تحمل کی کیفیت
ہم ان کو اور چھیڑ کے خودسر بنائیں گے

آنے تو دو بہار کا موسم جنوں کے دن
اپنے لئے ہم آپ ہی نشتر بنائیں گے

بسمل چلیں گے آج درِ یار تک ضرور
پژمردہ دل کو تیرے گلِ تر بنائیں گے

بقا

شیخ بقاء اللہ

رہ رواں کہتے ہیں جس کو، جرسِ محمل ہے
محنتِ راہ سے نالاں وہ ہمارا دل ہے

موج سے بیش نہیں ہستیٔ وہمی کی نمود
صفحۂ دہر پہ گویا یہ خطِ باطل ہے

کچھ تعین نہیں اس راہ میں جوں ریگِ رواں
جس جگہ بیٹھ گئے اپنی وہی منزل ہے

آستیں حشر کے دن خون سے تر ہو جس کی
بہ یقیں، جانیو اس کو کہ مرا قاتل ہے

کھول دو عقدۂ کونین بقا کے پل میں
یا علیؓ تم کو یہ آساں ہے اسے مشکل ہے

بہار

گلشن الدولہ

○

اٹھو گلے سے لپٹ جاؤ، پھر نکھر لینا
تمام رات پڑی ہے، بناؤ کر لینا

یہ لوٹنا، یہ مرا درد، یاد کر لینا
کبھی کبھی تو کلیجہ پہ ہاتھ دھر لینا

ہمارے ساتھ ہے تیرا بھی امتحاں اے تیرا
تڑپ کے دل جو نکل جائے، تو جگر لینا

ملے تو کٹ نہ سکے گا کبھی گلا میرا
یہی خوشی ہو تو آنکھوں پہ ہاتھ دھر لینا

گناہ گار پہ یارب نزول رحمت کر
ترا خزانہ جو خالی ہو، مجھ سے بھر لینا

بہار روز یہ کم بخت منہ کو آتا ہے
کدھر چلا ہے مرا دل، ذرا خبر لینا

بیباک

سید معین احمد شاہجہانپوری

ہر ایک سانس ہے تیغ نگاہ یار مجھے
دیا ہے شوق نے وہ لطفِ انتظار مجھے
ڈرا ہوا ہوں یہ میں زیست سے محبت میں
ہوا نہ مر کے بھی مرنے کا اعتبار مجھے
یہ مدعا ہے کہ ہو ہر بلا کا اس میں گزر
اسی لئے تو دیا ہے دلِ فگار مجھے
کمی وفا میں اگر ہو، تو وہ جفا نہ کرے
صلاح دیتے ہیں کیا کیا صلاح کار مجھے
سکون دل کی تمنا پہ عشق کا دعویٰ
اسی لئے وہ ستاتے ہیں بار بار مجھے
نگاہِ جبر سے دیکھا اسے تو کیا دیکھا
کہ ہے ابھی مرے مرنے کا اعتبار مجھے
یہ امتحاں ہے پیرایۂ تغافل میں
ملا دے خاک میں اے آہِ شعلہ بار مجھے
اسی ادا سے کہ "او! میرے ڈھونڈنے والے
کہاں ہے تو؟" یونہی اک بار پھر پکار مجھے
وفائے عہد، دمِ نزع، اے جزاک اللہ
اب آپ جائیے! آجائے گا قرار مجھے
سزا ملے نہ ملے جرمِ عشق پر لیکن
وہ جانتے تو ہیں اپنا گناہ گار مجھے
عجیب لطف ہے باتوں کا دل سے اے بیباک
ملا ہے خوب محبت میں رازدار مجھے

بیتاب عظیم آبادی

عقل دوڑائی بہت کچھ تو گماں تک پہنچے
کچھ حقیقت بھی ہے انساں کی کہاں تک پہنچے

عشق کے شعلے بھڑک کر رگ جاں تک پہنچے
آگ سی آگ ہے یہ آگ جہاں تک پہنچے

لڑ گئی ان سے نظر کھچ گئے ابرو اُن کے
معرکے عشق کے اب تیر و کماں تک پہنچے

دل سے باہر ہو ترا راز گوارا ہے کسے!
یہ کوئی بات نہیں ہے کہ زباں تک پہنچے

مارے وہ نگہ ناز تو رتبہ ہو بلند
سر ہو اونچا مرا گر نوک سناں تک پہنچے

کوئی دیوانگیٔ عشق کا قصہ چھیڑے
سلسلہ اس کا خدا جانے کہاں تک پہنچے

سرخیٔ خار بیاباں یہ پتہ دیتی ہے
کہ ادھر سے ترے دیوانے یہاں تک پہنچے

بند پر کیف بہ یک گردش چشم ساقی
غایتِ دائرۂ کون و مکاں تک پہنچے

رُخ سے پردہ کو ہٹا حسن یقیں تک پہنچا
آخر انساں ہوں یوں عقل کہاں تک پہنچے

راہ میں اور بھی دیوانوں سے ملتے چلتے
پوچھتے پوچھتے ہم ان کے مکاں تک پہنچے

شربتِ دید نہ ہو تیغ کا پانی ہی سہی
کوئی ٹھنڈک تو سے قلبِ تپاں تک پہنچے

لے گئے عشق کی بازی یہ صفائی بیتاب
جان پر کھیل گئے جانِ جہاں تک پہنچے

تجلّی

میاں حاجی

طرب کا رنگ، رخ گل پہ آشکار آیا
کلی سی کھل گئی، جونہی وہ گلعذار آیا

تڑپ کے جان نکل جائے گی ابھی صیّاد
نہ کہیو باغ میں پھر موسم بہار آیا

ملا میں خاک میں مر مر کے، آہ! پر تو بھی
نہ بیقراریٔ دل سے کبھی قرار آیا

مری وفا پہ تجھے روز شک تھا اے ظالم
یہ سر یہ تیغ ہے، لے اب تو اعتبار آیا

یہ شوق دیکھیو پس مرگ بھی تجلّی نے
کفن میں کھول دیں آنکھیں جو یار آیا

تسکین

میر حسین

کر سکے دفن نہ اس کوچہ میں احباب مجھے
خاک میں دل کی کدورت نے دبا دیا مجھے

ہجر میں پاس نہ ہے زہر نہ خنجر افسوس
نہ دئے موت کے بھی چرخ نے اسباب مجھے

قاصد آیا ہے وہاں سے تو ذرا تھم اے ہوش
بات تو کرنے دے اس سے دلِ بیتاب مجھے

نامِ تسکین ہے یہ مضمون تپش ناز یبا
تھا تخلص جو سزاوار تو بیتاب مجھے

تسلّی

لالہ ٹیکا رام

عالم اس بت پہ مبتلا ہی رہا
ان میں فدوی بھی اک فدا ہی رہا

اُٹھ گئی دوستی زمانے سے
آشنائی، نہ آشنا ہی رہا

نہ سنی تو نے ایک بات کبھو
ہم کو اس بات کا گلا ہی رہا

تم خفا ہی رہے تسلّی سے
اور وہ تم پہ نت فدا ہی رہا

تشنہ

محمد عیسیٰ

آنکھ پڑتی ہے کہیں پاؤں کہیں پڑتا ہے
سب کی ہے تم کو خبر اپنی خبر کچھ بھی نہیں

شمع ہے گل بھی ہے بلبل بھی ہے پروانہ بھی
رات کی رات یہ سب کچھ ہے سحر کچھ بھی نہیں

حشر کی دھوم ہے سب کہتے ہیں یوں ہے یوں ہے
فتنہ ہے اک تری ٹھوکر کا مگر کچھ بھی نہیں

تیستی کی ہے مجھے کوچۂ ہستی میں تلاش
سیر کرتا ہوں ادھر کی کہ جدھر کچھ بھی نہیں

لامکاں میں بھی تو اک جلوہ نظر آتا ہے
بیکسی میں تو ادھر ہوں کہ جدھر کچھ بھی نہیں

ایک آنسو بھی اثر جب نہ کرے اے تشنہ
فائدہ رونے سے اے دیدۂ تر کچھ بھی نہیں

تنہا

محمد عیسیٰ

ہم سے کرتے ہو بیاں غیروں کی یاری آن کر
رہ گئی ہے آپ کی یہ دوست داری آن کر

ہم کو آنے سے تمہاری بزم کے کیا تھا حصول
دیکھ لیتے تھے مگر صورت تمہاری آن کر

روٹھنے پر میرے کیا لازم تھا ہو جانا خفا
یہ کہ کرنی تھی تمہیں خاطر ہماری آن کر

طعنِ بدخواہاں سے تو اک دم نہ پاوے گا قرار
کی جو تیرے در پہ ہم نے بے قراری آن کر

تھا اگرچہ عشق میں مجنوں لیکن آنکھیں کھل گئیں
سر پہ اس کے جس گھڑی لیلیٰ پکاری آن کر

جس جگہ کشتہ کا تیرے لاشہ تھا خوں میں پڑا
خوب سا رویا وہاں ابرِ بہاری آن کر

میں بھی کیا برگشتہ طالع ہوں کہ تنہا رات کر
پھر گئی، وہ تک مرے اس کی سواری آن کر

ثاقب

نواب شہاب الدین خاں

ہم قوتِ جذب دل دکھائیں
اور پھر وہ ہمارے گھر نہ آئیں

کیا چیر کے سینہ دل دکھائیں
کچھ حال سُنو تو ہم سُنائیں

اے بخت! کہاں تلک برائی
اے چرخ! کہاں تلک جفائیں

ہم سینہ سپر کئے کھڑے ہیں
وہ شوق سے خنجر آزمائیں

جو کام میں غیر کے ہوئیں صرف
افسوس وہ دل رُبا ادائیں

شاید کہ ہے گرم نالہ ثاقب
چلتی ہیں شرر فشاں ہوائیں

جوان

مرزا نسیم بیگ

یہ ان دنوں جو ہم سے اتنی رکھائیاں ہیں
شاید کسی نے باتیں کچھ کچھ سجھائیاں ہیں

اے عندلیب! سچ کہہ، کیا فصلِ گل پھر آئی
زنجیریں جنوں کی ہم پر بھی چڑھ آئیاں ہیں

کس بے ادب نے تم سے گل بازی آج کی ہے
منہ پر تمہارے چوٹیں کیا سخت آئیاں ہیں

دیوار و در کی چھاتی سوراخ ہو گئی ہے
کیا روزنوں سے اس نے آنکھیں لڑائیاں ہیں

پیوستہ ابرو اس کی میں دیکھ کر یہ سمجھا
دو شاخیں ہیں کہ جھک کر ملنے کو آئیاں ہیں

جوشش

شیخ محمد روشن

○

یاں مدعی اپنا کسے اے یار نہ دیکھا
ہے کوئی جسے تیرا طلب گار نہ دیکھا

سوتوں کو جگایا مرے نالے نے عدم کے
پر طالعِ خوابیدہ کو بیدار نہ دیکھا

کل بزم میں سب پر نگہ لطف و کرم تھی
اک میری طرف تو نے ستم گار نہ دیکھا

جوں چشمِ بتاں مے کدۂ دہر میں جوشش
ہم نے تو کسی مست کو ہشیار نہ دیکھا

حزیں

میر محمد باقر

○

مری رنگیں کلامی کا ہے وہ گل پیرہن باعث
کہ ہووے بلبلوں کی خوش صفیری کا چمن باعث

کوئی ہوتا ہے سنگِ سینہ خسرو سے رقیبوں کا
ہوا ناحق ہلاک اپنے کا آپی کوہکن باعث

جو ہوتا ہے کسی سے اُنس سب سے وحشت آتی ہے
مری صحرا نشینی کا ہے میرا من ہرن باعث

حزیں ان شعلہ رخساروں سے جی کو مت لگا ہرگز
ہوئی آخر کو پروانے کے جلنے کی لگن باعث

حسامیؔ[1]

مرزا حسام الدین حیدر

○

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ، نہیں دل کو اپنے قرار ہے
کروں غم ستم کا میں کیا بیاں، مرا غم سے سینہ فگار ہے

وہ شہر دہلی یہ تھا چمن کہ تھا سب طرح کا یہاں امن (؟)
وہ خطاب اس کا تو مٹ گیا، فقط اب تو اجڑا دیار ہے

یہ رعایا ہند تبہ ہوئی کہوں کیا جو ان پہ جفا ہوئی
جسے دیکھا حاکمِ وقت نے، کہا یہ تو قابلِ دار ہے

شب و روز پھولوں میں جو تُلیں، وہ یوں خارِ غم سے فگار ہوں
ملے طوقِ قید میں جب انہیں، کہیں بدلے گُل کے یہ ہار ہے

جو سلوک اوروں سے کرتے تھے، وہی اب ہیں کتنے ذلیل و خوار
وہ ہیں تنگ چرخ کے جور سے، رہا تن پہ ان کے نہ تار ہے

یہ زمانہ ہے وہ بُرا فلک، چلو بچ کے سب سے الگ الگ
نہ رفیق کوئی کسی کا یاں، نہ کسی کا کوئی بھی یار ہے

کیا حسامیؔ ڈر تجھے حشر کا، جو حذر رکھے تجھے برملا
تجھے ہے وسیلہ رسول کا، وہی تیرا حامیٔ کار ہے

حسینؔ[2]

سید صادق علی

○

ایسا بھی نہیں درد کے مارے نہیں دیکھے
ہم نے گُل و بلبل کے اشارے نہیں دیکھے

جب میں نے کہا مرتا ہوں منہ پھیر کے بولے
سنتے تو ہیں پر عشق کے مارے نہیں دیکھے

ہر سمت پھرے خاک اڑایا کیے برسوں
پر نقشِ قدم ہم نے تمہارے نہیں دیکھے

پوشیدہ ہیں کس حد میں مری خاک کے ذرّے
پتھر میں بھی اس طرح اشارے نہیں دیکھے

تربت میں مرے بندِ کفن کھول کے بولے
ہم نے دہنِ زخم تمہارے نہیں دیکھے

اب قبر پہ آئے ہو تو اس سمت بھی دیکھو
ہاں نیچی نگاہوں کے اشارے نہیں دیکھے

بے چین ہے دل فصلِ بہاری میں حسینؔ کا
اب تک کسی گل رو کے اشارے نہیں دیکھے

[1][2] اُردو کے اَن پڑھ شاعر: اردو، اورنگ آباد دکن، جنوری ۱۹۳۲ء

حیاؔ

مرزا رحیم الدین

○

موت ہی چارہ سازِ فرقت ہے
رنج مرنے کا، مجھ کو راحت ہے

ہو چکا وصل، وقتِ رخصت ہے
اے اجل! جلد آ، کہ فرصت ہے

روز کی داد کون دیوے گا،
ظلم کرنا تمہاری عادت ہے

کاروانِ عمر کا ہے رخت بدوش
ہر نفس بانگِ کوسِ رحلت ہے

سانس اک پھانس سی کھٹکتی ہے
دم نکلتا نہیں، مصیبت ہے

تم بھی اپنے حیاؔ کو دیکھ آؤ
آج اس کی کچھ اور حالت ہے

حیراںؔ

میر حیدر علی

○

گرچہ یہی وضع ہے اور ہیں یہی ہیہات نصیب
تو ہمیں ہو چکی بس اُس سے ملاقات نصیب

ہم لبِ گور ہوئے خوں ہوا جگر اس غم سے
کبھی اس غنچہ دہن سے نہ ہوئی بات نصیب

صبح ہر روز اس غم میں ہمیں ہوتی ہے شام
آہ! جاگیں گے مرے کون سی اب رات نصیب

کچھ ہمیں شکوہ نہیں جور سے تیرے ہرگز
ہم ہمیشہ سے ہیں اے جان! کچھ آفات نصیب

مسجدوں میں پھرے نت سبحہ پھراتے حیراںؔ
شیخ جی پر نہ ہوئی تم کو کرامات نصیب

خاکسار

محمد یار

○

تھا زلیخا کو جو جاں سے مہِ کنعان عزیز
ہم نے بھی تجھ سے تو بے مہر نہ کی جان عزیز

کل مجھے قتل کر اس دشمن دیں کا فر نے
بولا لوگوں سے یہ تھا مردِ مسلمان عزیز

کیوں نہ وہ مصحفِ رو جان سے مجھے ہوئے یاد
کس مسلماں کو نہیں دین اور ایمان عزیز

خاکسار عرش سے بھی دیکھا پرے تیرا مزاج
آپ ہیں آ ذرا اپنے تئیں پہچان عزیز

خلیق

میر مستحسن

○

اشک جو چشمِ خوں فشاں سے گرا
تھا ستارا کہ آسماں سے گرا

آتشِ گل پہ جل کباب ہوا
رات بلبل جو آشیاں سے گرا

شیشۂ دل تو چور ہو جاتا
کوئی پتھر نہ آسماں سے گرا

میں نے آنکھوں سے لے لیا اس کو
پھول جو دستِ باغباں سے گرا

ہنس دیا یار نے جو رات خلیق
کھا کے ٹھوکر اس آستاں سے گرا

دلبر

سیّد امیر حسن مارہروی

○

عزّت اسی کی اہلِ نظر کی نظر میں ہے
سب کچھ بشر میں ہے، جو محبت بشر میں ہے

کیا پوچھتے ہو، جو اسے تیغِ نگاہِ ناز
یہ اس سے تیز ہے، جو تمہاری کمر میں ہے

قاصد! سوالِ وصل نہیں اور وہ چپ ہیں
کیا کیا نہ نشانِ بے خبری اس خبر میں ہے

کیا جانے کس سوال کا بھیجا ہے یہ جواب
اک تیر، اک چھری، اک پیغامبر میں ہے

اور ایک بار قلب کو تڑپا گئے وہ نگاہ
اتنی کسک ابھی تو ہمارے جگر میں ہے

اے دل! کسی کی یاد بھی اور اضطراب بھی
اتنا نہیں خیال کہ مہمان گھر میں ہے

گھبرائے کیوں نہ کشمکشِ نزع سے دلبر
پہلا یہ اتفاق اسے عمر بھر میں ہے

دیوانہ

رائے سرب سکھ

○

جب نہ تب سنئے تو کرتا ہے وہ اقرار بغیر
گفتگو ہم سے ایسے، پر نہیں انکار بغیر

بزم میں رات بہت سادہ و رنگین تھے، پر لے
گرمیٔ بزم کہاں اس بتِ عیّار بغیر

دیکھ بیمار کو تیرے، یہ طبیبوں نے کہا
ہو چکی اس کو شفا شربتِ دیدار بغیر

جان پر آ بنی ہمدم، مری خاموشی سے
بات کچھ بن نہیں آتی ہے اب اظہار بغیر

جس کی خاطر کے لئے یار سب اغیار ہوئے
کیوں کہ دیوانہ بھلا رہیئے اب اس یار بغیر

راسخ

حافظ عبدالرحمٰن

○

کہاں تھے شب؟ ادھر دیکھو! حیا کیوں ہے نگاہوں میں
اگر منظور ہے، رکھ لو مجھے جھوٹے گواہوں میں

موحد وہ ہوں گر میں سرِ وحدت کان میں کہہ دوں
مؤذن بت کدہ میں ہوں، برہمن خانقاہوں میں

نظر مجھ سے بچا کر منہ چھپا کر کھنچے جاتے ہیں
کہ یہ چوری بھی لکھی جائے گی تیرے گناہوں میں

سیہ کاری مری بن جائے رشکِ گیسوئے خوباں
قیامت کو چھپا بیٹھا رہوں یارب گناہوں میں

وہی راسخ تو ہیں کل تک جو میخانے کے دربان تھے
بنے بیٹھے ہیں حضرت چار دن سے دیں پناہوں میں

راقم

خواجہ قمرالدین

○

بات کیونکر بنے، امید برآئے کیوں کر
نالہ پرشور نہیں، آہ شرربار نہیں

آج آتے ہیں مرے شکووں کا لینے وہ حساب
خیر ہے، ہاتھ میں ان کے کوئی تلوار نہیں

مجھ سے نفرت سہی، لذت کشِ آزار تو ہوں
غیر پھر غیر ہے، وہ خوگرِ آزار نہیں

جوشِ مستی میں چلے آئے کہاں تم راقم
یہ تو مسجد ہے چلو، خانۂ خمار نہیں

رخشاں

نواب ضیاء الدین خاں

○

پی کے گرنے کا ہے خیال ہمیں
ساقیا! لیجیو سنبھال ہمیں

شب نہ آئے جو اپنے وعدے پر
گزرے کیا کیا نہ احتمال ہمیں

تیرے غصہ نے ایک دم میں کیا
مردۂ صد ہزار سال ہمیں

دل میں مضمر ہے معنیٔ باقی
کسی صورت نہیں زوال ہمیں

طالعِ بد سے نیّرِ رخشاں
اپنے ہی گھر میں ہے وصال ہمیں

رسا رامپوری

○

ساقی جو دئے جائے یہ کہہ کر کہ پیے جا
تو میں بھی پیے جاؤں یہ کہہ کر کہ دیئے جا

جانے کی جو ضد ہے تو مجھے زہر دئے جا
اِتنا تو کہا مان لے اِتنا تو کئے جا

کچھ اور نہ کر مجھ پہ جفائیں تو کئے جا
کچھ اور نہ لے میری دعائیں تو لئے جا

کیا لذتِ تعزیر نے مجبور کیا ہے
آتا ہے یہی جی میں کہ تقصیر کئے جا

کم بخت رسا تیری رسائی نہیں ان تک
تُو خوب سا اِسلام کو بدنام کئے جا

رشک

میر علی اوسط

○

جو رنج نوشتہ ہیں ہے کیوں کر نہ ملے گا
لکھوائیں گے نامہ، تو کبوتر نہ ملے گا

جس رات نقاب اس مہ کامل نے الٹ دی
تاروں کو نشانِ مہِ انور نہ ملے گا

ابر شب فرقت ہے بندھے آنسوؤں کا تار
اس طرح کا وقت لے مژہ تر نہ ملے گا

کاہید گی جسم اگر یوں ہی رہے گی
ہم کو بھی ہمارا تنِ لاغر نہ ملے گا

انصاف کو سمجھو خضرِ راہِ ہدایت
اے رشک اب ایسا کوئی رہبر نہ ملے گا

رشکی

نواب محمد علی خاں

○

غصہ آتا ہے پیار آتا ہے
غیر کے گھر سے یار آتا ہے

مے پلانی اگر نہیں منظور
ابر کیوں بار بار آتا ہے

تیرے رونے سے اب مجھے بھی خوف
دیدۂ اشک بار آتا ہے

دردِ دل کیا بیاں کروں رشکی
اس کو کب اعتبار آتا ہے

زکی

نواب محمد ذکریا خاں

◯

اسیری میں تباہی رونقِ کاشانہ ہو جائے
قفس ہی نالوں سے جل کر چراغ خانہ ہو جائے

تغافل سازگارِ شوقِ اہلِ درد کیا ہوگا
ادا سے دو فریب ایسا کہ دل دیوانہ ہو جائے

نہ کہنا غیر سے قاصد کہ میں مطلب نہیں سمجھا
پیامِ یار سے ہے معنیٔ بیگانہ ہو جائے

نہیں کیوں حضرتِ موسیٰ کی بیتابی کے ہم پیرو
کہ رازِ دل زباں پر آئے اور افسانہ ہو جائے

کہاں تک ضبطِ بیتابیِ دلِ مسکیں! مجھے ڈر ہے
تری خوئے تحمل سے وہ بے پروانہ ہو جائے

فغاں کرتے ہوئے جا پہنچو اس کی بزمِ عشرت میں
کبھی تو اے زکی یہ شوخیٔ رندانہ ہو جائے

سجاد

میر سجاد اکبر آبادی

◯

دل ہو گیا پھپھولا پیارے تمام جل کے
کیا تجھ نہال سے ہوں امیدوار پھل کے

تنہا نہ دل مرے نے زلفوں سے تاب کھایا
گلشن کے بیچ سنبل کھاتا ہے تاب بل کے

ایسے ترے جھمکتے دانتوں کو دیکھ پیارے
پانی ہو جائے موتی مارے نہ کیوں کہ جھلکے

کیا جانتا تھا مجھ کو رسوا کریں گے سب میں
یہ طفلِ اشک میرے آنکھوں کے بیچ پل کے

سحر بھوپالی

○

سینہ میں دل ہے دل میں داغ داغ میں سوز و سازِ عشق
پردہ بہ پردہ ہے نہاں پردہ نشیں کا رازِ عشق

باندھ کے صف ہوں سب کھڑے تیغ کے ساتھ سر جھکے
آج تو قتل گاہ میں دھوم سے ہو نمازِ عشق

کوہ پہ جانِ کوہکن دشت میں جانِ قیس لی
بل بے تری چڑھائیاں اُف رے یہ ترکتازِ عشق

نام و نشاں مٹا چکے شوقِ جفا و ذوقِ جور
جان و جگر جلا چکے سوزِ دل و گدازِ عشق

پردہ میں رہ کے الحذر گوشہ میں چھپ کے الاماں
ہم کو خبر ہے ہو گیا حسن سے سازبازِ عشق

سر کو کٹا کے لوٹ لی دولتِ وصل یار کی
تیغ کے گھاٹ قطع کی ہم نے رہِ درازِ عشق

خاص خدا کا وہ مقام دل میں خدا کے اس کا گھر
عرش سے کچھ بلند ہے درگہِ بے نیازِ عشق

فرش زمیں پہ مصطفٰے عرش بریں پہ کبریا
پہنچا ہے دیکھنا کہاں سلسلۂ درازِ عشق

سلیمان

نواب سلیمان شکوہ

○

ساقیا! ہے یہ جام کا عالم
جیسے ماہِ تمام کا عالم

کبک رفتار اپنی بھول گئے
دیکھو اس کے خرام کا عالم

اب خدا پھر ہمیں نہ دکھلائے
شبِ ہجراں کی شام کا عالم

تجھ پہ ہے ان دنوں میں نام خدا
کچھ عجب دھوم دھام کا عالم

شاد

مہاراجہ سر کشن پرشاد

بادۂ خمخانۂ توحید کا مے نوش ہوں
چور ہوں مستی میں ایسا بےخود و مدہوش ہوں

گر پھرنے دے مجھے ساقی، یہ میرا فرض ہے
مثلِ ساغر دور میں ہوں، بادہ سرجوش ہوں

طرزِ خاموشی مری بتلاتی ہے اس راز کو
ہوں نوا سنجِ حقیقت، لاکھ میں خاموش ہوں

دردمندِ عشق ہو کر، منبعا کا خوگر ہوں میں
صورتِ سیماب ہو کر پیکرِ خاموش ہوں

کس کی فرقت، وصل کس کا اور ہے معشوق کون
شادؔ میں اس عالمِ تکوین کا ہم آغوش ہوں

شاد

حکیم سید محمد غازی پوری

بلبل کو پھر چمن میں لگا لائی بوئے گل
اے کاش! ہوتی گلبدنوں میں بھی خوئے گل

دل داغ داغ اس میں خیالِ خرامِ ناز
جس طرح اڑتی پھرتی ہو گلشن میں بوئے گل

عاشق ہی جب نہیں، تو خزاں ہے بہارِ حسن
بلبل کے ساتھ ساتھ گئی آبروئے گل

رازِ محبت اور دلِ غنچہ، تا بہ کے
نکلے گی بو کے پردے میں ہر آرزوئے گل

وا شادؔ صبرِ گل سے بھی نفرت ہوئی انہیں
سمجھے مگر کہ بوئے محبت ہے بوئے گل

شرر

مولوی عبدالحلیم لکھنوی

کیا سہل سمجھے ہو، کہیں دستِ صبا چھٹا نہ ہو
ظالم یہ میرا خون ہے، رنگِ حنا نہ ہو

یارب! مجھے ہے داغِ تمنا بہت عزیز
پہلو سے دل جدا ہو، مگر یہ جدا نہ ہو

راہیں نکالتا ہے یہی سوز و ساز کی
پہلو میں دل نہ ہو، تو کوئی حوصلہ نہ ہو

تم اور وفا کرو، یہ نہ مانوں گا میں کبھی
اس کو فریب دو، جو تمہیں جانتا نہ ہو

کیا کیا شررؔ ذلیل ہوئے، آبرو گئی!
ایسا بھی عاشقی کا کسی کو مزا نہ ہو

شفق عمادپوری

دل تڑپ جائے نہ کیوں سن کر فغانِ اہلِ درد
ان سے پوچھو، جو سمجھتے ہیں زبانِ اہلِ درد

ایک سے اک بڑھ کے ہے دلچسپ، دلکش، دلنشاں
حالِ دل، افسانۂ غم، داستانِ اہلِ درد

یہ تو کہیے منہ سے اک اُف تک کسی نے کی کبھی؟
لے چکے ہیں آپ اکثر امتحانِ اہلِ درد

ہاتھ دھولے جان سے کوئی، تو جی بھر کر سنے
جاں ستانِ اہلِ دل ہے، داستانِ اہلِ درد

کس کے آگے رو کے دل اپنا کھو گے تم شفقؔ
کوئی دنیا میں نہیں اب قدر دانِ اہلِ درد

شوق

شیخ احمد علی قدوائی

رُوح کو آج ناز ہے اپنا وقار دیکھ کر
اس نے چڑھائیں تیوریاں میرا قرار دیکھ کر

قصدِ گلہ نہ تھا مگر، حشر میں جوشِ شوق سے
ہاتھ مرا نہ رک سکا، دامنِ یار دیکھ کر

دیکھ کے ایک بار نہیں دل سے تو ہاتھ دھو چکے
دیکھئے کیا گزرتی ہے دوسری بار دیکھ کر

آتے ہیں وہ تو پہلے ہی رنج سے صاف ہو رہوں
آ کے کہیں پلٹ نہ جائیں، دل میں غبار دیکھ کر

کعبے کو جا نہ شوقؔ ابھی، نسبتِ زندگی بخیر!
ہم بھی چلیں گے تیرے ساتھ اب کی بہار دیکھ کر

وصل سے گذرے اے خدا! ہاں یہ شگون چاہئے
صبح کو ہم اٹھا کریں روئے نگار دیکھ کر

شیدا

مسیح الملک حکیم اجمل خاں

کچھ بات ہی تھی ایسی کہ تھامے جگر گئے — ہم اور جاتے بزمِ عدو میں، مگر گئے
یہ تو خبر نہیں کہ کہاں اور کدھر گئے — لیکن یہاں سے دور کچھ اہلِ سفر گئے
ارماں جو ہم نے جمع کئے تھے شباب میں — پیری میں وہ خدا کو خبر ہے کدھر گئے
رتبہ بلند ہے مرے داغوں کا اس قدر — میں ہوں زمیں پہ داغ مرے تا قمر گئے
رخسار پر ہے رنگِ حیا کا فروغ آج — بوسے کا نام میں نے لیا، وہ نکھر گئے
دنیا بس اس سے اور زیادہ نہیں ہے کچھ — کچھ روز ہیں گزارنے اور کچھ گزر گئے
جانے لگا ہے دل کی طرف ان کا ہاتھ اب — نالے شبِ فراق کے کچھ کام کر گئے
حسرت کا یہ مزا ہے کہ نکلے نہیں کبھی — ارماں نہیں ہیں وہ کہ شب آئے سحر گئے

بس ایک ذات حضرتِ شیداؔ کی ہے یہاں
دہلی سے رفتہ رفتہ سب اہلِ ہنر گئے

صبا

لالہ کانجی مل

سحر جب بستر راحت سے وہ رشک قمر اُٹھا
غلامی اس کی میں خورشید لے تیغ و سپر اٹھا

ابھی تسکیں ہوئی تھی اک ذرا فریاد و زاری سے
لگا دل مضطرب ہونے کہ پھر درد جگر اٹھا

گلے پر میرے خنجر پھیرنا وہ اور بھی لیکن
ہوئی مجھ سے خطا اتنی کہ میں فریاد کر اٹھا

نہیں معلوم اے یارو صبا کے دل میں کیا آیا
ابھی جو بیٹھے بیٹھے وہ یکایک آہ کر اُٹھا

صفیر

سید فرزند احمد بلگرامی

شگفتہ ہو کے بیٹھے تھے وہ اپنے بے قراروں میں
تڑپ بجلی کی پیدا ہو گئی پھولوں کے ہاروں میں

کیا اندھیر اپنے رنج نے، ان کی کدورت نے
بجھی شمع محبت ہائے دو دل کے غباروں میں

شب فرقت کو زاہد سے سوا ہر مر کے کاٹا ہے
کرے مشہور ہم کو بھی خدا شب زندہ داروں میں

یہ کس نے کشتۂ تیغ تبسم کر دیا مجھ کو
مبارکباد کا غل ہو رہا ہے سوگواروں میں

وہ عشرت جس کا ساماں ہے دل میں ہو نہیں سکتی
مری مجبوریوں کو دیکھیے ان اختیاروں میں

ہمیں وہ ڈھب جو آجاتا تمہیں پر آزماتے ہم
دل عشاق تم کیا کہہ کے لیتے ہو اشاروں میں

صفیر اب بس کرو اک تک سر شوریدہ زانو پر
غزل کی فکر کیوں کر ہو سکے گی انتشاروں میں

ضیاء

مہر ضیاء الدین

○

دل رُبا ہے مرا بڑا گستاخ
میں نے اتنا نہ سمجھا تھا گستاخ

اب تو وہ شوخیاں لگا کرنے
یک بیک ایسا ہو گیا گستاخ

ناز بے جا کبھی نہ کرتا تھا
کیا رقیبوں نے کر دیا گستاخ

جاں نثاری ہم اس پہ کرتے ہیں
رام ہرگز نہ وہ ہوا گستاخ

اے ضیاء کیجیو سمجھ کے کلام
وہ صنم تو ہے بے وفا گستاخ

صنعت

شیخ کریم اللہ بن مراد آبادی

○

وصل کی شب میں بھی ہم باہم دگر رویا کئے
ہم جدائی سے، وہ میرے حال پر رویا کئے

اس نے زانو غیر کا اپنے رکھا جب زیرِ سر
اپنے زانو پر ہم اپنا رکھ کے سر رویا کئے

اس نے آنسو غیر کے پونچھے جب اپنے ہاتھ سے
ہم نشیں! یہ ماجرا ہم دیکھ کر رویا کئے

ہو گیا مشکل مری مژگاں سے مژگاں کا ملاپ
حائل اک دریا ہوا، ہم اس قدر رویا کئے

سرخرو بے آبروئی میں بھی ہم صنعت رہے
خشک جب آنسو ہوئے، لختِ جگر رویا کئے

طاہر
فرخ آبادی

○

اب کیا ملیں حسینوں سے ہم گوشہ گیر ہیں
غارت گروں نے لوٹ لیا ہے فقیر ہیں

خالق بچائے زہرہ جبینوں کی چاہ سے
سنتے ہیں دو فرشتے ابھی تک اسیر ہیں

چار آنکھیں ہم نے کی تو ہیں غصہ نہ کیجے
سائل نہیں، فقیر نہیں، راہ گیر ہیں

در پر تمہارے بیٹھے ہیں، سر پہ ہے آفتاب
ہم خاکسار، مالکِ تاج و سریر ہیں

وہ بھی تو رو دیں اے اثرِ گریہ ایک دن
جن کی نگاہ میں مرے آنسو حقیر ہیں

کہہ دیں گے صاف صاف وہ دیکھیں تو آئینہ
یہ مانگ ہے لکیر، ہم اس پر فقیر ہیں

نظروں سے کیا گرائیں گے طاہر عدو مجھے
فضلِ خدا سے دستِ خدا، دستگیر ہیں

عاجز
عارف الدین خاں

○

عرق جب اس پری کے چہرۂ پر نور سے ٹپکے
خجل ہو گل سے شبنم جوں لہو ناسور سے ٹپکے

مری آنکھوں سے خونیں اشک یوں گرتے ہیں پلکوں پر
لہو سولی کے اوپر جوں سرِ منصور سے ٹپکے

اگر کیفِ سخن میرا نہالِ تاک کو پہنچے
صراحی شاخ بن جائے، شراب انگور سے ٹپکے

اگر اس زلفِ مشک آمیز سے چینی میں بال آوے
عجب نہیں عطرِ عنبر کاسۂ فغفور سے ٹپکے

کروں فریاد رو رو یار کو جب یاد کر عاجز
دمِ اسرافیل کا لوہو ہو، بانگِ صور سے ٹپکے

عارف

حکیم نواب جان خاں

○

منتِ لب نگاہِ ناز نہیں
دل ہی خود نیشتر نواز نہیں

جانتا ہوں تری نگاہ کو میں
اور پھر آشنائے راز نہیں

ہائے وہ دل! کہ بیقرارِ خلش
وائے وہ سر! کہ سرفراز نہیں

آ، بتاؤں تجھے میں راز کی بات
راز یہ ہے کہ کوئی راز نہیں

اب یہ عالم ہے تیرے حسن کی خیر!
ہوش و مستی میں امتیاز نہیں

واقفِ رازِ ہر دو عالم ہوں
کیا کروں حکمِ شرحِ راز نہیں

آؤ! مسجد میں پڑ رہیں عارف
درِ مے خانہ آج باز نہیں

عبرت

اکبر حسین موہانی

○

دل ہے، نہ نشانِ بے دلی کا
کیا وقت پڑا ہے بے کسی کا

دیکھا کیے راستہ کسی کا
تھا شغل یہ اپنی زندگی کا

پروائے کرم، نہ شکوۂ غم
اللہ رے دماغ! بے دلی کا

میں اور یہ بے نیازیٔ شوق
احسان ہے جوشِ بے خودی کا

مرنا، مرنے کی آرزو میں،
حاصل ہے یہ اپنی زندگی کا

آنسو بھر آئے، دل بھر آیا
گر نام بھی سن لیا خوشی کا

آخر عبرت نے جان دے دی
کچھ پاس کیا نہ بے کسی کا

عشق عظیم آبادی

ہم نے تو خاک بھی دیکھا نہ اثر رونے میں
عمر کیوں کھوتے ہو اے دیدۂ تر! رونے میں

رات کب آئے تم اور کب گئے؟ معلوم نہیں
جان! اتنی نہ رہی ہم کو خبر رونے میں

جب تلک اشک تھمیں بیٹھ! اگر آیا ہے
تیری صورت نہیں آتی ہے نظر رونے میں

تجھ کو اے دیدۂ تر شغل ہے رونا، لیکن
ڈوبا جاتا ہے یہاں دل کا نگر رونے میں

عالم عشق میں مجنوں بھی بڑا گاڑھا تھا
یار مجنوں سے بھی ہم گاڑھے ہیں پر رونے میں

عظیم

مرزا عظیم بیگ

کل چشم خوں فشاں سے گلزار پیرہن تھا
دامن کا تھا جو تختہ، اک تختۂ چمن تھا

بخشیو عظیم کو بھی یارب بحق رحمت
آوارۂ جنوں سا اک صاحب سخن تھا

اور معنی نہ ایسا، ہندی زباں کا صاحب
ہندوستاں سے لے کر مشہور تا دکن تھا

اک دن جو گھر سے نکلا خط شعاع آسا
بکھرا ہوا بدن پہ ہر تار پیرہن تھا

دیکھا جو دفن کرتے جوں شمع پہ ہو فانوس
تربت میں دور تن سے بالشت بھر کفن تھا

فدوی لاہوری

ٹلتے ہیں کوئی، ہاتھ چلے یا زباں چلے
ہم وادخواہ ساتھ ہیں اُس کے جہاں چلے

کیا ہم سری ہو تیر کی اُس تیرِ آہ سے
یہ، یہ ہی تیر ہے کہ سدا بے کماں چلے

سر پہ تو دھر کے نعش ہماری کو تا مزار
ہر اک قدم پہ روتے ہوئے خوں فشاں چلے

لائے تھے سر پہ دھر کے کس اخلاص سے ہمیں
بس آنکھ اوجھل ہوتے ہی لے دوستاں چلے

یاروں نے اپنی راہ لی فدوی ہمیں ہے
وہ چیز اب کہاں ہے کہ پوچھے کہاں چلے

فراق

ثناء اللہ

غیر کے دل میں نہ جا کیجیے گا
میری آنکھوں میں رہا کیجیے گا

کاسۂ چشم کو لے در پہ ترے
بے نوایانہ صدا کیجیے گا

نا رُوان حرم و دیر کبھو
میرے حق میں بھی دُعا کیجیے گا

وائے اس اپنی سیہ بختی پر
خواہش زلفِ رسا کیجیے گا

فقیر

میر شمس الدین

دردمند وابستہ نہ پوچھو کہ کدھر بیٹھ گئے
تیری مجلس میں غنیمت ہے جدھر بیٹھ گئے

ہے غرض دید سے، یاں کام تکلف سے نہیں
خواہ ادھر بیٹھ گئے، خواہ اُدھر بیٹھ گئے

دیکھا ہوئے گا مرے اشک کا طوفاں تو نے
لاکھ دیوار گرے، سینکڑوں گھر بیٹھ گئے

کس نظرباز نے اس باز کو بخشی پرواز
سینکڑوں مرغِ ہوا چھانٹ کے پر بیٹھ گئے

کم ہے آواز ترے کوچے کے باشندوں کی
نالہ کرنے سے گلے ان کے مگر بیٹھ گئے

مفت اٹھنے کے نہیں یار کے کوچے سے فقیر
جب کہ بستر کو جما، کھول کمر بیٹھ گئے

قدر

سید غلام حسین بلگرامی

ہوئے کل واں سے جدا جو ہم، وہ عاشقی میں فنا ہوئے
جو گرے تو نقشِ قدم بنے، جو اُٹھے تو بانگِ درا ہوئے

جو ہوا سے زُلف بکھر گئی، نظر ان کی صاف بدل گئی
جو اسیرِ حلقۂ ناز تھے، وہ قتیلِ تیغِ ادا ہوئے

ہوا بعد وصل عجب مزا کہ خموش بیٹھے جُدا جُدا
ہمہ تن میں صبر و سکوں ہوا، ہمہ تن وہ شرم و حیا ہوئے

اٹھے ہم جو خواب و خیال سے، لگے تکنے دیدۂ حال سے
کہ وہ کب اُٹھے، وہ کدھر گئے، ابھی پاس تھے، ابھی کیا ہوئے

جو نگہ ہے چشم سیاہ میں، وہی برقِ طور ہے راہ میں
تری آنکھ پر جو فدا ہوئے، وہ شہیدِ راہ خدا ہوئے

بنے قدر ایسے غبار ہم، ہوئے گردشوں میں وہ خوار ہم
کہ مثالِ ذرۂ فلک، جو اُٹھے تو بے سر و پا ہوئے

قدرت

شاہ قدرت اللہ

کس کی نیرنگی یہ بزمِ خاطرِ مایوس ہے — جو شرر دل سے اٹھا سو جلوۂ طاؤس ہے
صبر و طاقت تو کبھی کے کوچ یاں سے کر گئے — اب دماغِ تنگ ہے اور رخصتِ ناموس ہے
حسن کو اپنے ہوا داروں سے ہے کاوش مدام — بر طپش یاں شمع کی برقِ دلِ فانوس ہے

ق

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے — کیا ہے ملکِ دم کیا ہی سرزمین طوس ہے
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی — اس طرف آوازِ طبل اُدھر صدائے کوس ہے
صبح سے تا شام ہوتا ہو مئے گلگوں کا دور — شب ہوئی تو ماہ رویوں سے کنار و بوس ہے
سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے — چل دکھاؤں تو کہ قیدِ آز کا محبوس ہے
لے گئی یکبارگی گورِ غریباں کی طرف — جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے — یہ سکندر ہے، یہ دارا ہے، یہ کیکاؤس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و مکنت دنیا سے آج — کچھ بھی ان کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے
ایک ہی پردہ کے یہ سب ہیں تو ہیں الاپ — گر صدائے بانگ ہے در نغمۂ ناقوس ہے

کل تو قدرت پائے خم رکھے نفی تسبیح ریا
آج رہن جام مے یہ خرقۂ سالوس ہے

قلق

آفتاب الدولہ لکھنوی

ادا سے دیکھ لو، جاتا رہے گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

وہ ظلم کرتے ہیں مجھ پر، تو لوگ کہتے ہیں
خدا بڑے سے نہ ڈالے معاملہ دل کا

پھرا جو کوچۂ کاکل سے کوئی، پوچھیں گے
سنا ہے لٹ گیا رستے میں قافلہ دل کا

ہزار فصلِ گل آئے جنوں! وہ جوش کہاں
گیا شباب کے ہمراہ ولولہ دل کا

بہار آتے ہی کنجِ قفس نصیب ہوا
ہزار حیف کہ نکلا نہ حوصلہ دل کا

الٰہی خیر ہو! کچھ آج رنگ بے ڈھب ہے
تپک رہا ہے کئی دن سے آبلہ دل کا

خدا کے ہاتھ ہے اب اپنا اے قلق! اللہ
بتوں سے حشر میں ہوگا مقابلہ دل کا

کمال

شاہ کمال الدین

جوں قدم یار نے گھر سے مرے در پر رکھا
سر رکھا زانو پہ میں، ہاتھ جگر پر رکھا

ہم کو صیاد نے رکھا جو قفس میں تو آہ
دستِ شفقت کبھی ظالم نے نہ سر پہ رکھا

سنگِ رہ اس کی گلی کا جو کوئی ہاتھ آیا!
مثلِ گل میں نے اٹھا کر اسے سر پہ رکھا

بیٹھے بیٹھے تجھے کون آ گیا یاد آج کمال
تو نے رومال جو لے دیدۂ تر پہ رکھا

گستاخ

کرامت اللہ خان رامپوری

ساغر میں شکلِ دخترِ رز کچھ بدل گئی
غم سے نکل کے نور کے سانچے میں ڈھل گئی

صد سالہ دورِ چرخ تھا ساغر کا ایک دور
نکلے جو میکدے سے، تو دنیا بدل گئی

کہتی ہے نیم وا یہ چمن کی کلی کلی!
فریادِ عندلیب، کلیجہ مسل گئی

ساقی ادھر اٹھا تھا، ادھر ہاتھ اٹھ گئے
بوتل سے کاگ اڑا تھا کہ رندوں میں چل گئی

انگڑائی لے کے اور بھی وہ سوئے چین سے
پھولوں کی پنکھیا جو نسیم آ کے جھل گئی

دامن میں دخترِ رز نے لگایا ضرور داغ
جس پارسا کی گود میں جا کر مچل گئی

گھبرا کے بولے ناگہ گستاخ تو نہیں
جب ان کے پاس کوئی ہماری غزل گئی

گویاؔ

نواب فقیر محمد خان

○

اس کو غفلت پیشہ کہہ آتے ہیں ہم
بھول جانا یاد دلواتے ہیں ہم

ضعف سے رہتا ہے اب پاؤں پہ سر
آپ اپنی ٹھوکریں کھاتے ہیں ہم

دل نہیں اس بت کی الفت چھوڑتا
ناسمجھ کو لاکھ سمجھاتے ہیں ہم

ہے جنازہ اس لئے بھاری مرا
حسرتیں دل کی لئے جاتے ہیں ہم

بارِ عصیاں سر پہ ہے گویاؔ بہت
کیا اٹھائیں سر جھکے جاتے ہیں ہم

مائلؔ

مرزا احمد یار بیگ

○

اختر سے تھے گر موتی اس کان کے بالے کے
اک چاند بھی جھمکے تھا جھرمٹ میں دو ہالے کے

فانوس میں کب دیکھا یوں شمع کے شعلے کو
جھلکے ہے بدن اس کا جوں کرتے میں ڈالے کے

جوں کان میں ہے تیرے یہ موتیوں کا بالا!
کب گرد ستارے ہیں یوں چاند کے ہالے کے

وہ زلف جو ڈس جاوے تو خاک سجھے کوئی
بچتے ہیں کہیں مائلؔ کالے ہوئے کالے کے

مُحِب

شیخ ولی اللہ

اس بُت نے گلابی جو اٹھا منہ سے لگائی
شیشے میں عجب آن سے جھلکی تھی حنائی

عالم میں نشے کے شبِ مہتاب نے تیرے!
خورشید سے مُکھڑے نے طلسمات دکھائی

کو غیر سے ملنے کی قسم کھاتے ہو پیارے
چھپتی نہیں وہ بات، جو ہو دل سے بنائی!

واللہ! ہمیں عشق کی سب بھولی ہوئی چال
کافر تری رفتار نے پھر یاد دلائی!

ہر دم تو بھرا شیشہ جھکاتا ہے نشہ میں
ڈرتا ہوں کہ تیری نہ مڑک جائے کلائی!

آئینہ نمد پوش ہوا عشق میں تیرے
چار ابروؤں کی لے کے فقیرانہ صفائی

ہم جھوٹ کہیں تو نہ ہو دیدار خدا کا
ہے روزِ قیامت، تری اک شب کی جُدائی

عاشق کو محب سلطنتِ ہر دو جہاں ہے!
گر یار کے کوچہ کی میسّر ہو گدائی!

محنت

مرزا حسین علی

ناصح! یہ نصیحت نہ سُنا، مَیں نہیں سُنتا
بک بک کے مرا مغز نہ کھا، میں نہیں سنتا

احوال مرا دھیان سے سُنتا تھا، و لیکن
کچھ بات جو سمجھا، تو کہا: مَیں نہیں سنتا

اس بت نے جو غیروں پہ کیا لطف تو یارو!
مجھ سے نہ کہو بہرِ خدا! مَیں نہیں سُنتا

کچھ ذکر میں ذکر اپنا مَیں لایا تو وہ بولا
بس بات کو اتنا نہ بڑھا مَیں نہیں سنتا

شکوہ سے ہی کرتا ہے جو کوئی اُس سے مزا دیکھ
تو کہتا ہے ہر اک کا گلہ مَیں نہیں سُنتا

محنت کو ہے یہ ضعف کہ کچھ اپنی حقیقت
کہتا ہے وہ مجھ سے، تو ذرا مَیں نہیں سنتا

محوی

مولوی محمد حسین لکھنوی

○

صلائے عامِ ساقی ہے کہ آؤ باصفا کر دوں
فنا کی مے پلا کر مست و مدہوشِ بقا کر دوں

تمنائے وصالِ یار ہے تفریحِ روحانی
جو قابو ہو تو اپنی جان و دل تم پر فدا کر دوں

مری رنگیں بیانی منحصر ہے ذکرِ جاناں پر
مضامیں معرفت کے جس طرح چاہوں ادا کر دوں

تبسم ہے، سر جھکا کر، مسکرا کر یار کا کہنا :
ملے خونِ دلِ عاشق تو میں ترکِ حنا کر دوں

خیالِ غیر سے نفرت دلِ عاشق کو لازم ہے
محبت ان کی کہتی ہے کہ ترکِ ماسوا کر دوں

صدائے نالۂ پیہم، نوائے صور ہے گویا
کہو تو میں ابھی ہنگامۂ محشر بپا کر دوں

تمہیں آئینۂ وحدت میں دیکھو شانِ محبوبی
میں اے محوی یہ عقدہ راز کا کس طرح وا کر دوں

مروت

صغیر علی

○

کیوں تو نے وا کیا تھا بندِ قبا چمن میں
اڑتی پھرے ہے گل سے بلبل خفا چمن میں

ہر سمت اب صبا جو پھرتی ہے خاک اڑاتی
بلبل کے پر پڑے ہیں کیا جا بجا چمن میں

نرگس کی آنکھ تجھ پر پڑتی ہے بے طرح سی
مت وقتِ شام جانا بہرِ خدا چمن میں

جوں لالہ، داغِ دل یاں پھر جل اٹھا ہے شاید
جاتا ہے سیر کرنے وہ بے وفا چمن میں

جیب اپنا گل نے پھاڑا بلبل موئی مروت
کیوں اپنے غم کا قصہ تو نے کہا چمن میں

مضطرؔ

حکیم اسد علی خان،

○

تیری نگاہِ ناز جو ناوک اثر نہ ہو
تکلیفِ چارہ سازئ زخمِ جگر نہ ہو

مجھ سے بھی کچھ سوا ہے انہیں میری آرزو
یہ شوق وہ نہیں، جو اِدھر ہو، اُدھر نہ ہو

میں اور مجھ کو وعدۂ دیدار کی اُمید
وہ چاہتا ہوں آج کہ جو عمر بھر نہ ہو

اے برقِ حسنِ یار، ذرا چشمِ التفات
یوں جل بجھوں کہ مجھ کو بھی میری خبر نہ ہو

کعبہ میں ہے نشاں، نہ کہیں دیر میں پتہ
تیری گلی میں مضطرؔ آشفتہ سر نہ ہو

○

معروفؔ

مرزا الٰہی بخش،

○

آہ! وہ کون تھا حسد مارا
جس نے اس سے مجھے لگا مارا

ایک ہے تو بھی بد بلا اے چشم!
دل کو پھر زلف میں پھنسا مارا!

کیا غضب بھی وہ جنبشِ ابرو
صاف جس نے کہ کھینچا مارا

بعد مدت ملے تھے کل ان سے
آج لوگوں نے پھر لڑا مارا!

وصل کی شب بھی میں نہ سویا آہ
شبِ ہجراں کے خوف کا مارا

مقتول

مرزا ابراہیم بیگ

تاباں جب کہ زلفِ دوتا باندھتے ہیں
گرہ میں دلِ مبتلا باندھتے ہیں!

نہیں بنتی بلبل سے اپنی چمن میں
ہم اب آشیانہ جدا باندھتے ہیں

جفا کھینچیں گے پر نہ ہاریں گے جی کو!
یہ ہم تم سے شرطِ وفا باندھتے ہیں

ق

گرہ دے کے سر پر جو بالوں کا جوڑا
یہ نازک بدن خوش ادا باندھتے ہیں

ہر اک تار میں اس کے دل ٹوٹے عشاق
بہم جمع کر کے، ملا باندھتے ہیں!

میاں حالِ مقتول دیکھا نہیں کیا
کمر آپ کس پر بھلا باندھتے ہیں!

منت

سید قمر الدین

مدعی اس سے سخن ساز بہ سالوسی ہے
پھر منت کو یہاں قرعۂ مایوسی ہے

میری ہی طرح جگر خوں ہے ترا مدت سے
اے حنا کس کی تجھے خواہشِ پابوسی ہے

آہ اے کثرتِ داغِ غمِ خوباں! کہ مدام
صفحۂ سینہ پُر از جلوۂ طاؤسی ہے

تہمتِ عشق عبث کرتے ہیں مجھ کو منت
ہاں! یہ سچ ملنے کی خوباں سے گو اک خو سی ہے

منتظر

میاں نور الاسلام

○

امید ہے کہ مجھ کو خدا آدمی کرے
پر آدمی کرے تو بھلا آدمی کرے

اس طرح وہ فریب سے دل لے گئے مرا
جس طرح آدمی سے دغا آدمی کرے

جائیں نہیں کچھ اس کے، نکلتی ہے اپنی جان
کیا ایسے بے وفا سے وفا آدمی کرے

مارا ہے کوہ کن نے سر اپنے پہ تیشہ آہ
دل کو لگی ہو چوٹ تو کیا آدمی کرے

گر کچھ کہا بگڑ کے میں، بس اس نے ہنس دیا
کیا ایسے آدمی کا گلا آدمی کرے!

گزرا میں ایسی چاہ سے تا چند ہم نشیں
بیٹھا کسی کے سر کو لگا آدمی کرے

ہے عشق بد مرض کوئی جاتا ہے منتظر
کیا خاک اس مرض کی دوا آدمی کرے

منیر

سید اسمٰعیل حسین شکوہ آبادی

○

آمد تصورِ بتِ بیداد گر کی ہے
دل کی بھی لوٹ، خانہ خرابی جگر کی ہے

تقدیر کی کجی ہو کہ ٹیڑھا ہو آسماں
یہ سب عنایت آپ کی ترچھی نظر کی ہے

اک بار تیر مار کے اب تک خبر نہ لی
یارب! نگاہِ مست یہ کس بے خبر کی ہے

یہ رنگ و بو کہاں گلِ تر کو نصیب تھا
اتری ہوئی قبا کسی رشکِ قمر کی ہے

پھر بھی کبھی نگاہِ کرم ہوگی اس طرف
امید آج تک اسی پہلی نظر کی ہے

مہرؔ

مرزا حاتم علی

گریباں ہاتھ میں ہے پاؤں میں صحرا کا داماں ہے
بس اب پاؤں میں اپنے اور سر خارِ مغیلاں ہے

ہوائے دشتِ وحشت ہم کو لے اڑتی ہے بستی سے
ہمارا عنصرِ خاکی مگر ریگِ بیاباں ہے

سبق کو دیکھتا ہوں رات بھر اور پھر الجھتا ہوں
مطول مختصر وہ شرحِ شعرِ زلفِ پیچاں ہے

جلاتا ہے یہ پروانوں کو وصفِ شعلہ رویاں سے
زبانِ خامہ بھی اب تو زبانِ شمعِ سوزاں ہے

نہ کیوں ہر طرز میں پڑھتا غزل ہمساؤں کے آگے
مرا استادِ کامل مہرؔ، ناسخؔ سا سخنداں ہے

ناظمؔ

نواب محمد یوسف علی خاں والیٔ رامپور

میں نے کہا کہ دعوئ الفت مگر غلط
کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کس قدر غلط

تاثیرِ آہ و زاریٔ شب ہائے تار جھوٹ
آوازۂ قبولِ دعائے سحر غلط

سوزِ جگر سے ہونٹ پہ تبخالہ افترا
شورِ فغاں سے جنبشِ دیوار و در غلط

ہاں سینے سے نمائشِ داغِ دروں دروغ
ہاں آنکھ سے تراوشِ خونِ جگر غلط

آجائے کوئی دم میں تو کیا کچھ نہ کیجئے
عشقِ مجاز چشمِ حقیقت نگر غلط

بوس و کنار کے لئے یہ سب فریب ہیں
اظہارِ پاک بازی و ذوقِ نظر غلط

کہنا ادا کو تیغ، خوشامد کی بات ہے
سینے کو اپنے اس کی سمجھنا سپر غلط

مٹھی میں کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی
جانِ عزیز پیشکشِ نامہ بر غلط

پوچھو تو کوئی مر کے بھی کرتا ہے کچھ کلام
کہتے ہو جان دی ہے سرِ رہگذر غلط

ہم پوچھتے پھریں کہ جنازہ کدھر گیا
مرنے کی اپنے روز اڑانی خبر غلط

آیت نہیں، حدیث نہیں جس کو مانیے
ہے نظم و نثرِ اہلِ سخن سر بسر غلط

یہ کچھ سنا جواب میں ناظمؔ ستم کیا
یہ کیوں کہا کہ دعوئ الفت مگر غلط

نثار

محمد امان

○

کیا جامۂ پھلکاری اس گل کی پھبن کا تھا
جو تختۂ دامن تھا، تختہ وہ چمن کا تھا

ہم آگے ہی سمجھے تھے تم گھر کو سدھارو گے
جوں صبح گجر باجا، ماتھا وہیں ٹھنکا تھا

مینا میں نہ ہو جلوہ وہ بادۂ گلگوں کا
جامہ میں جو کچھ یارو، رنگ اس کے بدن کا تھا

نرگس کو کیا ایسا بیمار ان آنکھوں نے
ڈھلکا ہی نظر آیا گردن کا جو منکا تھا

ندرت

شعیب احمد میرٹھی

○

نالۂ دل کی صدا دیوار میں ہے، در میں ہے
شور یا محشر میں ہوگا یا ہمارے گھر میں ہے

یوں تو مرنے کو مروں گا میں، مگر مٹی مری
یا فلک کے ہاتھ میں، یا آپ کی ٹھوکر میں ہے

میں پریشاں ہو کے نکلوں گا، تو ان کی بزم سے
میری بربادی کا ساماں ہے تو ان کے گھر میں ہے

وہ اگر دیکھیں تو اب حالت سنبھلنی ہے مری
وہ اگر پوچھیں، تو اب مجھ کو شفا دم بھر میں ہے

یہ نہیں موقع ہنسی کا، تم نظر بدلے رہو
اب قضا میری، اسی بگڑے ہوئے تیور میں ہے

دے دے چُلّو میں اکٹھی کر کے اے ساقی مجھے
کچھ ابھی تو خم میں ہے، شیشے میں ہے، ساغر میں ہے

نقدِ جاں لینے کو مقتل میں قضا ندرت مری
بن کے دُلہن رونما آئینۂ خنجر میں ہے

نظرؔ لکھنوی

نوبت رائے

○

کاروبارِ عشق کی کثرت کبھی ایسی نہ تھی
دل نہ تھا تو تنگیٔ فرصت کبھی ایسی نہ تھی

یاس سے ویرانیٔ حسرت کبھی ایسی نہ تھی
دل میں سناٹا نہ تھا وحشت کبھی ایسی نہ تھی

اُن کے وعدہ پر ہمیں جینا پڑا ہے حشر تک
ورنہ طولانیٔ شبِ فرقت کبھی ایسی نہ تھی

دیکھ ڈالے زندگی میں وصل و فرقت کے طلسم
غم کبھی ایسا نہ تھا راحت کبھی ایسی نہ تھی

بے بیمار پُرسی کی تو جینا ہے وبال
ورنہ مرنے کی مجھے حسرت کبھی ایسی نہ تھی

مزہ ہے کس قدر انکار اُن کا وصل میں
تجھ میں اے خونِ جگر لذّت کبھی ایسی نہ تھی

ں کو کیا سمجھا دیا نومیدیٔ جاوید نے
پردہ دارِ غمِ شبِ فرقت کبھی ایسی نہ تھی

زندگی کی کشمکش سے مر کے پائی کچھ نجات
اس سے پہلے اے نظرؔ فرصت کبھی ایسی نہ تھی

نواؔ

ظہور اللہ بدایونی

○

اب اشک تو کہاں ہے، جو چاہوں ٹپک پڑے
آنکھوں سے وقتِ گریہ مگر خوں ٹپک پڑے

پہنچی جو ٹک جھلک ترے دانتوں کی گوش تک
خجلت سے آب ہو کے درِ مکنوں ٹپک پڑے

طغیاں نشہ کا تو یہاں تک ہے چشم سے
اک قطرہ آب کا ہو، تو مجنوں ٹپک پڑے

ڈوبا ہے بحرِ شعر میں ایسا نواؔ کہ اب
دے طبع کو فشار تو مضموں ٹپک پڑے

نیاز

شاہ نیاز احمد بریلوی

عشق میں تیرے کوہِ غم سر پہ لیا، جو ہو سو ہو
عیش و نشاطِ زندگی چھوڑ دیا، جو ہو سو ہو

عقل کے مدرسے سے ہو، عشق کے میکدہ میں آ
جامِ فنا و بے خودی اب تو پیا، جو ہو سو ہو

لاگ کی آگ لگ اٹھی، پنبہ طرح سا جل گیا
رختِ وجودِ جان و تن، کچھ نہ بچا، جو ہو سو ہو

ہجر کی سب مصیبتیں عرض کیں اس کے رو برو
ناز و ادا سے مسکرا کہنے لگا، جو ہو سو ہو

دنیا کے نیک و بد سے، کام ہم کو نیازؔ کچھ نہیں
آپ سے جو گذر گیا، پھر اُسے کیا، جو ہو سو ہو

واقف

شاہ واقف

روزِ خزاں چمن میں جو دیکھا ہزار کے
اک مشت پر پڑے تھے تلے شاخسار کے

یارانِ ہم نشین و رفیقانِ دوست دار
سب آشنا ہیں زندگیٔ مستعار کے

جب مُند گئی یہ آنکھ تو اے دوستا بعدِ مرگ
آتے ہیں پاس کون، کسی کے مزار کے

جو نقش پا رہے اسو رہے، پھر نہ اٹھ سکے
واقفؔ کی طرح ملنے گرے کوئے یار کے

وحید الہ آبادی

○

آپ ہیں جلوۂ دیدار کے دکھلانے کو
پھونک دے برقِ تجلّی مرے کاشانے کو

دیکھئے اک کو کسی جا یار کا ملتا ہے پتہ
کوئی کعبے کو چلا ہے، کوئی بت خانے کو

تیری فرقت میں تصور ہے یہ بے دردی کا
خواب ہم جانتے ہیں نیند کے آجانے کو

بعد میرے جو ہوا دشت میں مجنوں کا گزر
رو دیا دیکھ کے خالی مرے ویرانے کو

کام آجاتی ہے ہم بزمی بھی روشن دل کی
شمع ہم رنگ بنا لیتی ہے پروانے کو

آج پھر شہر کے کوچے نظر آتے ہیں اُداس
کس طرف لے گئی وحشت ترے دیوانے کو

اے جنوں تنگ ہوئی وسعتِ صحرا تجھ سے
اب کہاں جائے طبیعت کوئی بہلانے کو

گل پہ بلبل تھا کہیں شمع پہ پروانہ تھا
ہم نے ہر رنگ میں دیکھا ترے پروانے کو

واشُدِ دل نہ ہوئی، غنچۂ خاطر نہ کھلا
کون سے باغ میں آئے تھے ہوا کھانے کو

میں نے جب وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا
دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو

وفاؔ

حکیم عبدالہادی خاں رام پوری

○

پھر رگِ شعلۂ جاں سوز میں نشتر گزرا
نالہ کیوں آبلۂ دل سے اُلجھ کر گزرا

میں ہوں دل داریٔ افسونِ وفا پہ نازاں
جو رقیبوں پہ نہ گزرا تھا، وہ مجھ پہ گزرا

کیا محیطِ مئے بے رنگ میں طوفاں آیا
جوشِ رنگ انجمنِ ناز سے باہر گزرا

تشنۂ حسرتِ جاوید ہوں میں، کیا جانوں
کیوں گلے سے مرے تلخابۂ کوثر گزرا

آؤ! میرے دلِ افسردہ کی نمکینی دیکھو
جاؤ! اس کشمکشِ ناز سے میں در گزرا

لٹ گئی جان تو اُمید کے پہلو ڈھونڈے
مٹ گئی راہ تو اندیشۂ رہبر گزرا

اس تکلف سے گئی عمر گراں مایہ وفاؔ
ایک دم سینکڑوں برسوں کے برابر گزرا

ولا

مظہر علی خاں

○

ہرگز نہ گریں اُس سے اشک اثر آلودہ
ہوئے نہ کبھی خوں سے جو چشم تر آلودہ

از بسکہ کلیجے کے ٹکڑے ہوئے کرتے ہیں
آنکھوں سے مرے آنسو لخت جگر آلودہ

واں رشکِ چمن اس نے گھر اپنا کیا ہے یاں
رشکِ جگری سے ہے دیوار و در آلودہ

اک پل میں گذر جاوے نہ چرخ بریں سے بھی
ہوتی ہے بڑی ظالم، آہِ اثر آلودہ

بخش اپنے ولا کو بھی از راہِ کرم یارب!
ہرچند گنہ سے ہے وہ سر بسر آلودہ

ہادی

مہر محمد جواد

○

رو رو کے سخن کہنا ہر بار بہت تحفہ
ہیں لب تو میاں لب ہی گفتار بہت تحفہ

ہر پانوں کی ٹھوکر میں سو دل پڑے تڑپے ہیں
کیا ان نے نئی سیکھی ہے رفتار بہت تحفہ

خورشید کا یوں چہرہ زرتار تو ہے لیکن
ہے سر پہ تری سادی دستار بہت تحفہ

اک بوسہ پہ دل ٹھہرا تس پر وہ نہیں لیتا
اک سہل سی قیمت پر ٹکرا ہے بہت تحفہ

ہم مر چکے پر اس نے دل کی نہ خبر پوچھی
ہم کو بھی ملا ہے یاں دلدار بہت تحفہ

ہاشمی

میر ہاشمی

○

مرا سو بار اس تک نامۂ پُر آرزو پہنچا
پہ اُدھر سے جواب صاف پہنچا جب کبھو پہنچا

کیا افشا تمہیں نے رازِ عشق اے دیدۂ گریاں
پہ گریۂ علق ورنہ کس طرح بے گفت نگو پہنچا!

دماغ آشفتہ ہوتا ہے صبا! نکہت سے سنبل کی
مشامِ آرزو میں نرگسی کاکل کی بو پہنچا

ابھی چھوٹا ہے موجِ اشک کی زنجیر سے قمری
نہ پھر گوشِ دلِ دیوانہ تک آوازِ ہو پہنچا

یہ دعوے سب کے باطل محکمے میں ہاشمی ہوں گے
اگر حاکم تلک وہ شوخ بارِ دعوے نکو پہنچے

ہجر

نواب ناظم علی خاں شاہجہانپوری

○

دیکھا انہیں تو اپنی طبیعت سنبھل گئی
آنکھوں میں ہو کے دل کی تمنا نکل گئی

میں اور تم سے وصل کی خواہش، خفا نہ ہو
اک بات بیخودی میں زباں سے نکل گئی

تم نے کرم کیا، یہ تمہارا کرم ہوا
تم نے نکال دی، مری حسرت نکل گئی

انصافِ جورِ یار ہمیں ہو، تو خوب ہے
پھر لطف کیا، جو بات قیامت پہ ٹل گئی

یا کوئی جان بوجھ کے انجان بن گیا
یا پھر یہی ہوا، مری صورت بدل گئی

اگلا سا میں نہیں ہوں کہ تم؟ لو تمہیں کہو
کس کا مزاج، کس کی طبیعت بدل گئی

شرما کے پوچھنا وہ کسی کا شبِ وصال
اے ہجر! اب تو دل کی تمنا نکل گئی؟

ہوس

نواب مرزا محمد تقی

○

یہی کہتی تھی لیلیٰ پردہ نشیں، نہیں کھاتی ادب سے خدا کی قسم
غم قیس سوا مجھے کچھ نہیں غم، اسی کشتۂ ناز و ادا کی قسم

دکھا پایا جو لیلیٰ نے مجنوں کا جی، کہا کیوں تو خفا ہوئے سرو سہی
کہ نہ میں نے کسی سنگ بات بھی کی، مجھے میری ہی شرم و حیا کی قسم

مرے گریہ سے جاتے ہے صبر و سکوں، مرے اشکوں سے ٹپکے ہے قطرۂ خوں
اسے چین نہیں مجھے پیارے کہوں، مجھے اس تیری مہر و وفا کی قسم

شب ہجر میں اشکوں کا خون بہا، اسے دیکھ کے رنگ شفق کا اڑا
نہیں اس میں مبالغہ ایک ذرا، مجھے تیرے ہی رنگ حنا کی قسم

ترے کشتۂ غم کا ہے حال بتر، یہی کہیو جو جانا ہو تیرا ادھر
تجھے قاصد مرغ نسیم سحر، شب ہجر کی میری بکا کی قسم

کبھی کہتا تھا قیس غزالوں سے جا، کہو ناقہ ادھر سے کدھر کو گیا
کبھی کہتا تھا تو ہی بتا دے صبا، تجھے لیلیٰ کی زلف دوتا کی قسم

کبھی ساغر وصل نہ میں نے پیا، کبھی چاک جگر کو نہ میں نے سیا
غم و رنج و تعب کو عزیز کیا، مجھے عشق کے جور و جفا کی قسم

نہ تو پائی ہوس کبھی پھولوں کی بو، نہ تو بیٹھا ہوں میں کبھی بر لب جو
نہ تو بے کلی دل کی گئی ہے کبھو، مجھے پیارے کی اپنے وفا کی قسم


"میں جانتی ہوں
لکس ٹائلیٹ صابن آپ کی جلد
زیادہ دلکش بنائے گا"
— ثریا
ثریا کہتی ہیں "اس
خالص و سفید صابن کی دلفریب
خوشبو میری جلد میں بس جاتی ہے۔
آپ بھی اپنی جلد نہایت ملایم اور
خوبصورت بنانے کیلئے لکس
ٹائلیٹ صابن استعمال کیجیے"
لکس
ٹائلیٹ صابن
فلمی ستاروں کا
حسن بخش صابن
LUX
TOILET SOAP

ہری چند اختر

○

شباب آیا کسی بُت پر فدا ہونے کا وقت آیا
مری دنیا میں بندے کے خدا ہونے کا وقت آیا

اُسے دیکھا تو زاہد نے کہا ایمان کی یہ ہے
کہ اب انسان کو سجدہ روا ہونے کا وقت آیا

تکلّم کی خموشی کہہ رہی ہے حرفِ مطلب سے
کہ اشک آمیز نظروں سے ادا ہونے کا وقت آیا

ہمیں بھی آ پڑا ہے دوستوں سے کام کچھ یعنی
ہمارے دوستوں کے بے وفا ہونے کا وقت آیا

نویدِ سربلندی دی منجّم نے تو میں سمجھا
سگانِ دہر کے آگے دوتا ہونے کا وقت آیا

شعری بھوپالی

○

غضب ہے جستجوئے دل کا یہ انجام ہو جائے
کہ منزل دُور ہو اور راستے میں شام ہو جائے

وہی نالہ وہی نغمہ بس اک تفریقِ لفظی ہے
قفس کو منتشر کر دو نشیمن نام ہو جائے

تصدّق عصمتِ کونین اس مجذوبِ اُلفت پر
جو اُن کا غم چھپائے اور خود بدنام ہو جائے

یہ عالم ہو تو اُن کو بے حجابی کی ضرورت کیا
نقاب اُٹھنے نہ پائے اور جلوہ عام ہو جائے

یہ میرا فیصلہ ہے آپ میرے ہو نہیں سکتے
میں جب جانوں کہ یہ جذبہ مرا ناکام ہو جائے

ابھی تو دل میں ہلکی سی خلش محسوس ہوتی ہے
بہت ممکن ہے کل اس کا محبت نام ہو جائے

اسد ملتانی

رہیں نہ رند یہ واعظ کے بس کی بات نہیں
تمام شہر ہے دو چار دس کی بات نہیں

ہیں کچھ طیور فضائے چمن کے زندانی
فقط اسیریِ دام و قفس کی بات نہیں

نگاہ بھی نہیں اُٹھتی بلندیوں کی طرف
طلب کا ذکر نہیں دسترس کی بات نہیں

نگاہِ دوست سے ہوتی ہے دل کی نشو و نما
یہاں مقابلۂ برق و خس کی بات نہیں

عجب نہیں جو محبت ہو زندۂ جاوید
کہ عرضِ شوق نفس دو نفس کی بات نہیں

پسندِ خاطرِ اہلِ صفا ہے میری غزل
کہ اس میں کوئی ہوا و ہوس کی بات نہیں

اسد یہ کام ہے صد گونہ سینہ کاوی کا
حیات صرف شمارِ نفس کی بات نہیں

کشفی ملتانی

دل دل ہی رہے گا، گلِ تر ہو نہیں سکتا
خوں ہو کے بھی منظورِ نظر ہو نہیں سکتا

جو ظلم کیا، تو نے کیا بے جگری سے
ایسا تو کسی کا بھی جگر ہو نہیں سکتا

تھک تھک کے تری راہ میں یوں بیٹھ گیا ہوں
گویا کہ بس اب مجھ سے سفر ہو نہیں سکتا

اظہارِ محبت مرے آنسو ہی کریں گے
اظہار بہ اندازِ دگر ہو نہیں سکتا

ہر بوند لہو کی کبھی بنتی نہیں آنسو
جیسے کہ ہر اک قطرہ گہر ہو نہیں سکتا

یہ عہدِ جوانی بھی ہے کچھ ایسا زمانہ
بے بادۂ سرجوش بسر ہو نہیں سکتا

لے جائے گا یہ دل مجھے اُس بزم میں آخر
جس میں کہ صبا کا بھی گذر ہو نہیں سکتا

جب تک تری رحمت کا ہے کشفی کو سہارا
سچ یہ ہے گناہوں سے حذر ہو نہیں سکتا

عشرت رحمانی

دل ہی نہیں تو دل کے سہاروں کو کیا کروں
جب پاس تم نہیں تو بہاروں کو کیا کروں

جلووں سے جس کے چاند ستاروں میں تھی ضیا
اب وہ ہنسی نہیں تو ستاروں کو کیا کروں

تصویر اور تصورِ جاناں یہ سب فریب،
میں اُن سے دُور اُن کے نظاروں کو کیا کروں

وہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ رنگ و بُو
گذری ہوئی حسین بہاروں کو کیا کروں

خوابوں سے نور چھین لے اِس لئے خیالِ یار
تیرے بغیر ایسے اشاروں کو کیا کروں

دل ہے خزاں نصیب گلستاں ہے پُر بہار
عشرت بھلا میں ایسے نظاروں کو کیا کروں

شوکت تھانوی

ہو راہزن کی ہدایت کہ راہبر کے فریب
مری نگاہ نے کھائے نظر نظر کے فریب

یہ بتکدے یہ کلیسا، یہ مسجدیں یہ حرم
یہ سب فریب ہیں اور ایک سنگِ در کے فریب

سمجھ رہے تھے کہ اشکوں سے ہوگا دل ہلکا
نہ جانتے تھے کہ ہیں یہ بھی چشمِ تر کے فریب

پتہ چلا کہ ہر اک گام پر تھی اک منزل
ملے ہیں منزلِ مقصود پر سفر کے فریب

اِن ہی کا نام محبت اِن ہی کا نام جنوں
مری نگاہ کے دھوکے تری نظر کے فریب

وحید قریشی

○

بطرزِ میرؔ

غم کے ہاتھوں (شکرِ خدا ہے) عشق کا چرچا عام نہیں
گلی گلی پتھر پڑتے ہوں ہم ایسے بدنام نہیں

وہ بھی کیا دن تھے جن روز دل بے فکری میں سوتے تھے
اب کیسی افتاد پڑی ہے چین نہیں آرام نہیں

دل کے لُٹتے ہی آنکھوں نے حیف یہ عالم دیکھ لیا
جلوہ سرِ رہ کوئی نہیں ہے کوئی بردۂ بام نہیں

جس کے اثر سے بے خود ہو کر اپنے تئیں ہم رسوا ہوں
موجۂ گل کے ہاتھوں میں ایسا کوئی جام نہیں

دل کا رونا، دل کا کھونا لاکھ عذابِ الیم سہی!
ہمت ہار کے بیٹھ ہی جائیں ہم ایسے ناکام نہیں

خلیل الرحمٰن اعظمی

○

بطرزِ میرؔ

گلی گلی کی ٹھوکر کھائی کب سے خوار و پریشاں ہیں
یاں اپنا ہی ہوش نہیں ہے کس کو چاہ کے ارماں ہیں

فرصت ہو تو آکر دیکھو ہم آوارہ گردوں کو
کتنے غبار ہیں اِن آنکھوں میں کتنے دل میں طوفاں ہیں

سر جو جھکا اس شوخ کے آگے اور کہیں پھر جھک نہ سکا
مسلکِ مہر و وفا میں واعظ ہم کافر بھی مسلماں ہیں

کچھ تو مداوا کرنا ہوگا اِس آشفتہ مزاجی کا
اے غمِ جاناں اپنے پرائے سب ہی تجھ سے نالاں ہیں

وادی و صحرا چھوڑ کے جب سے تیرے شہر میں آن بسے
جنگل جنگل ڈھونڈتے پھرتے ہم کو سارے غزالاں ہیں

ہم نے اپنی طرف سے خوباں کب تم کو بدنام کیا
تم نے جو جو داغ دیئے ہیں وہ چھاتی پہ نمایاں ہیں

اہلِ زمانہ کو بس میری اک رسوائی یاد رہی
ورنہ میری وفا کے جانے کتنے اور بھی عنواں ہیں

ڈر نہ رہا کچھ موجِ بلا کا رُخ بھی پھرا دنیا کی ہوا کا
رونا کیا ہے دکھ ساگر کا، اس کے ہم پہ احساں ہیں

خیر سے اب کے اہلِ ستم کو دیوانوں سے کام پڑا ہے
دیکھیں کتنی زنجیریں ہیں دیکھیں کتنے زنداں ہیں

جو پامالِ خزاں ہیں اک دن خاکِ چمن سے پھر اٹھیں گے
اُن کا حشر نہ جانے کیا ہو جو مقتولِ بہاراں ہیں

اک اک بوند جلی ہے لہو کی تب جا کر یہ رات کٹی
تیرے لئے اے صبحِ طرب ہم کب سے چاک گریباں ہیں

میرؔ کا طرز اپنایا ہے لیکن یہ انداز کہاں
اعظمی صاحب آپ کی غزلیں سن سن کر سب حیراں ہیں

شاد

نریش کمار

شام وعدہ کا ڈھل گیا سایا
آنے والا ابھی نہیں آیا

زندگی کے غموں کو اپنا کر
ہم نے در اصل تجھ کو اپنایا

جستجو ہی دلوں کی منزل تھی
ہم نے کھو کر تجھے ، تجھے پایا

زندگی نام ہے جدائی کا
آپ آئے تو مجھ کو یاد آیا

ہم نے تیری جفا کے پردے میں
خود بھی دل پر بہت ستم ڈھایا

زندگی سے تو خیر شکوہ تھا
مدتوں موت نے بھی ترسایا

شاد اہل طرب کو بھی اکثر
تیری افسردگی پہ پیار آیا

حزیں

شعیب احمد

یوں غرق تھا ان جلووں میں حزیں نظریں بھی اٹھانا بھول گیا
خود عینِ فسانہ بن تو گیا ، عنوانِ فسانہ بھول گیا

مانا وہ نگاہیں بجلی تھیں ، مانا وہ تبسم شعلہ تھا
دل برق کی زد پہ خود آیا ، یہ بات زمانہ بھول گیا

وہ برق گرانے والا بھی خود اس کی تلافی کر نہ سکا
دامن کی ہوائیں کیا کرتیں دل ہوش میں آنا بھول گیا

ہونٹوں پہ تبسم کی بجلی ، آنکھوں میں تجلی کے طوفاں
اس طرح وہ آئے محفل میں ، میں نظریں جھکانا بھول گیا

نخشب جارچوی

کوئی کس طرح رازِ الفت چھپائے
نگاہیں ملیں اور قدم ڈگمگائے

وہ مجبوریوں پر مری مسکرائے
یہاں تک تو پہنچے یہاں تک تو آئے

محبت میں کچھ اتفاقات بھی تھے
کہ جو میری تقدیر بننے نہ پائے

ترا غم بھلا کیا چھپانے سے چھپتا
بہت اشک روکے بہت مسکرائے

وہ اس طرح میرے برابر سے گذرے
ادائیں سنبھالے نگاہیں جھکائے

زمانے کے جور و ستم توبہ توبہ
کہ اکثر تو مجھ کو نہ تم یاد آئے

ترے روبرو گر نظر مطمئن ہو
تو سینے میں دل بھی دھڑکنے نہ پائے

ہیں اس اعتبارِ نظر کے تصدق
نہ بیگانہ سمجھے نہ اپنا بنائے

یہی تو جوابِ شکایت تھا نخشب
مرے شعر اُس نے مجھی کو سنائے

کیف
حکیم ہاشم جان

منزل ہے سفر میں مری، یا میں ہوں سفر میں
اتنا بھی نہیں ہوش تری راہ گزر میں!

حسرت ہے اب اتنی دلِ شوریدہ اثر میں
مَیں اُن کی نظر میں رہوں وہ میری نظر میں

کیا کیا نہ دکھائی تری رفتار نے شوخی
پس پس گئے فتنے بھی تری راہ گزر میں

تم چھپ نہیں سکتے، کہیں تم جا نہیں سکتے
تم میرے تخیل میں ہو، تم میری نظر میں

ہر قافلے والے سے نہ تھی رسم بڑھائی
ملتا تھا مسافر کی طرح کیف سفر میں

حمید نسیم

محبت جادہ ہے منزل نہیں ہے
یہ مشکل آخری مشکل نہیں ہے

دلِ رہرو میں ہیں کچھ اور خطرے
خیالِ دوریٔ منزل نہیں ہے

خرد باطل خرد پر ناز باطل
مگر میرا جنوں باطل نہیں ہے

یہ دل بے مہر بھی ہے بے وفا بھی
نہیں یہ دل تو میرا دل نہیں ہے

ڈراتا ہے مجھے یوں خندۂ برق
مجھے اندیشۂ حاصل نہیں ہے

میں سب کچھ جانتا ہوں اپنا انجام
مگر اظہار کے قابل نہیں ہے

میانِ نہرِ دریا ہے سفینہ،
نہیں ہے ناخدا ساحل نہیں ہے

جہاں مہر و وفا نادانیاں ہیں
یہ دنیا عشق کے قابل نہیں ہے

یہ ہے مرحوم امیدوں کا مدفن
کبھی دل تھا مگر اب دل نہیں ہے

تابش دہلوی

ہوگا سکوں بھی ہوتے ہوتے
سو جاؤں گا روتے روتے

آخر دل ہے ٹھہر جائے گا
شام و سحر کے ہوتے ہوتے

وحشت ناک ہے خوابِ ہستی
چونک پڑا ہوں سوتے سوتے

داغِ دل اشکوں سے مٹے گا
دھلتے دھلتے دھوتے دھوتے

آپ سے آپ تیرے دیوانے
ہنس بھی دئے ہیں روتے روتے

تابش کٹ ہی جائے گی رات
کچھ موتی سے پڑتے پروتے

اختر ہوشیارپوری

پھر ابر برس کے کھل گیا ہے
میخانے کا چہرہ دھل گیا ہے

ان گالوں میں عکس ہے شفق کا
یا رنگ نظر میں گھل گیا ہے

ہشیار غمِ جہاں، ادھر سے
اک پیکرِ کیف ڈل گیا ہے

یہ تیرے بدن کی کسمساہٹ
پھولوں میں زمانہ تل گیا ہے

اُف تیری نظر کی مے فشانی
دامانِ حیات دھل گیا ہے

امسال تو دُود دُور اختر
افسانۂ بوئے گل گیا ہے!

اقبال صفی پوری

گزر گئی جو چمن پر وہ کوئی کیا جانے
چھڑے ہوئے ہیں بہار و خزاں کے افسانے

جہاں پہ چاک گریباں بھی چاک دل بن جائے
گزر رہے ہیں اب اُن منزلوں سے دیوانے

مرے لبوں کا تبسم تو سب نے دیکھ لیا
جو دل پہ بیت رہی ہے وہ کوئی کیا جانے

ترے حضور جنھیں کہہ سکی نہ گویائی!!
مرے سکوت نے دہرا دئے وہ افسانے

نگاہِ عشق میں دیر و حرم کی قید نہیں
کہیں بھی شمع جلے آ اڑ چلیں گے پروانے

تمام وسعتِ کونین کو ڈبو دیں گے!
چھلک گئے جو کہیں اس نظر کے پیمانے

نہ اشتیاقِ نظارہ، نہ اعتبارِ مجال!
ٹھہر گئی ہے کہاں زندگی خدا جانے

نہ شمع بزم پہ کچھ آنچ آئے گی اقبال
خود اپنی آگ میں جلتے رہیں گے پروانے

خاطر غزنوی

جب اس زلف کی بات چلی
ڈھلتے ڈھلتے رات ڈھلی

پھر بھی چٹکی پھر بھی ہنسی
دیکھ کے سب حالات کلی

شمع کا بھی انجام نہ پوچھ
پروانوں کے ساتھ جلی

اب کے بھی تم دور رہے
اب کے بھی برسات چلی

ان آنکھوں نے لوٹ کے بھی
اپنے اوپر بات نہ لی

خاطر یہ ہے بازیٔ دل
اس میں جیت سے مات بھلی

احمد فراز

ہم بھی خود دشمنِ جاں تھے پہلے
تم مگر دوست کہاں تھے پہلے

اب وہاں خاک اڑاتی ہے خزاں
پھول ہی پھول جہاں تھے پہلے

اب جو دیوار بنے بیٹھے ہیں
صورتِ موجِ رواں تھے پہلے

کچھ سرابی کہ ہیں اب راہ نشیں
رونقِ بزمِ جہاں تھے پہلے

ہم کہ ہیں آج غبارِ پسِ رہ
منزلِ ہم سفراں تھے پہلے

بن گیا قافلہ چلتے چلتے
ورنہ تنہا ہی رواں تھے پہلے

اب کسے وضعِ محبت کا خیال
اور ہی لوگ یہاں تھے پہلے

اب تو خود پر بھی نہیں زعمِ وفا
تم سے ہم شکوہ کناں تھے پہلے

دولتِ غم تو میسر تھی فراز
اتنے مفلس بھی کہاں تھے پہلے

فارغ بخاری

یہی ہے دورِ غمِ عاشقی تو کیا ہوگا
اسی طرح سے کٹی زندگی تو کیا ہوگا

ابھی تو ہم نفسوں کو ہے وہمِ چارہ گری
ہوئی نہ درد میں پھر بھی کمی تو کیا ہوگا

یہ تیرگی تو بہرحال چھٹ ہی جائے گی
نہ راس آئی ہمیں روشنی تو کیا ہوگا

امید ہے کہ کبھی تو لبوں پہ آئے گی
کبھی نہ آئی لبوں پر ہنسی تو کیا ہوگا

نفس نفس میں فغاں ہے نظر نظر میں ہراس
کچھ اور دن یہی حالت رہی تو کیا ہوگا؟

رضا ہمدانی

یہ دورِ مسرت یہ تیور تمہارے
ابھرنے سے پہلے نہ ڈوبیں ستارے

بھنور سے لڑو، تند لہروں سے الجھو
کہاں تک چلوگے کنارے کنارے

عجب چیز ہے یہ محبت کی بازی
جو ہارے وہ جیتے جو جیتے وہ ہارے

سیہ ناگنیں بن کے ڈستی ہیں کرنیں
کہاں کوئی یہ روزِ روشن گزارے

سفینے وہاں ڈوب کر ہی رہے ہیں
جہاں حوصلے ناخداؤں نے ہارے

کئی انقلابات آئے جہاں میں
مگر آج تک دن نہ بدلے ہمارے

رضا سیلِ نو کی خبر دے رہے ہیں
افق کو یہ چھوتے ہوئے تیز دھارے

سلیم واحد سلیم

روح کی شعلہ مزاجی کا مداوا کچھ تو ہو
دشتِ وحشت ہو کہ زندانِ تمنا کچھ تو ہو

کب تلک یونہی رہیں گے، اہلِ دل محرومِ دید
جرأتِ بیباک یا حسنِ تقاضا کچھ تو ہو

ایک سناٹے میں گم ہیں زندگی کی شورشیں
شورِ محشر یا سکوتِ حشر پیما کچھ تو ہو

اک کرن بھی تو نہیں غم کی اندھیری رات میں
کوئی جگنو، کوئی آنسو، کوئی تارا کچھ تو ہو

ہم تو دیوانے تھے بربادی مقدر میں رہی
ہوش والوں نے مگر اس در سے پایا کچھ تو ہو

صبح کے نغموں سے گونج اٹھے بیابانِ اُمید
دل اُٹھے یا سکوتِ شامِ صحرا کچھ تو ہو

ہم دلِ بیتاب کو بھی راہ پہ لاتے سلیم
دل مگر راہِ وفا میں بھولا بھٹکا کچھ تو ہو

احمد ظفر

آپ کہیں تو گلشن ہے
ورنہ دل اک مدفن ہے

کیسے یہ دن رات کٹیں
ایک مسلسل الجھن ہے

آگ لگی ہے سانسوں میں
ہائے یہ کیسا ساون ہے

اُن سے میری بات نہ پوچھ
اُن سے میری اَن بن ہے

پنچھی پنچھی سہم گیا
دوست یہ اچھا گلشن ہے

تاریکی مٹ جائے گی
مشعل مشعل روشن ہے

وقت کی ہر آواز ظفر
میرے دل کی دھڑکن ہے

ماہ لقا

چندا بی بی

تم مُنہ لگا کے غیروں کو مغرور مت کرو
لگ چلنا ایسے دلبوں سے دستور مت کرو

شمع بہا کے ہر گھڑی زاری نہیں ہے خوب
پروانۂ عشق ہے اسے مشہور مت کرو

ہر چند دل دُکھانا کسی کا بُرا ہے پر
رنجیدہ خاطروں کو تو رنجور مت کرو

اے ہمدمو جو مجھ سے ہے منظور اختلاط
جز ذکرِ یار تم کوئی مذکور مت کرو

روشن رکھو جہان میں مولا شاہِ ہند
چندا کے مُنہ سے نور کو تم دور مت کرو

شیشۂ دِل کو رہا ہوں تیرے ہات
چھوڑ یا ثابت ہو رکھ تو اپنے سات

کعبۂ دل ہی سمجھ کر اپنا گھر
اے بتِ نا مہرباں رہ اِک رات

انتظار آخر ہُوا اے گلعذار
غنچۂ لب سے نہ کی پر تُونے بات

دو ہی دن ملنے میں تم گھبرا گئے
پھر خدا ہی جانے کب ہو ایسی گھات

روبرو چندا کے ہووے کیا عجب
مشتری و زہرہ و پرویں کو مات

ادا جعفری (بدایونی)

فریب کاریٔ تمثیل پر جو اترائے
اب ایسے سرکش و ناداں کو کون سمجھائے

ہزار غنچوں نے چاہا الگ نکہتیں پہنا
جو کوئی شوخ کرن آپ ہی الجھ جائے

گرہ کشائیٔ شبنم کی داد کیا دیں دل
ہنسی کے ساتھ ہی آنکھوں میں اشک بھر آئے

نگاہِ قہر کی گرمی کی تاب کیا لاتے
نگاہِ مہر کی شوخی سے بھی جو گھبرائے

تری نگاہ کی حیرانیوں کے افسانے
مری نگاہ کی نادانیوں نے سلجھائے

ڈھلکے ڈھلکے آنسو ڈھلکے　　چھلکے چھلکے ساغر چھلکے
دل سے تقاضے ان کے اشارے　　بوجھل بوجھل ہلکے ہلکے
دیکھو دیکھو دامن الجھا　　ٹھہرو ٹھہرو ساغر چھلکے
ان کا تغافل ان کی توجہ　　اک دل اس پر لاکھ تہلکے
ان کی تمنا ان کی محبت　　دیکھو سنبھل کے دیکھو سنبھل کے
غم نے اٹھائے سینکڑوں طوفاں　　دل نے بسائے لاکھ محلّے
پل میں ہنساؤ پل میں رلاؤ　　پل میں اجالے پل میں دھندلکے
ہم نے سمجھا تم نے نہ جانا　　دل نے مچائے لاکھ تہلکے
لاکھ منایا لاکھ بھلایا　　نین کٹورے بھر بھر چھلکے
کتنے الجھے کتنے سیدھے　　رستے ان کے رنگ محل کے

کڑیاں جھیلیں پاپڑ بیلے
جھلکے اب تو مکھڑا اجل کے

زہرہ نگاہ

○

صبر و ضبط کے لیے کیسے بے شمار نذرانے
تیری یاد آئی تھی، آج مجھ کو سمجھانے

پا گئے ہیں منزل کو خود بخود ہی دیوانے
عقل کے دوراہے پہ کھو گئے ہیں فرزانے

تم نے بات کہہ ڈالی کوئی بھی نہ پہچانا
ہم نے بات سوچی تھی بن گئے ہیں افسانے

ان نئی بہاروں پر ان نئے نظاروں پہ
ایک رند ہی کیا ہیں، رو رہے ہیں میخانے

ہائے کیا مصیبت ہے ہائے کیا قیامت ہے
ہم ہی کھا گئے دھوکہ، ہم چلے تھے سمجھانے

○

خوش جو آئے تھے پشیمان گئے
اے تغافل تجھے پہچان گئے

خوب ہے صاحبِ محفل کی ادا
کوئی بولا تو بُرا مان گئے

کوئی دھڑکن ہے نہ آنسو نہ اُمنگ
وقت کے ساتھ یہ طوفان گئے

اس کو سمجھے کہ نہ سمجھے لیکن
گردشِ دہر تجھے جان گئے

تیری ایک ایک ادا پہچانی
اپنی ایک ایک خطا مان گئے

اس جگہ عقل نے دھوکا کھایا
جس جگہ دل ترے فرمان گئے

اختر

نواب اختر محل

اک آہِ شعلہ بار سے دل کو جلا دیا
لو آج ہم نے اس کا بھی جھگڑا مٹا دیا

لکھ کر جو میرا نام زمیں پر مٹا دیا
ان کا تھا کھیل، خاک میں ہم کو ملا دیا

خط اس کے نامہ بر سے جو ٹکڑے اڑا دیا
غیروں نے آج ان کے تئیں کچھ پڑھا دیا

تقصیرِ یار کی، نہ قصورِ عدو ہے کچھ
اختر ہمارے دل ہی نے ہم کو جلا دیا

شیریں

نواب شاہجہان بیگم والیۂ بھوپال

خالق ہے خدا نے سحر و شام ہمارا
مشہور اسی نے یہ کیا نام ہمارا

پیدا ہوئے ہم اُمتِ محبوبِ خدا میں
برتر نہ ہو کیوں رتبۂ اسلام ہمارا

ہم کرتے ہیں حج کوچۂ دلدار کا اپنے
ہے چادرِ تن جامۂ احرام ہمارا

فرقت میں تری ساتھ دیا اپنا اسی نے
کام آیا بہت یہ دلِ ناکام ہمارا

پہلی سی رکاوٹ نہیں اب ہر نظرِ لطف
آغاز سے بہتر ہوا انجام ہمارا

کافر کیا مجھ کو، تری اس زلف نے کافر
اس لام نے کھویا ترے اسلام ہمارا

دنیا میں بڑا شور ہے شکر شکنی کا
شیریں جو تخلص میں ہوا نام ہمارا

نزاکت

بسکہ رہتا ہے یار آنکھوں میں
بے نظر بے قرار آنکھوں میں

محفلِ گل رخاں میں وہ گل رُو
لے گیا دل ہزار آنکھوں میں

سرمۂ خاکِ پا عنایت ہو
آ گیا ہے غبار آنکھوں میں

یاد آئے کمر جو گلشن میں
ہو رگِ گل بھی خار آنکھوں میں

عالم

نواب بادشاہ محل

مجھ سے آزردہ، میرا یار ہے آج
صبر کیسا، کسے قرار ہے آج

گل تو ہنس ہنس کے کر رہے تھے کلام
باتیں کرنے میں مجھ سے عار ہے آج

ساقیا! کس کا جامِ عشق پیا
چشم بد دور! کیا خمار ہے آج

نہیں ثابت کہ کیا ہوا دل کو
مثلِ سیماب، بے قرار ہے آج

جلد آ، اے عزیزِ مصر جمال!
تیرا عالم کو انتظار ہے آج

مشتری

قمر جان لکھنوی

مے ہے، گلزار ہے، ساقی ہے، گھٹا چھائی ہے
کہہ دو توبہ شکنوں سے کہ بہار آئی ہے

کیا بلا عشق ہے، جیتی ہوں تو بدنام ہوں میں
جان دیتی ہوں تو اس شوخ کی رسوائی ہے

کیا جنوں خیز ہے اس کے گلِ عارض کی بہار
کہ جسے دیکھیے خود رفتہ ہے، سودائی ہے

لی خبر اپنے مریضِ شبِ غم کی نہ کبھی
بس انہی باتوں پہ دعوائے مسیحائی ہے

شبِ فرقت کے جو اے مشتری جاگے تھے ہم
کیا تہِ خنجرِ قاتل ہمیں نیند آئی ہے

زہرہ

امراؤ جان لکھنوی

حوصلہ آپ کی جفا کا ہے
یہ نتیجہ مری وفا کا ہے

زلف کھولے ہوئے وہ آتا ہے
سامنا آج کس بلا کا ہے

اپنے مطلب کے آشنا سب ہیں
آشنا کون آشنا کا ہے

شیخ نے کعبہ، برہمن نے دیر
درِ میخانہ ہم نے تاکا ہے

کیا کرے رہ کے منہ میں زہرہ
عزم بالجزم کربلا کا ہے

نازک

زینت بیگم

کرم میں کوئی سکے، کوئی در پہ مرے ہے
انصاف بھی کچھ ہے، تو یہ کیا ظلم کرے ہے

موجود ہے ہر آن جو نزدیک ہمارے
وہ وہم و گماں سے بھی حقیقت میں پرے ہے

ہے نالہ و زاری کا مرے شور فلک تک
پر وہ بتِ مغرور کوئی کان دھرے ہے

یاد آتی ہے ان آنکھوں میں آمدہ نشہ کی
ساقی مئے گل رنگ سے جب جام بھرے ہے

غش میں مجھے کل دیکھ کے، وہ ڈر کے یہ بولا
بس ہوش میں آ، کیوں مجھے بدنام کرے ہے

پیغامِ اجل چاہ ہے اُس بت کی، و لیکن
کب عاشقِ جاں باختہ مرنے سے ڈرے ہے

جاتے تمہیں ٹک دیکھا، تو آنکھیں نہ لگا لو،
منظور رہیں تو نظرے خوش گزرے ہے

نازک سفر دور کو گر یاوہ سدھارا
گرمِ طلب شوق کے نزدیک ورے ہے

موتی

موتی جان

گلابی روبرو ہے اور ہم ہیں
بس اب جام و سبو ہے اور ہم ہیں

سیا گر تو نے چاکِ جیب ناصح!
تو پھر تارِ رفو ہے اور ہم ہیں

بلا سے گو نہ ہووے دل کو واشد
ہجومِ یاس تو ہے اور ہم ہیں

شبِ مہتاب میں ناصح ساقی
خیالِ ماہ رو ہے اور ہم ہیں

یہ کیا جی میں لہر آئی کہ موتی
کنارِ آبِ جو ہے اور ہم ہیں

شیریں

○

سنتا ہے کون کس سے کہوں ماجرائے دل
بہتر یہ ہے، کسی سے نہ کوئی لگائے دل

کیوں کر رہیں حواس، جو قابو سے جائے دل
اے کاش! موت آئے، کسی پر نہ آئے دل

باتیں وہ دل فریب، ادائیں وہ دل رُبا
ایسے پری جمال پہ کیوں کر نہ آئے دل

بے مہر و بے مروت و نا آشنا ہو تم
تم سے خدا کرے نہ کوئی بھی لگائے دل

شیریں کا یہ کلام ہے، ہر وقت ہر گھڑی
جس کو خدا خراب کرے وہ لگائے دل

لطیف

محمدی جان صاحبہ لکھنوی

○

آیا جمال یار کا جلوہ نظر کہاں
نخلِ مراد نے ابھی پایا ثمر کہاں

کرتے ہیں سیر عالمِ لاہوت کی بشر
ہوتا ہے منّت فلک کا دیکھو گزر کہاں

عاشق نے تیرے چھان لی دیر و حرم کی خاک
اب اور تجھ کو ڈھونڈے وہ اے سیم بر کہاں

پوچھوں میں کس سے؟ آہ! کدھر جاؤں میں لطیف
ملتی ہے رفتگانِ عدم کی خبر کہاں

شباب

حسین باندی بنارسی

○

مے کشی کا لطف تنہائی میں کیا، کچھ بھی نہیں
یار پہلو میں نہ ہو جب تک مزا کچھ بھی نہیں

تم رہو پہلو میں میرے، میں تمہیں دیکھا کروں
حسرتِ دل اے صنم! اس کے سوا کچھ بھی نہیں

حسرتِ دل کی بدولت میری رسوائی ہوئی
اس کا شکوہ آپ سے اے دل رُبا کچھ بھی نہیں

قسمت بد دیکھیے، پوچھا جو اس نے حالِ دل
باندھ کے ہاتھوں کو میں نے کہہ دیا، کچھ بھی نہیں

آپ ہی تو چھیڑ کر پوچھا ہمارا حالِ دل
بولے پھر منہ پھیر کے، ہم نے سُنا کچھ بھی نہیں

کوچۂ الفت میں انساں دیکھ کر رکھے قدم
ابتدا اچھی ہے اس کی، انتہا کچھ بھی نہیں

دِلبر

امراؤ جان

○

سوجھی ہے کتنی دُور کی مجھ کو خمار میں
بنت العنب کو پھر میں بٹھاؤں کنار میں

ہم لاکھ چاہتے ہیں نہ اس شوخ سے ملیں
پر کیا کریں کہ دل ہی نہیں اختیار میں

اللہ رے شوق کوچۂ قاتل کہ بعدِ مرگ
اُڑ کر مرا غبار گیا کوئے یار میں

تم آ گئے تو از سرِ نو زندگی ہوئی
باقی نہیں تھی جان مرے جسمِ زار میں

دِلبر کر کے کربلا میں بلا لیجئے حسینؑ
گھیرا ہے آفتوں نے بہت اس دیار میں

نورجہاں ناز

○

ملے نیم جاں کا آج بھی جھگڑا نہ ہو سکا
تجھ سے ستم بھی اے ستم آرا نہ ہو سکا

جب دردِ دل کا تم سے مداوا نہ ہو سکا
پھر کچھ بھی تم سے حضرتِ عیسیٰؑ نہ ہو سکا

اللہ رے روانیٔ چشمِ شبِ فراق
یوں تیز رَو کبھی کوئی دریا نہ ہو سکا

اندھیر ہے کہ موت بھی معشوق بن گئی
ہر چند چاہا رات کو مرنا نہ ہو سکا

کس وقت بہرِ پرسشِ بیمار آئے وہ
جب آنکھ سے بھی اپنی اشارا نہ ہو سکا

شوخ

شہزادی جان اکبرآبادی

○

تمہارے گیسو و رُخ پہ نثار ہم بھی ہیں
اسی خیال میں لیل و نہار ہم بھی ہیں

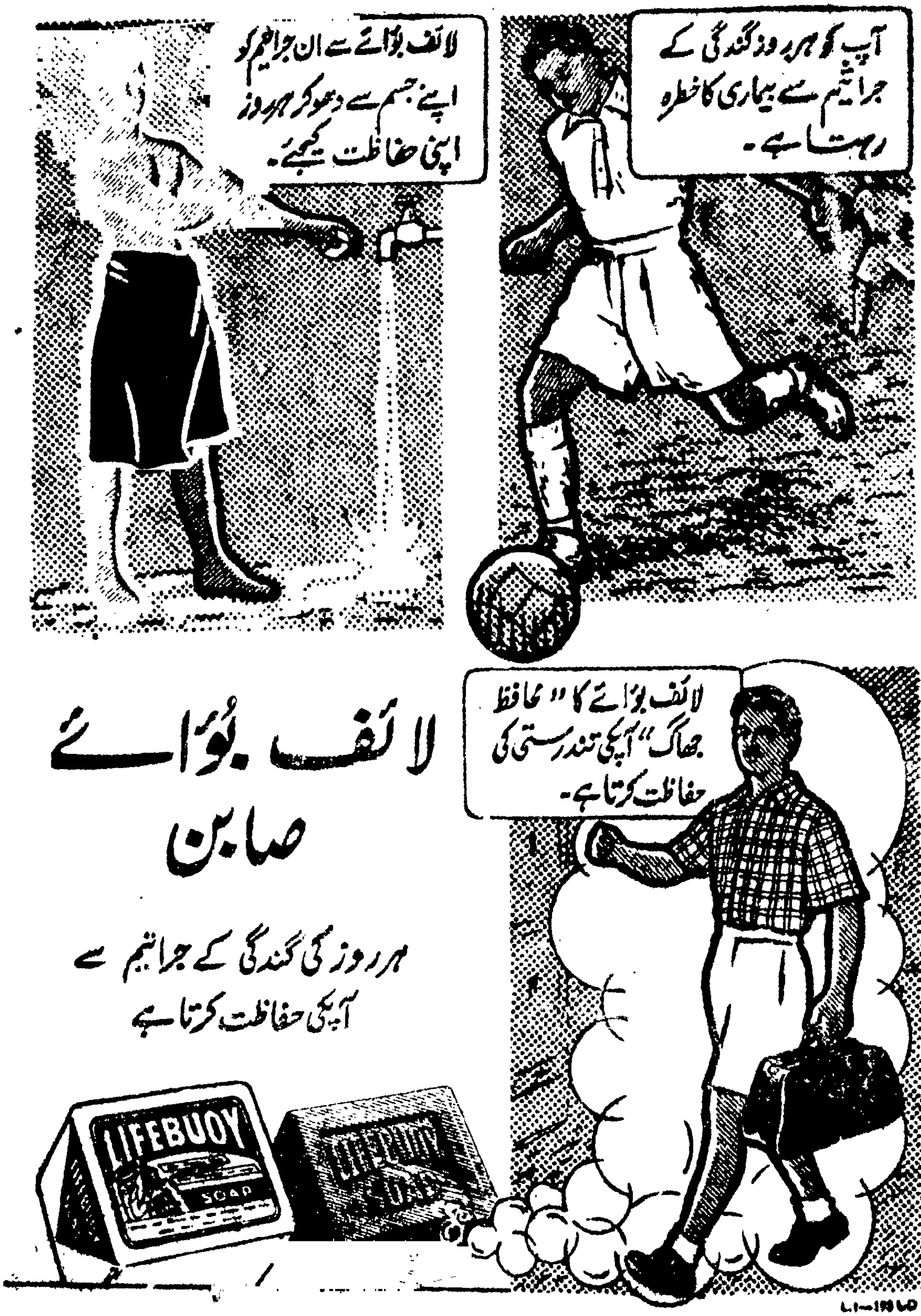
جو دیکھا جانبِ غیر اس نے دل پکار اٹھا
نگاہِ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں

فِدا ہیں آپ تو حورانِ خلد پہ واعظ
بتانِ ہند پہ دل سے نثار ہم بھی ہیں

خود اپنے ہاتھ سے تعزیر آپ دیں ہم کو
خطا معاف ہو! تقصیر وار ہم بھی ہیں

تمہارے ساتھ ہمیں بھی ہے ایک نسبتِ خاص
جو آپ شوخ ہیں تو بے قرار ہم بھی ہیں


ڈالڈا سے میرے بیٹے کی کھوئی ہوئی قوت واپس آگئی!
یہ اس کے بھوک نہ لگنے کا نتیجہ ہے۔ کھانا چھوتا تک نہیں۔
ڈالڈا سے پکائیے۔ اسی سے اس کی قوت بڑھیگی۔
جی ہاں۔ مجھ میں اتنا دم ہی نہ تھا کہ میں کھیل کے گول میں بال مار دیتا
ہم جیت گئے۔ ماں کے حیرت انگیز کھانوں کی بدولت
تمہارا مطلب حیرت انگیز ڈالڈا!
کیا ڈالڈا سے کھوئی ہوئی قوت
جی ہاں۔ ڈالڈا وہ چکنائی فراہم کرتا ہے جس کا ہر ایک کے کھانے میں ہونا ضروری ہے
ڈالڈا نہایت قوت بخش اور خالص ترین چکنائی ہے جو آپ خرید سکتے ہیں!
بیشک۔ یہی وہ قوت بخش ڈالڈا ہے جس کا آپ کی روزانہ غذا میں شامل ہونا ضروری ہے۔ ہر بند ڈبہ میں صاف و تازہ ڈالڈا کھانے کی لذت میں چار چاند لگا دیتا ہے۔ ڈالڈا استعمال کیجئے اور کھانے کے اوقات کو پُر لطف بنائیے۔ یہ نہایت کم خرچ بھی ہے۔
ڈالڈا وناسپتی صرف ایک ہے اور تاڑ کا درخت اس کا نشان ہے۔
DALDA
VANASPATI
ڈالڈا
ڈالڈا وناسپتی


آپ کو ہر روز گندگی کے
جراثیم سے بیماری کا خطرہ
رہتا ہے۔
لائف بوائے سے ان جراثیم کو
اپنے جسم سے دھو کر ہر روز
اپنی حفاظت کیجئے۔
لائف بوائے کا "محافظ
جھاگ" آپکی تندرستی کی
حفاظت کرتا ہے۔
لائف بوائے
صابن
ہر روز کی گندگی کے جراثیم سے
آپکی حفاظت کرتا ہے
LIFEBUOY
SOAP

شعرائے کے مختصر حالات

ڈاکٹر وحید قریشی

ولی ۔ نام محمد ولی اللہ ۔ تخلص ولی ۔ ان کے والد محمد شریف کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں ۔ ولی بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے ۔ ان کے وطن کے بارے میں اختلاف ہے ۔ بعض کے نزدیک اورنگ آباد اور بعض کے نزدیک احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے ۔ موخر الذکر بیان صحیح ہے ۔ ولی کی تربیت احمد آباد ہی میں ہوئی ۔ جہاں انہوں نے شیخ نور الدین سہروردی سے اکتساب کیا ۔ شاعری میں سعد اللہ گلشن کے شاگرد تھے ۔ ۱۱۱۲ھ کے قریب دکن کا سفر کیا ۔ کم و بیش اسی زمانے میں دہلی میں بھی آئے تھے ۔ بعض مورخوں نے محمد شاہ کے زمانے میں ان کا دہلی آنا لکھا ہے جو درست نہیں ۔ اس لئے کہ اس سے بہت پہلے ۱۲ شعبان المعظم ۱۱۱۹ھ کو بوقتِ عصر ولی وفات پا چکے تھے ۔ (ماخوذ از ولی گجراتی ۔ ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی)

تصانیف : (۱) کلیاتِ ولی ۔ انجمن ترقی اردو کی طرف سے دوبار چھپ چکا ہے ۔ پہلی اشاعت کے مرتب احسن مارہروی تھے ۔ یہ اشاعت ناقص ہے دوسری اشاعت کے متن کو ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی نے ترتیب دیا ۔ یہی ایڈیشن اچھا ہے ۔ (۲) رسالہ نور المعرفت ۔ مرتب ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی ۔ ولی پر اب تک تین کتابیں مکمل چکی ہیں ۔ (۱) نذرِ ولی ۔ طالبات جامعہ عثمانیہ دکن ۔ (۲) رسالہ الموسیٰ (۱۹۲۷ء) ولی نمبر دکن ۔ (۳) ولی گجراتی (۱۹۵۰ء) ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی بمبئی ۔

سراج دکنی ۔ سید سراج الدین نام ۔ اورنگ آباد کے مشائخ سے تھے ۔ اپنے دواوین کا انتخاب ۲۴ برس کی عمر میں ۱۱۵۱ھ میں کیا جس سے حکیم شمس اللہ قادری یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ سراج ۱۱۲۷ھ میں پیدا ہوئے ۔ بقول ڈاکٹر محی الدین قادری زور پہلے فارسی میں شعر کہتے تھے ۔ پھر فارسی چھوڑ کر اردو میں کہنے لگے ۔ ان کا دیوان دس ہزار اشعار پر مشتمل ہے ۔ مکمل کلیات پروفیسر عبد القادر سروری نے مرتب کر کے شائع کیا ۔ حیدر آباد سے سراج کے کلام کا انتخاب بھی عرصہ ہوا شائع ہوا تھا ۔ انہوں نے ۱۱۷۷ھ میں وفات پائی ۔ نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ پرگو شاعر تھے ۔ چار سال کے عرصے میں ضخیم دیوان مرتب کیا جس کے پانچ ہزار اشعار ہیں ۔ اردو کے علاوہ ان کا فارسی کا دیوان اور مثنوی بوستانِ خیال یادگار ہیں ۔ اپنے دیوان کا خود ہی انتخاب کیا تھا ۔

آبرو ۔ نجم الدین شاہ مبارک نام ۔ محمد غوث گوالیاری کی اولاد سے تھے ۔ بقول میر شروع جوانی میں دہلی آئے ۔ خان آرزو کے شاگرد تھے ۔ مجموعۂ نغز میں ہے کہ میر مکھن پاکباز کے فرزند سید شاہ کمال بخاری سے سر خوش داشتند " میر نے ان کے حال میں لکھا ہے " از چشم پوشی روزگار رجال شعار یک چشمش از کار رفتہ بود " محمد شاہ کے زمانہ حکومت میں وفات پائی ۔ ڈاکٹر زور " تاریخ ادب اردو " میں لکھتے ہیں " ان کے کلام کا پہلا اور اصل مجموعہ غدر کے ہنگامے میں تلف ہو گیا لیکن ایک چھوٹا مجموعہ جو غالباً بڑے کلیات کے انتخاب پر مشتمل ہے موجود ہے ۔ "

حاتم ۔ شیخ ظہور الدین نام ۔ حاتم تخلص ۔ شاہ حاتم عرف ۔ تاریخ پیدائش ظہور کے لفظ سے نکلتی ہے یعنی ۱۱۱۱ھ ۔ شروع میں سپاہ گری پیشہ تھا ۔ اصل کتاب کے کتنے کہے ہیں ہے کہ حاتم ، ناجی ، مضمون اور آبرو نے ایہام گوئی کی ابتدا کی اور اسی روش پر حاتم کا پورا دیوان ہے ۔ جب یہ طور بدلا اور سودا و میر کا دور دورہ ہوا تو حاتم نے نئی وضع اختیار کی ۔ پہلا دیوان ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی کے قول کے مطابق درانی تاخت و تاراج میں ضائع ہوا ۔ آخری عمر میں جو دیوان ترتیب دیا اس کا

حاتم کا دیوان زادہ اب تک قلمی صورت میں موجود ہے۔ فارسی میں بھی ایک دیوان ترتیب دیا تھا۔ مصحفی عقدِ ثریا میں لکھتے ہیں: رمضان کے مہینے میں ۱۱۹۷ھ کو وفات پائی۔ اس کے شاگردوں میں سودا اور تاباں قابلِ ذکر ہیں۔ میر نے اپنے تذکرے میں انہیں "مردے است جاہل و متمکن" کہا ہے۔

دیوان زادہ کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں موجود ہے۔ خصوصیت اس کی یہ ہے کہ تمام غزلوں کی بحر اور زمین درج ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر محی الدین قادری مدت سے حاتم پر کام کر رہے ہیں۔ حاتم کے حالات و کلام پر انہوں نے کچھ عرصہ ہوا ایک کتاب بھی شائع کی تھی۔

فغاں - مرزا اشرف علی خاں نام۔ فغاں تخلص۔ احمد شاہ بادشاہ کے رضاعی بھائی تھے اس لئے کم و بیش ۱۱۳۰ھ کے قریب پیدا ہوئے ہوں گے۔ اس نسبت سے کوکلتاش خان بہادر کہلائے۔ شاعری میں ندیم کے شاگرد تھے۔ دہلی چھوڑنے کے بعد کچھ عرصہ شجاع الدولہ والیِ اودھ کی ملازمت کی۔ مصحفی لکھتے ہیں کہ نواب نے ایک دن اختلاط میں چمچے سے ہاتھ جلا دیا۔ آزردہ ہو کے چلے گئے۔ آزاد نے مصحفی کے لفظ "دستش" کو "درخشش" پڑھا ہے اس سے یہ لکھ دیا ہے کپڑا جلا دیا۔ وہاں سے عظیم آباد چلے گئے۔ راجہ شتاب رائے کے ندیم ہوئے۔ بڑے بزلہ سنج اور لطیفہ گو تھے۔ احمد شاہ کے زمانۂ حکومت میں پنج ہزاری کا عہدہ پایا تھا۔

مولانا عرشی کی تحقیق کے مطابق ۱۱۸۶ھ میں وفات پائی اور عظیم آباد میں دفن ہوئے۔ دیوان فغاں سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب کے تحشیہ سے انجمن ترقی اردو نے ۱۹۵۰ء میں شائع کیا۔ ایڈیٹنگ میں زیادہ محنت نہیں کی گئی۔ البتہ حالات کی تحریر میں جاں کاوی سے کام لیا گیا ہے۔

بیدار - میر محمد علی نام میر محمدی عرف۔ بیدار تخلص۔ اکبر آباد کے سیدوں میں سے تھے۔ میر حسن نے ۱۱۷۴ھ کے قریب انہیں دہلی میں درویشی کے لباس میں دیکھا تھا۔ جناب جلیل احمد قدوائی کے بیان کے مطابق "میر تقی میر نے جب ان کے حالات لکھے، انہیں جوان لکھا ہے۔ اگر عمر بیس سال بھی فرض کی جائے تو اس حساب سے ۱۱۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔" مجموعۂ نغز میں ہے کہ آخر میں مولانا محمد فخر الدین سے مثالِ خلافت حاصل کی۔ مدت تک عرب سرائے میں رہے۔ بعد میں اکبر آباد چلے گئے۔ مصحفی کے قیام دہلی کے وقت (۱۱۸۶ھ تا ۱۱۹۸ھ) دہلی میں تھے۔ البتہ تذکرۂ ہندی لکھتے وقت تاریخ اختتام ۱۲۰۹ھ، بعد میں اضافے بھی کئے) اکبر آباد میں جا چکے تھے۔ دیوان بیدار جلیل احمد قدوائی صاحب نے مرتب کر کے ۱۹۳۶ء میں ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد سے شائع کرایا۔ اعلیٰ درجے کی ایڈیٹنگ ہے۔

میر - میر محمد تقی نام میر تخلص۔ بقولِ آسی ۱۱۳۵ھ کو آگرے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام میر علی متقی تھا۔ والد کی وفات کے بعد میر دہلی چلے آئے اور ۱۱۵۱ھ تک وہاں رہے۔ بعد میں دوبارہ آگرہ گئے اور دہلی واپس آ کر اپنے سوتیلے ماموں سراج الدین علی خاں آرزو کے ہاں قیام کیا۔ اس زمانے میں عشق کیا۔ خان آرزو سے بگاڑ ہو گیا اور تعلقات منقطع ہو گئے۔ میر لکھنؤ میں نواب سالار جنگ کی سفارش اور آصف الدولہ کے بلانے پر گئے۔ ڈاکٹر محمد الدین احمد کی تحقیقات کے مطابق میر ۱۶ محرم الحرام ۱۱۹۶ھ اور ۲۲ ربیع الاول ۱۱۹۶ھ کے درمیان دہلی چھوڑ کر لکھنؤ گئے۔ راہیِ دنیا۔ دسمبر ۱۹۴۰ء) میر کے آخری زمانے کا آنکھوں دیکھا حال قتیل کے ایک رقعے میں ہے جس کا ذکر آزاد نے آبِ حیات میں کیا ہے۔ نوے برس کی عمر میں میر نے لکھنؤ میں ۲۰ شعبان المعظم ۱۲۲۵ھ وقتِ شام وفات پائی۔

کلیاتِ میر، مرتب آسی۔ نولکشور پریس ۱۹۴۰ء میں بڑی محنت سے شائع کیا گیا۔ دو انتخاب بھی قابلِ ذکر ہیں۔ ایک مولوی عبدالحق صاحب کا جو سرسری ہے۔ دوسرا مرزا میر کے نام سے دو جلدوں میں اثر لکھنوی کا جو شرحی اعتبار سے بدرجہا بہتر ہے۔

اردو زبان میں میر پر سب سے پہلی کتاب ڈاکٹر آہ سیتاپوری کی فلسفۂ میر ہے۔

اردو کلیات کے علاوہ میر کا مجموعۂ مراثی ابھی پچھلے سال شائع ہوا۔ نثر میں مدت ہوئی انجمن ترقی اردو کی طرف سے ان کی خود نوشت سوانح عمری ذکرِ میر

کے نام سے شائع ہوئی۔ آخر کے بیشتر حصے مولوی عبدالحق صاحب نے چھوڑ دیے تھے۔ ان کا خلاصہ رسالہ آجکل میں ۱۹۴۳ء کے قریب شائع ہوا تھا۔ فیض میر فارسی نثر کا مختصر رسالہ مسعود حسن رضوی صاحب کے تہذیب و تحشیہ سے شائع ہوا۔ بعض ناقدین کو اس کے تصنیفِ میر ہونے میں شبہ ہے۔ فارسی دیوان قلمی غیر مطبوعہ ہے۔ اس پر ۱۹۲۸ء میں مولانا کیفی چڑیا کوٹی کا مقالہ رسالہ معارف میں شائع ہوا تھا۔

سودا ۔ محمد رفیع نام، سودا تخلص۔ شیخ چاند مولف "سودا" کی تحقیقات کے مطابق ۱۱۱۸ھ سے قبل پیدا ہوئے۔ حافظ محمود شیرانی نے اپنے ایک مقالے میں اسے غلط ثابت کیا ہے۔ ڈاکٹر ام الیث صدیقی سودا کی پیدائش ۱۱۰۰ھ سے قبل بتاتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ اغلب یہ ہے کہ ۱۱۲۵ھ یا ۱۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ زندگی کا خاصا حصہ دلی میں بسر کیا۔ ۱۱۷۰ھ کے قریب نواب احمد خاں بنگش کے پاس موجود تھے۔ ۱۱۸۳ھ اور ۱۱۸۵ھ کے درمیان فرخ آباد سے چلے اور فیض آباد میں آکر شجاع الدولہ کی سرکار میں ملازم ہوئے۔ یہاں ان کا میر حسن کے والد میر ضاحک سے جھگڑا ہوا۔ دونوں طرف سے ہجویں ہوئیں۔ میر حسن نے بھی سودا کے خلاف ایک ہجو لکھی۔ ضاحک کے خلاف سودا کی ہجویں مطبوعہ کلیات میں موجود ہیں اگرچہ پوری نہیں چھپیں۔ آصف الدولہ نے جب فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ آباد کیا یہ بھی وہیں چلے آئے اور ۴ رجب المرجب ۱۱۹۵ھ کو لکھنؤ میں وفات پائی۔ آسی مرحوم کا ترتیب دیا ہوا کلیات سودا نولکشور پریس کی طرف سے دو جلدوں میں چھپ چکا ہے۔ سودا کے حالات کے لئے چاند مرحوم کی کتاب "سودا" جسے انجمن ترقی اردو نے ۱۹۳۶ء میں شائع کیا، قابلِ ذکر ہے۔

درد ۔ خواجہ میر نام۔ درد تخلص۔ خواجہ ناصر عندلیب کے بڑے صاحبزادے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی خواجہ میر اثر انہیں کے شاگرد اور مثنوی خواب و خیال کے مصنف ہیں۔ درد کی شہرت اپنے بھائی سے زیادہ ہے۔ صاحبِ حال تھے۔ میر حسن نے اوائلِ حیات میں ان سے استفادہ کیا۔ ان کے ہاں ماہوار مشاعرے اور مجالس ہوا کرتی تھیں۔ جن میں میر اور مرزا بھی شریک ہوا کرتے اور دادِ سخن پاتے۔ عمر بھر گوشہ نشین رہے۔ تصوف کی بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں نالۂ درد، آہِ سرد، الکتاب وغیرہ ہیں۔ ایک دیوانِ غزلیات فارسی بھی مرتب کیا۔ اردو کا دیوان چھپ چکا ہے جس کا بہترین ایڈیشن ۱۹۲۹ء میں آسی نے مرتب کیا اور نولکشور پریس سے چھپ چکا ہے۔ خواجہ درد نے دلی میں ایک پہر رات گئے ۲۴ صفر ۱۱۹۹ھ کو جمعے کے دن وفات پائی۔ میر محمدی بیدار نے فارسی میں تاریخِ وفات کہی جو دستور الفصاحت (مرتبہ عرشی) کے حواشی میں موجود ہے۔

سوز ۔ میر محمد نام۔ سید تھے۔ پہلے میر تخلص کرتے تھے، پھر سوز کر لیا۔ زیادہ تر دلی میں رہے۔ آخری زمانے میں لکھنؤ چلے گئے۔ مبتلا کے بیان کے مطابق ۱۱۹۶ھ میں لکھنؤ میں موجود تھے۔ ۱۲۱۳ھ کو وفات پائی۔ جرأت نے تاریخِ وفات کہی ہے۔ دیوان قلمی موجود ہے۔

میر نے اپنے تذکرے میں ان کے حال میں لکھا ہے "از خوش کردنِ تخلص من نصف ولم اند خوش است۔"

قائم ۔ تذکرہ نگاروں نے مختلف طرح ان کا نام لکھا ہے۔ بعض نے قیام الدین، بعض نے محمد قائم۔ اور یہ اختلاف معاصرین میں بھی ہے۔ جناب عرشی لکھتے ہیں "چونکہ ان کے والد کا نام محمد ہاشم اور دادا کا نام محمد اکرم تھا اس لئے یہ نام محمد قائم ہی ہونا چاہئے۔" لیکن ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کا بیان صحیح ہے کہ خود قائم نے اپنے تذکرے میں اپنا نام محمد قیام الدین دیا ہے۔ چاند پور کے رہنے والے تھے۔ بدوِ شعور سے دلی میں آ رہے۔ پہلے ہدایت سے اصلاح لی۔ اس کے منکر ہوئے تو میر درد سے اصلاح لی۔ بعد کو سودا کے شاگرد ہو گئے۔ جن دنوں مصحفی نے ٹانڈے میں قیام کیا تھا، قائم بھی ان دنوں وہاں تھے۔ پھر لکھنؤ میں آئے۔ بعد کو رامپور چلے گئے جہاں وفات پائی۔ تذکرۂ ہندی کی تحریر کے وقت فوت ہو چکے تھے۔ ۱۲۰۸ھ میں وفات پائی تھی۔

دیوان ان کا قلمی ہے اور ابھی شائع نہیں ہوا۔ تذکرۂ شعراء (مخزنِ نکات) انجمن ترقی اردو کی طرف سے چھپ چکا ہے جس کے شروع میں مولوی

عبدالحق صاحب نے ان کا ایک انتخاب بھی دیا ہے۔

یقین ۔ انعام اللہ خان نام۔ یقین تخلص۔ مجدد الف ثانی کے خاندان میں سے تھے۔ مرزا مظہر جان جاناں کے شاگرد تھے۔ مبتلا نے یقین کو مظہر کا معشوق بھی لکھا ہے۔ یقین کے عین حیات ہی میں عام طور پر مشہور تھا کہ ان کا دیوان در اصل مظہر جان جاناں کا کہا ہوا ہے۔ ایہام گوئیوں میں پہلا شخص ہے جس نے صاف طرز کی شعر گوئی کی بنیاد رکھی۔ میر کا بیان ہے شعر فہم مطلق نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں " میاں شہاب الدین ثاقب .... نقل می کرد کہ من محض برائے امتحان بخانہ او رفتہ یک غزل طرح کردم۔ من غزل باتمام رسانیدم وا او مصرعے موزوں نشدہ ...... میاں محمد حسین کلیم قصیدہ گفتہ است۔ و مقام تمام شعرا را نقل کردہ، از آں جملہ ایشاں را نیز آوردہ لیکن بکنایہ خوبی کہ سخن فہم می فہمد و آں این است "

یقیں کے شعروں پر ہیں بدگماں بعضے کہ یہ اس کے نہیں
غلط ہے ہم نے بوجھا ہوگا مرزا صاحبِ جاناں کو

قدرت اللہ قائم کے خیال میں یہ بہتان ہے۔ شاید اپنے باپ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اس سلسلے میں میر حسن نے اپنے تذکرے میں ایک SCANDLE بھی لکھا ہے اور دبے لفظوں میں مبتلا نے اس کی تائید بھی کی ہے۔ ۱۱۶۹ھ میں عین جوانی کے عالم میں (عمر کوئی تیس سال) قتل کئے گئے۔

انجمن ترقی اردو نے فرحت اللہ بیگ سے مرتب کرا کر دیوان شائع کیا۔

تاباں ۔ میر عبدالحئی نام۔ تاباں تخلص۔ حاتم اسے اپنا شاگرد بتلاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ان سے بھی استفادہ کیا ہو۔ لیکن باقاعدہ شاگرد محمد علی حشمت کے تھے۔ تاباں کے حسن کی دھاک ہر طرف تھی۔ سب تذکرہ گویوں نے اس بات کا بطریقِ خاص ذکر کیا ہے۔ ابن یوسف ثانی نے کثرتِ شراب خوری سے عین جوانی میں ۱۱۶۱ھ میں وفات پائی (یہ محمد شاہ رنگیلے کا زمانہ تھا)

ان کا دیوان انجمن ترقی اردو کی طرف سے چھپ چکا ہے۔

اثر ۔ میر محمد نام۔ اثر تخلص۔ خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی اور انہی کے شاگرد اور مرید تھے۔ ان کی وفات پر سجادہ نشین ہوئے۔ مفصل حالات تذکروں میں نہیں ملتے۔ دو کتابیں ان سے یادگار ہیں۔ مثنوی خواب و خیال جسے انجمن ترقی اردو کی طرف سے مولوی عبدالحق صاحب نے شائع کیا۔ اور دیوانِ اثر بھی انجمن کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔

مصحفی ۔ غلام ہمدانی نام۔ مصحفی تخلص۔ تقریباً ۱۱۶۱ھ کو پیدا ہوئے۔ ۱۱۸۵ھ سے بارہ برس تک دہلی میں رہے۔ اگرچہ ۱۱۸۵ھ کے بعد ایک سال تک لکھنؤ میں بھی آئے۔ لکھنؤ میں دوسری بار ۱۱۹۸ھ میں آئے جہاں ان کا انشا سے جھگڑا بھی ہوا جو بقول امیر احمد علوی ۱۲۱۰ھ اور ۱۲۱۴ھ کے درمیانی زمانے کا واقعہ ہے۔ وفات لکھنؤ میں ۱۲۴۰ھ کو ہوئی۔ قاضی عبدالودود لکھتے ہیں کہ مصحفی کے شاگرد غلام اشرف افسر واشرف نے تاریخ وفات کہی تھی۔

مصحفی کی تصانیف میں تین تذکرے "تذکرۂ ہندی گویاں۔ ریاض الفصحا اور عقدِ ثریا مطبوعہ ہیں۔ رسالہ مجمع الفوائد غیر مطبوعہ ہے۔ نگار کے مصحفی نمبر میں مد بیاضوں کا ذکر مشیر احمد علوی نے کیا تھا۔ اسی سال ڈاکٹر معز الدین احمد نے نگار ہی میں ان پر مضمون لکھ کر دونوں بیاضوں کو مشیر صاحب کے دماغ کی اختراع بتایا ہے۔ بیشتر منظوم کلام غیر مطبوعہ ہے۔ حالات میں حیاتِ مصحفی (مسرور کاکوروی) اب تک امیر و امیر کا مرتب کردہ مجموعہ، افق اردو میں کا صحیفۂ مصحفی۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا مصحفی اور اس کا کلام۔ صارم کا "اردو کا سب سے بڑا شاعر اور محسن" اور حسرت کے انتخاب سخن میں ایک دو جز کا انتخاب۔ نیز نگار کے مصحفی نمبر (۱۹۳۹ء) میں بعض اشعار۔ یہی کل کائنات مطبوعہ ہے۔

میر حسن ۔ میر غلام حسن نام۔ حسن تخلص۔ میر ضاحک کے بیٹے تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے۔ ۱۱۶۹ھ اور ۱۱۸۱ھ کے درمیان

فیض آباد میں وارد ہوئے۔ دہلی میں جن لوگوں سے استفادہ کیا ان میں میر درد کا نام قابلِ ذکر ہے۔ فیض آباد میں میر ضیا کے شاگرد ہوئے اور ان کی غیر حاضری میں اکثر سودا سے بھی اصلاح لی۔ ۱۱۸۴ھ میں نواب سالار جنگ کی سرکار میں ملازم ہوئے اور ان کے لڑکے نوازش علی کے مصاحب مقرر کئے گئے۔ اسی سال نواب آصف الدولہ کے ساتھ نواب سالار جنگ لکھنؤ چلے آئے میر حسن بھی غالباً اسی وقت لکھنؤ آئے اور وہیں ۱۲۰۱ھ کو وفات پائی غیر مطبوعہ کلام بہت ہے۔ اب تک جو چیزیں کتابی صورت میں آ چکی ہیں یہ ہیں:-

(۱) تذکرۂ شعرائے اردو۔ انجمن ترقی اردو کی طرف سے دو بار چھپ چکا ہے۔ (۲) مثنویات میر حسن۔ نولکشور پریس مرتب آسی۔ اس میں سحر البیان، گلزارِ ارم، رموز العارفین (بعض اجزا) شامل ہیں۔ (۳) غزلیاتِ حسن (انتخاب) نولکشور پریس۔ (۴) غزلیاتِ میر حسن۔ مرتب علی حسن لکھنؤ

نوٹ۔ پنجاب یونیورسٹی کی اردو کانفرنس کی نمائش ۱۹۴۶ء میں مثنوی میر حسن کا ایک قلمی نسخہ بھی تھا لیکن یہ مثنوی میر حسن کی نہیں۔ حسن بیرٹھی کی تالیف ہے اور مدت ہوئی چھپ چکی ہے۔

جرأت۔ شیخ قلندر بخش نام۔ جرأت تخلص۔ آبائی نام یحییٰ امان۔ حافظ امان دہلوی کے فرزند۔ فیض آباد میں نشوونما پائی۔ لکھنؤ میں سلیمان شکوہ کی سرکار میں بڑا عروج پایا۔ مرزا علی لطف لکھتے ہیں "تمام عمر عزیز کی بیکاری میں بسر ہوتی ہے اور بے روزگاری میں کٹی ہے" بقول صاحب مجموعۂ نغز جوانی میں چیچک کی وجہ سے آنکھوں سے معذور ہو گئے۔ لکھنؤ میں محلہ رستم نگر میں رہا کرتے تھے۔ موسیقی میں کامل تھے اور ستار خوب بجاتے تھے ۱۲۲۵ھ کو وفات پائی۔ ان کا دیوان مدت ہوئی چھپ چکا ہے۔ اب نایاب ہے۔ جرأت پر دو سال ہوئے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب کی ایک کتاب اردو مرکز کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔

انشا۔ سید انشاء اللہ خاں نام۔ انشا تخلص۔ میر ماشاء اللہ کے لڑکے تھے۔ رحمت بی خاں کی تحقیق کے مطابق سراج الدولہ کے زمانہ حکومت میں پیدا ہوئے اور میر جعفر (۱۷۵۸ / ۱۷۶۱ء) کے زمانے میں ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے اغلب ہے کہ ۱۷۵۶ء یا ۱۷۵۷ء میں پیدا ہوئے ہوں۔ نواب قاسم علی خاں نواب بنگال کے زمانے میں ۱۱۷۵ھ سے قبل لکھنؤ (رحمت بی خان صاحب نے فیض آباد لکھا ہے جو درست نہیں) میں تھے۔ اشرف علی خاں نے انہیں وہیں دیکھا تھا۔ یہ انشا کا جوانی کا زمانہ تھا۔ شجاع الدولہ کے ساتھ ۱۱۷۹ھ میں فیض آباد آ گئے ہوں گے اور ان کی وفات (۱۱۸۸ھ) پر جب آصف الدولہ کا دور دورہ ہوا یہ نواب ذوالفقار الدولہ کے لشکر کے ساتھ بندھیل کھنڈ وغیرہ میں رہے اور پھر دہلی چلے گئے۔ بقول آمنہ خاتون دہلی سے ۱۲۰۰ھ کے قریب لکھنؤ میں وارد ہوئے اور الماس خان کی سرکار سے منسلک ہوئے۔ بعد میں سلیمان شکوہ کے دربار میں عروج پایا۔ سلیمان شکوہ ۱۲۰۵ھ کے قریب لکھنؤ میں آئے تھے۔ ۱۲۱۵ھ سے ۱۲۲۶ھ تک شاہانِ اودھ کے دربار سے متعلق رہے ۱۳ جمادی الاول ۱۲۲۶ھ کو قتیل سے ان کا حال اپنے ایک رقعے میں لکھا ہے کہ دربار سے برطرف ہو گئے ہیں تفصیل کے لئے راقم کا مقالہ بعنوان مرزا قتیل ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۴۸ء) آخر عمر میں پاگل ہو گئے تھے۔ اسی عارضے میں ۱۲۳۳ھ کو وفات پائی۔

تصانیف :۔ دریائے لطافت (انجمن ترقی اردو) کلیاتِ انشا۔ دو سال ہوئے ہندوستان سے چھپ چکی ہے۔ سلک گوہر بے نقط رسالہ رامپور سے عرشی نے مرتب کر کے چھاپا۔ رانی کیتکی کی خالص اردو میں کہانی انجمن ترقی اردو نے شائع کی۔

باقاعدہ کتاب سید احمد الطاف لیکچرار اردو ہیلی کالج کی ہے جو ابھی شائع نہیں ہوئی۔

رنگین۔ سعادت یار خاں۔ ان کے والد رومی الاصل تھے۔ یہ ہندی نژاد ہیں۔ شاہ حاتم کے شاگرد تھے۔ انشا کے احباب میں تھے۔ گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں لکھنؤ اکثر آنا جانا تھا۔ مجالسِ رنگین سے معلوم ہوتا ہے دوسرے شہروں میں بھی پھرتے رہے۔

نساخ بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ کلکتہ بھی گئے تھے۔ حاتم کی وفات کے بعد محمد امان نثار سے بھی مشورۂ سخن کیا تھا۔ سلیمان شکوہ کی سرکار میں بڑے مقبول رہے۔ سلیمان شکوہ ۱۲۰۵ھ میں لکھنؤ میں قیام پذیر ہوئے۔ ریختی ان کی ایجاد ہے۔ جمادی الثانی ۱۲۵۱ھ میں ۸۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔

تصانیف کی مکمل فہرست کے لئے مجالسِ رنگین کا دیباچہ از سید مسعود حسن رضوی دیکھئے۔

شاہ نصیر ۔ عرف میاں کلو۔ شاہ غریب اللہ سجادہ نشینِ شاہ صدر جہاں علیہ الرحمۃ۔ مصحفی تذکرۂ ہندی میں لکھتے ہیں کہ میرے قیامِ دہلی کے زمانے میں شاہ نصیر کی نو مشقی کا زمانہ تھا اور وہ مشاعروں میں آیا کرتے تھے۔ دستور الفصاحت کی تالیف کے وقت (۱۲۲۹ھ تا ۱۲۴۹ھ) دہلی میں تھے۔ حسرت راہپوری ۱۲۲۹ھ میں انہیں لکھنؤ میں پاتے ہیں۔ بقول عبدالحی لکھنؤ میں دوبارہ آئے تھے۔ آخر میں حیدرآباد میں راجہ چندولال کے پاس پہنچ گئے تھے جس کا ذکر غالب نے اپنے ایک خط میں تاریخ سے کیا ہے۔ (متفرقاتِ غالب مرتبہ مسعود حسن رضوی) حیدرآباد دکن ہی میں ۱۲۵۴ھ میں وفات پائی۔ "سہرا مرغ گل" سے تاریخِ وفات نکلتی ہے۔ دیوان ان کا چھپ چکا ہے۔

نظیر اکبرآبادی ۔ سید ولی محمد نام، نظیر تخلص۔ بقول فرحت اللہ بیگ ۱۱۴۷ھ (۱۷۳۵ء) میں اور بقول مفتی انتظام اللہ شہابی ۱۱۴۸ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ بائیس تئیس سال کی عمر میں اکبرآباد (آگرہ) چلے آئے اور تاج گنج کے پل کے پاس نوری دروازے میں رہائش کی۔ باقی عمر آگرے ہی میں بسر کی۔ زندگی کا بیشتر حصہ معلمی میں بسر ہوا۔ شیفتہ نے گلشنِ بے خار میں ان کی شاعری کو سوقیین کی زبانوں پر جاری بتایا ہے۔ چنانچہ گلشنِ بے خار کے جواب میں نظیر کے شاگرد باطن نے گلستانِ بے خزاں لکھا جس میں شیفتہ کی معشوقہ کا بھی مجوّہ ذکر ہے۔ غالب کو نظیر کا شاگرد بتایا ہے اور حیلا اصل کا تلازمہ قائم کر کے مومن کا خوب خوب مذاق اڑایا ہے۔

نظیر نے ۱۶ صفر ۱۲۳۶ھ کو وفات پائی۔

نظم میں نظیر کی کتابوں کے مندرجہ ذیل ایڈیشن اہم ہیں:۔

(۱) کلیاتِ نظیر۔ مرتب شہباز ۱۹۰۰ء نولکشور پریس۔ (۲) کلیاتِ نظیر مرتب آسی و اشرف علی لکھنوی (۱۹۵۱ء) نولکشور پریس۔ (۳) دیوانِ نظیر اکبرآبادی مرتب فرحت اللہ بیگ (۱۹۴۲ء)

اب تک نظیر پر دو اہم کتابیں چھپی ہیں۔ شہباز کی "زندگانی بے نظیر" اور محمود اکبرآبادی کی "روحِ نظیر"۔ علاوہ ازیں نظیر نمبر رسالہ نگار (۱۹۴۱ء) بھی یادگار ہے۔

غالب ۔ نام اسد اللہ بیگ خان۔ تخلص پہلے اسد۔ پھر گیارہ سال اسد اور غالب دونوں۔ بعد میں صرف غالب۔ ۸ رجب ۱۲۱۲ھ، ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء رات کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مرزا عبداللہ بیگ خان۔ ترک النسل۔ اپنا سلسلہ تور ابنِ فریدوں تک ملاتے ہیں جو ظاہر ہے تاریخی شخصیت نہیں۔ اس لئے ان کی نسل کو خاندانِ سلجوقی سے اوپر افسانہ ہی افسانہ سمجھنا چاہئے۔ والد کی وفات کے بعد پرورش چچا نصر اللہ بیگ خان نے کی۔ ۱۸۰۶ء کے قریب یہ بھی فوت ہو گئے۔ آگرے میں پروان چڑھے اور وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مولوی محمد معظم سے فیض اٹھایا۔ ملا عبدالصمد کا خود غالب نے نام لیا ہے لیکن قاضی عبدالودود صاحب کی تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نام فرضی ہے۔ "نوائے ادب" میں مالک رام اس رائے سے اختلاف کرتے ہیں۔ لیکن مالک رام صاحب کے دعاوی بغیر دلیل کے ہیں۔ اس لئے زیادہ قابلِ لحاظ نہیں۔ جوانی میں غالب کے سسرال والے (لوہارو والے) ان کی روزی کے کفیل رہے۔ ۱۲۲۸ھ سے کچھ پہلے مستقل رہائش دہلی میں کر لی۔ جہاں مالی پریشانیوں نے گھیرا جب سرکاری پنشن نواب شمس الدین احمد خان سے متعلق ہوئی تو ۱۸۳۱ء تک بند ہو گئی۔ خواجہ حاجی والے قضیے میں انہیں اور بھی پریشان ہونا پڑا اور سرکار انگریزی

نے شکایت کرنے لگتے گئے۔ یہ سفر ۱۸۲۸ء میں کیا۔ کلکتے میں قتیل والا معرکہ پیش آیا۔ اس کے بعد دہلی میں فریزر کا قتل ہوا۔ لوہارو والوں کا خیال تھا کہ شمس الدین احمد خاں کی سزایابی میں غالب کی چغلی کا ہاتھ بھی ہے۔ اس لئے لوہارو والوں سے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ مئی ۱۸۴۷ء میں قماربازی کے الزام میں گرفتار ہوئے۔ تین ماہ بعد رہا کئے گئے۔ ذوق کی وفات پر ۱۸۵۴ء میں ظفر کے استاد ہوئے۔ غدر میں یہ سہارا بھی گیا۔ اس زمانے میں برہان قاطع والا جھگڑا پیش آیا۔ ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء (۲ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ) روز شنبہ دوپہر ڈھلے انتقال کیا۔ حالی اور مجروح نے مرثیے لکھے۔ حالی کا مرثیہ بہترین ہے۔ تصانیف کی فہرست کے لئے دیکھئے مالک رام کی 'ذکر غالب'

غالب پہ پچھلے دو سال میں جو کتابیں چھپی ہیں ان کے نام یہ ہیں:-

نادرات غالب مرتبہ آفاق۔ متفرقات غالب (مسعود حسن رضوی)، احوال غالب مرتب ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو۔ اور خطوط غالب (دو جلد) مولانا غلام رسول مہر۔

حالات اور تنقید کے لئے غالبیات کی بعض اہم کتابیں یہ ہیں۔ غالب (ڈاکٹر عبداللطیف) محاسن کلام غالب (ڈاکٹر بجنوری)، غالب نامہ (اکرام) غالب (غلام رسول مہر)، یادگار غالب (حالی) فلسفۂ کلام غالب (ڈاکٹر شوکت سبزواری) غالب نمبر (علی گڈھ میگزین)

مومن - نام مومن علی یا محمد مومن خان۔ مومن تخلص۔ ۱۲۱۵ھ سن ولادت ہے۔ طبیب بھی تھے، شاعر بھی تھے اور نجومی بھی۔ شطرنج خوب کھیلتے تھے۔ گنڈے تعویذ کی بھی دھوم تھی۔ عطر اور پھولوں سے بہت شوق تھا۔ جس گلی سے گذر جاتے تھے معطر ہو جاتی تھی۔ ایک زمانے میں صاحب جی امۃ الفاطمہ سے عشق ہوا۔ اس پر بڑی معرکے کی چیزیں داخل دیوان ہیں۔ صاحب جی بھی شاعرہ تھیں۔ نساخ نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار بھی دیئے ہیں۔ ایک شعر یہ ہے:-

نظر ہے جانب اغیار دیکھئے کیا ہو
پھری ہے کچھ نگہ یار دیکھئے کیا ہو

۱۲۶۸ھ میں وفات پائی۔

تصانیف کی فہرست 'حیات مومن' میں موجود ہے جس کے مصنف ضمیر الدین احمد عرشی ہیں۔ کلیات نولکشور پریس سے چھپا۔ تنقید کے لئے نگار کا مومن نمبر (۱۹۲۸ء) دیکھئے۔ لیکن یہ نمبر نگار کے دوسرے نمبروں کے مقابلے میں ہلکا ہے۔ حال ہی میں اسے نگار والوں نے دوبارہ بھی چھاپا ہے۔ علی گڈھ سے پروفیسر ضیا احمد نے کلام مومن کی بڑے ٹھاٹھ کی شرح بھی چھاپی ہے۔

ذوق - محمد ابراہیم نام۔ ذوق تخلص۔ دلی کے رہنے والے تھے۔ ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۰۴ھ کو پیدا ہوئے۔ خاقانی ہند کا خطاب اکبر شاہ ثانی سے ملا۔ غدر سے دو سال پہلے ۲۴ صفر ۱۲۷۱ھ کو وفات پائی۔ وفات تک ظفر کے استاد رہے اور ان کے کلام پر اصلاح دی۔ آب حیات میں آزاد نے ظفر پہ الزام لگایا کہ ذوق انہیں غزلیں کہہ کر اور ان کا تخلص ڈال کر دے دیا کرتے تھے۔ اس کی تردید صاحب گل رعنا (عبدالحی) نے کی ہے۔ حافظ محمود شیرانی مرحوم نے دیوان ذوق مرتبہ آزاد کی بعض غزلوں کو آزاد کے قلم کی کاوش ثابت کیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حافظ ویران کا شائع کردہ دیوان ذوق (۱۲۷۹ھ) بہترین ہے۔ ذوق پر غالباً ایک ہی کتاب چھپی ہے۔ نام ہے "خاقانی ہند" اور مصنف رفیق خاور۔

ظفر - ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ ظفر آخری تاجدار مغلیہ اکبر شاہ ثانی کے بیٹے اور شاہ عالم کے پوتے تھے۔ ۲۶ شعبان ۱۱۸۹ھ کو طلوع آفتاب

کے وقت پیدا ہوئے۔ ۶۲ سال کی عمر میں ۱۱ جمادی الثانی کو میرزا محمد علی امام جامع مسجد دہلی کے ہاتھ تخت پر بیٹھنا نصیب ہوا۔ شہزادگی کے زمانے میں شاعری اور خطاطی کا خاص شوق تھا۔ ان کا ایک طغریٰ حافظ محمود شیرانی کے پاس بھی تھا جس میں ظفر نے اپنے کو صوفیاء کے چشتیہ فرقے سے متعلق بتایا ہے۔ پہلے ذوق سے مشورۂ سخن کیا۔ ان کی وفات پر غالب کے شاگرد ہو گئے۔ غدر میں باغیوں کا ساتھ دیا یا ساتھ رہنے پر مجبور ہو گئے جس کا مفصل حال ظہیر دہلوی کی داستانِ غدر اور پرسی ول سپیر کی (Twilight of Delhi) میں موجود ہے۔ ۱۸۵۸ء کے شروع میں مقدمہ چلا اور رنگون میں نظر بند کر دیے گئے جہاں ۱۲۷۹ھ میں گمنامی کی حالت میں وفات پائی۔

تصانیف:۔ (۱) کلیاتِ ظفر چار جلدوں میں نولکشور پریس میں چھپا۔ اب نایاب ہے۔ اس میں غدر سے پہلے تک کا کلام ہے۔ (۲) دیوانِ ظفر ظفر بک ڈپو لاہور انتخاب ہے اور غلط سلط چھپا ہے۔ مرتب اس کے غلام حسین ہیں۔ (۳) کلیاتِ ظفر مرتبہ خلیل الرحمٰن اعظمی (زیر طبع) (۴) دیگر تصانیف میں لغت اور شرح گلستان کا نام بھی آتا ہے لیکن مطبوعہ ہیں یا غیر مطبوعہ اس کا علم نہیں۔

شیفتہ۔ نواب حاجی محمد مصطفیٰ خاں نام۔ شیفتہ اور حسرتی تخلص۔ خلف عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خاں۔ ۱۲۲۱ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ شاعری میں مومن کے شاگرد تھے۔ بی رمو سے عشق کیا جس کا ذکر باطن نے اپنے تذکرے میں چٹخارے لے لے کر کیا ہے۔ بی رمو بھی شاعرہ تھیں اور نزاکت تخلص تھا۔ ان کا مفصل حال اور کلام خود شیفتہ نے اپنے تذکرہ میں دیا ہے۔ شیفتہ نے حج بھی کیا۔ ۱۲۸۶ھ میں وفات پائی۔

شعرائے اردو کا تذکرہ فارسی زبان میں گلشنِ بے خار کے نام سے لکھا جو چھپ چکا ہے۔ آجکل نایاب ہے۔ ایک دیوان فارسی اور ایک اردو میں ہے۔ اردو کا دیوان نظامی پریس بدایوں کے مالک کے دیباچے کے ساتھ ایک زمانہ ہوا شائع ہوا تھا۔ اب نہیں ملتا۔ مطبوعہ نسخہ کا روٹوگراف پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں ہے۔

ناسخ۔ شیخ امام بخش نام۔ ناسخ تخلص۔ آبائی وطن لاہور۔ شیخ خدا بخش کے بیٹے یا متبنیٰ تھے۔ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ لکھنؤ میں آکر سنِ تمیز کو پہنچے۔ بیس سال کی عمر سے شعر گوئی شروع کی۔ جس وقت مصحفی نے ریاض الفصحا لکھا (۱۲۲۱ھ تا ۱۲۳۶ھ) اس وقت ان کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ سپاہی وضع آدمی تھے۔ آبا کی تقلید میں خود بھی تجارت کرتے تھے۔ ۱۲۲۹ھ تک شعراء میں خاصے مشہور ہو چکے تھے اور مرزا جعفر کے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔

بقول نساخ ۱۲۵۴ھ میں وفات پائی۔ حالات کے بارے میں شیفتہ لکھتے ہیں "تمامہ عمر در لکھنؤ گذرانیدہ و نوبتی از کارکنانِ دولت آنجا نا ایمن بودہ مجالِ سکونت نیافتہ بہ الہ آباد شتافتہ و بارہا کانپور عود نمودہ و اکنون بسبب تغیر و تبدیلِ دورۂ ارا کین سابق رجوع بمرکز کردہ" شیفتہ نے ناسخ کا یہ سال ۱۲۴۸ھ اور ۱۲۵۰ھ کے درمیان لکھا ہے۔

ناسخ کے دو دیوان اور ایک مثنوی چھپ چکے ہیں۔

آتش۔ خواجہ حیدر علی آتش۔ آبائی وطن دہلی۔ بقول صاحب گلِ رعنا فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی تحقیق کے مطابق ۱۲۱۹ھ اور ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۶ء) کے درمیان لکھنؤ میں آئے۔ ۲۹ برس کی عمر تک اردو میں شعر گوئی کی باقاعدہ ابتدا کر چکے تھے۔ مصحفی کے شاگرد تھے۔ عبدالرؤف عشرت "آبِ بقا" میں آتش کے بارے میں پانچ آدمیوں کے بیانات دیتے ہیں جنہوں نے آتش کو آخر عمر میں دیکھا۔ آتش نے ۱۲۶۳ھ میں وفات پائی۔

دیوان متعدد بار مختلف مطابع سے چھپ چکا ہے۔

ان پر خلیل الرحمٰن اعظمی لیکچرار اردو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ ایک کتاب لکھ چکے ہیں جو قسط وار رسالہ نگار میں شائع ہوئی لیکن ابھی تک جا نہیں چھپی۔

وزیر ۔ محمد وزیر۔ وطن لکھنؤ۔ ناسخ کے شاگرد تھے۔ ۲۲ ذی قعدہ ۱۲۶۸ھ میں وفات پائی۔ دیوان مرنے کے بعد چھپا۔

صبا ۔ میر وزیر علی۔ صبا تخلص۔ لکھنؤ وطن۔ یہیں پیدا ہوئے۔ آتش کے شاگرد تھے۔ ۱۲۷۱ھ میں گھوڑے سے گر کر جان دی۔ ان کا دیوان مرتب "غنچۂ آرزو" کے نام سے چھپ چکا ہے۔

رند ۔ نواب سید محمد خان۔ ۱۱ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ نوابان اودھ کے قرابت داروں میں تھے۔ بہو بیگم ان پر شفقت کرتی تھیں۔ ان کی وفات پر ۱۲۳۱ھ میں لکھنؤ آئے۔ فیض آباد میں میر خلیق کے اور لکھنؤ میں آکر آتش کے شاگرد ہوئے۔ دو دیوان گلدستۂ عشق کے نام سے چھپ چکے ہیں (تلخیص۔ گلِ رعنا۔ عبدالحیٔ)

نسیم دہلوی ۔ مرزا اصغر علی خاں۔ نواب آغا علی خاں قاچار کے بیٹے تھے۔ دلی میں پیدا ہوئے۔ مومن کے شاگرد تھے۔ پہلے اصغر پھر نسیم تخلص کیا۔ غدر سے کچھ پہلے لکھنؤ میں چلے گئے۔ غدر کے بعد نولکشور پریس میں 'الف لیلہ' کو نظم کرنے پر مامور ہوئے۔
ایک جلد مکمل کی تھی کہ ۱۴ رمضان ۱۲۸۲ھ کو وفات پائی۔ دیوان چھپ چکا ہے (ماخوذ از گلِ رعنا عبدالحیٔ)

امیر مینائی ۔ ۱۶ شعبان ۱۲۴۴ھ کو نصیر الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے عہد میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مولوی کرم محمد مینائی۔ حضرت شاہ مینا کی اولاد سے ہیں اس لئے مینائی کہلاتے ہیں۔ نجوم اور جفر میں دستگاہ رکھتے تھے۔ ۱۲۶۹ھ میں واجد علی شاہ کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ غدر کے بعد نواب فردوس مکان نے رامپور طلب کیا اور عدالتِ دیوانی کے مفتی ہوئے۔ خلد آشیاں کے شاعری میں استاد ہوئے۔ ایک دیوان غدر میں ضائع ہوا۔ ۱۹ جمادی الآخر ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو حیدرآباد دکن میں فوت ہوئے۔

تصانیف :۔ مراۃ الغیب (دیوان)، صنم خانۂ عشق (دیوان) گوہرِ انتخاب۔ جوہرِ انتخاب۔ مضامینِ دل آشوب۔ مجموعۂ واسوخت۔ انتخاب یادگار (۱۲۹۰ھ) امیر اللغات (دو جلد نامکمل)، خاتم النبیین۔ مثنوی ابرِ کرم۔ مثنوی نورِ تجلی۔ لیلۃ القدر۔ صبحِ ازل۔ شامِ ابد۔ ذکرِ شاہِ انبیاء مطبوعہ ہیں۔

غیر مطبوعہ۔ دیوانِ فارسی۔ معیار الاغلاط۔ مثنوی بجواب میر حسن۔ دیوانِ قصائد (ملخص حالاتِ امیر مینائی از تذکرۂ کاملانِ رامپور۔ مرتب احمد علی شوق)

داغ ۔ نواب ابراہیم نام۔ داغ تخلص۔ شادی کے بعد نواب مرزا مشہور ہوئے۔ ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۴۶ھ (۲۵ مئی ۱۸۳۱ء) بدھ کے دن دو بجے دلی میں پیدا ہوئے۔ چھوٹی بیگم (ان کی والدہ) نواب شمس الدین احمد خان کی سرکار میں بعض روایتوں کے مطابق ملازم اور بعض کے مطابق ان کی بیاہتا بیوی تھی۔ فریزر کے قتل کے اسباب میں بعض زبانوں پر چھوٹی بیگم اور فریزر کے تعلقات کا تذکرہ بھی تھا۔ نواب شمس الدین احمد خان کے پھانسی ہو چکنے پر مرزا فخرو ولی عہد سلطنتِ مغلیہ کے نکاح میں آئیں۔ داغ کی پرورش قلعہ میں ہوئی اور شاعری میں ذوق کے شاگرد ہوئے۔ غدر کے بعد ان کی والدہ ایک انگریز مسٹر بلاک کے گھر میں بیٹھ گئیں۔ داغ رامپور چلے گئے جہاں ان کی قسمت کا ستارہ غروب ہو چکا۔ اس زمانے میں عام طور پر مشہور تھا "داغ دلی چراغ رامپور"۔ نواب یوسف علی خان کے بعد نواب کلب علی خان بہادر کی سرکار میں رہے۔ ان کی وفات کے بعد حیدرآباد کا رخ کیا۔ جہاں محبوب علی خان کے مصاحب ہوئے اور فصیح الملک کا خطاب پایا۔ ان کے حالات میں منی بائی حجاب کا ذکر ضروری ہے قیام رامپور

کے زمانے میں کلکتے میں جاکر داغ اسے اپنا دل دے آئے تھے۔ مثنوی فریادِ داغ اسی کے فراق میں لکھی ہے۔ حجاب ۱۹ر جنوری ۱۹۰۲ء کو داغ کے پاس حیدرآباد پہنچی۔ لیکن اب تک "زاہدہ بنا جاتی" بن چکی تھی۔ داغ ۵ رذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۵ء) کو فوت ہوئے۔

تصانیف: گلزارِ داغ۔ آفتابِ داغ۔ مہتابِ داغ۔ یادگارِ داغ ضمیمہ یادگارِ داغ اور مثنوی فریادِ داغ۔ نثر میں رقعات کا مجموعہ انشائے داغ۔ رسالہ نگار نے جنوری ۱۹۵۳ء میں داغ نمبر شائع کیا۔

حالی۔ خواجہ الطاف حسین نام۔ حالی تخلص۔ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) میں پیدا ہوئے۔ ۹ برس کے تھے کہ والد فوت ہوگئے۔ غدر سے پہلے دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ P. SPEAR کا یہ بیان کہ حالی نے دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی درست نہیں۔ غدر کے بعد ۱۸۶۳ء میں شیفتہ کے ملازم ہوئے اور غالب سے کلام پر اصلاح لیتے رہے۔ شیفتہ کی وفات کے بعد ۱۸۷۰ء میں لاہور میں آئے۔ محکمہ تعلیم میں نائب مترجم مقرر ہوئے۔ چار سال بعد دہلی گئے اور اینگلو عربک اسکول میں مدرس ہوئے۔ ایک بار پھر جیفس کالج میں ملازمت کی لیکن اکتا کر اپنے پہلے عہدے پر واپس دہلی چلے گئے۔ اگست ۱۸۸۹ء میں ملازمت ترک کر دی اور پانی پت چلے گئے۔ حیدرآباد سے پنشن مقرر ہوگئی۔ ۱۹۰۴ء میں حکومت کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب ملا اور ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۴ء کو وفات پائی۔

تصانیف کی فہرست کے لئے تذکرۂ حالی (ابن زبیری) تذکرۂ حالی (اسماعیل پانی پتی) سے رجوع کیا جائے۔ حالیات کے لئے وحید قریشی کا مرتب کردہ ایڈیشن مقدمۂ شعر و شاعری دیکھیے۔

اکبر الہ آبادی۔ سید اکبر حسین نام۔ اکبر تخلص۔ سید تفضل حسین کے بیٹے۔ ۱۶ر نومبر ۱۸۴۶ء کو بارہ ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ عبدالحئی گل رعنا میں الہ آباد وطن بتاتے ہیں۔ حیاتِ اکبر کے حاشیہ نگار ملا واحدی مفصل بحث کرتے ہوئے قصبہ ڈونگر ضلع گیا، بہار، کے حق میں معلوم ہوتے ہیں۔ قمر بدایونی 'بزمِ اکبر' میں ان کے خاندان کا سلسلہ سادات بارہہ سے ملاتے ہیں۔ یہ غلط ہے اور اس پر مفصل بحث علی گڑھ میگزین میں اکبر نمبر میں سید بشیر حسین صاحب نے کی ہے۔ ۱۸۶۶ء میں مختاری کا امتحان درجۂ اول میں پاس کیا۔ ۱۸۶۹ء میں نائب تحصیلدار مقرر ہوئے۔ ایک سال بعد ہائی کورٹ میں مثل خواں ہوئے۔ بعد میں ہائی کورٹ کی وکالت کا امتحان پاس کیا۔ منصف مقرر ہوئے۔ سب جج بنے۔ ڈسٹرکٹ اور سیشن جج بنے۔ سیشن ججی سے ۱۹۰۳ء میں ریٹائر ہوئے۔ حکومت نے ہائی کورٹ کا جج مقرر کرنا چاہا۔ لیکن آنکھوں کی خرابی کی وجہ سے پنشن لے لی اور یہ عہدہ قبول نہ کیا۔ خان بہادر کا خطاب بھی ملا۔ جوانی میں عشق کیا۔ قمر بدایونی لکھتے ہیں:-

"امامن کے قدر دانوں میں ایک مسلمان ڈپٹی بھی تھے۔ وہ اکبر کے اثر کو توڑتے رہتے تھے۔ آخر میں بدمزگی زیادہ ہوگئی تو انہوں نے اپنے عہدے اور اثر سے کام لے کر الہ آباد سے اکبر کا تبادلہ کرا دیا۔۔۔۔ اکبر نے اپنے جلے دل کے پھپھولے یوں پھوڑے:-

عزیزوں کی محبت ہم نشیں کی یاد سے چھوٹے!
امامن کی ادا ہائے ستم ایجاد سے چھوٹے
۔۔۔۔۔ کی ایک بوغستہ نو زاد سے چھوٹے
میاں کھجو کی فرمائش سے اور ارشاد سے چھوٹے

اکبر نے ۱۱ر ستمبر ۱۹۲۱ء کو وفات پائی۔ تصانیف : کلیاتِ اکبر اور گاندھی نامہ۔ رقعات کے بعض مجموعے اور گنجِ پنہاں۔
ان پر اہم کتابیں یہ ہیں : حیاتِ اکبر (عشرت حسین) بزمِ اکبر (قمر بدایونی) تذکرۂ اکبر الہ آبادی (تبسم نظامی) علی گڑھ میگزین کا اکبر نمبر۔

چکبست ۔ برج نرائن نام۔ وطن لکھنؤ۔ پیدائش فیض آباد میں ۱۸۸۲ء میں ہوئی۔ ۱۹۰۵ء میں کیننگ کالج سے بی۔ اے پاس کیا۔ ۱۹۰۷ء میں قانون کا امتحان پاس کر کے وکالت شروع کی۔ ۱۲ر فروری ۱۹۲۶ء میں ایک مقدمے کے سلسلہ میں بریلی گئے۔ ریل میں فالج گرا اور چند گھنٹوں میں وفات پائی۔ کانگرسی تھے اور ہوم رول تحریک کے سلسلے میں بڑا کام کیا۔ ان کا مجموعۂ کلام صبحِ وطن کے نام سے چھپا۔ مضامینِ چکبست ان کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔ علاوہ ازیں گلدستۂ پنج (انتخاب اودھ پنچ)، مثنوی گلزارِ نسیم اور معرکۂ چکبست و شرر میں ان کے دیباچے اور مضامین موجود ہیں۔

شاد عظیم آبادی ۔ شاد کے والد سید عباس مرزا ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ ۱۵ سال کی عمر میں عظیم آباد میں رہائش کی جہاں شاد کی ولادت جنوری ۱۸۴۶ء کو ہوئی۔ گلشنِ حیات میں جو یہ لکھا ہے کہ حضرتِ فریاد کے علاوہ بھی لوگوں سے اصلاح لی درست نہیں۔ بیشتر کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔ مطبوعہ تصانیف کے نام یہ ہیں : کلامِ شاد جس پر سید سلیمان ندوی نے مقدمہ لکھا۔ الہاماتِ شاد۔ مرتب عبدالمالک آروی۔ غزلوں کا دیوان نغمۂ الہام کے نام سے ۱۹۳۸ء میں ان کے شاگرد حمید عظیم آبادی نے شائع کیا۔ نثر میں مکتوباتِ شاد عظیم آبادی۔ مرتب ڈاکٹر نذر ۱۹۳۹ء میں اور حیاتِ فریاد اپنے استاد کی سوانح عمری جو آخر عمر کی تالیف ہے اور ان کے مرنے کے بعد شائع ہوئی۔ نیز فکرِ بلیغ فصاحت و بلاغت کے اصولوں اور زبان کی تاریخ پر۔ شاد نے جنوری ۱۹۲۷ء کو انتقال کیا۔ حکومت کی طرف سے ۱۸۹۱ء میں انہیں خان بہادر کا خطاب بھی ملا تھا۔

ریاض خیر آبادی ۔ ریاض خیر آباد میں بقول عقیل احمد جعفری ۱۲۷۲ھ میں اور بقول ڈاکٹر اعجاز حسین ۱۲۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ شاعری میں اسیر کے اور بعد کو امیر مینائی کے شاگرد ہوئے۔ ۱۸۷۲ء میں خیر آباد میں مطبع قائم کیا اور ریاض الاخبار نکالا۔ ۱۸۸۱ء میں گورکھپور آ گئے اور اسی شہر کو وطن بنالیا۔ یہاں پیشکار بھی تھے۔ بعد کو استعفیٰ دے دیا۔ ۱۸۸۳ء میں گورکھپور سے فتنہ اور عطرِ فتنہ جاری کئے۔ ریاض الاخبار بھی چلتا رہا۔ بعد میں کئی اور گلدستے بھی نکالے۔ مہاراجہ محمود آباد کی کشش سے لکھنؤ میں اٹھ آئے۔ ایک "غیر مسلم" طوائف کو مسلمان کر کے نکاح بھی کیا۔ بعد میں طلاق دے دی۔ وہ خاتون ایک قتل کے سلسلے میں ماخوذ ہوئیں۔ آپ نے اپنی دولت کا بہت سا حصہ اسے بچانے میں صرف کیا عمر قید کی سزا ہوئی۔ ریاض کی زندگی میں بھی انقلاب آگیا۔ مونچھیں پہلے ہی موجود تھیں اب داڑھی بھی رکھ لی۔ وہ خاتون جب ۱۸ سال کے بعد رہا ہوئیں تو آپ ان کی روزی کے کفیل رہے۔ ۲۰ر جولائی ۱۹۳۴ء (۷ار ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ) میں انتقال کیا۔

تصانیف : ۔ ریاضِ رضواں دو جلدوں میں۔ نثر میں حرم سرا۔ نظارہ تاشاد اور نثرِ ریاض خیر آبادی (مرتب عقیل احمد جعفری)

ریاض پر کتابیں : رندِ پارسا (۱۹۴۵ء) رئیس احمد جعفری۔ ریاض نمبر (۱۹۴۳ء) رسالہ نگار۔

نظم طباطبائی ۔ علی حیدر نظم طباطبائی۔ ۱۶ر محرم الحرام بروز جمعہ ۱۲۶۹ھ بمقام حیدر گنج لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ مٹیا برج میں شاہزادوں کو تعلیم دیتے رہے۔ واجد علی شاہ کے انتقال پر حیدر آباد دکن میں نظام کالج کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ حیدر آباد میں شہزادوں کے اتالیق ہوئے اور نواب حیدر یار جنگ کا خطاب بھی پایا۔ دارالترجمہ میں ناظرِ ادبی بھی رہے۔ ۲۲ر مئی ۱۹۳۳ء کو وفات پائی۔ ان کا غزلیات کا مجموعہ اور دیوانِ غالب کی شرح مطبوعہ ہیں۔

جلیل ۔ جلیل حسن نام جلیل تخلص ۔ والد کا نام حافظ عبدالکریم ۔ سنہ ۱۲۸۳ھ کو مانکپور (اودھ) میں پیدا ہوئے ۔ ۲۰ سال کی عمر میں امیر مینائی کے شاگرد ہوئے ۔ داغ کی وفات کے بعد ۱۳۲۳ھ میں نواب میر محبوب علی خان تاجدارِ دکن کے استاد مقرر ہوئے ۔ بعد میں میر عثمان علی خاں کے استاد بھی ہوئے ۔ تصانیف کے نام یہ ہیں :۔ نثر میں رسالہ تذکیر و تانیث اور نظم میں تاجِ سخن (سنہ ۱۹۱۰ء) جانِ سخن (سنہ ۱۹۱۶ء) روحِ سخن ۔ سیدۂ سخن ۔ معراجِ سخن اور گل صد برگ ۔

حفیظ جونپوری ۔ محمد علی نام ۔ رسالہ مخزن (شیخ عبدالقادر) کے لکھنے والوں میں سے تھے ۔ جونپور ان کا وطن تھا ۔

سائل دہلوی ۔ سراج الدین احمد خاں سائل دہلی میں ۱۲۸۱ھ (سنہ ۱۸۶۴ء) میں پیدا ہوئے ۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں لوہارو کے پوتے تھے ۔ داغ کی دخترِ خواندہ سے نکاح کیا ۔ داغ ہی کے شاگرد ہوئے ۔ اردو شعر ترنم سے پڑھنے کا رواج انہیں سے شروع ہوا ۔ ۱۵ر ستمبر سنہ ۱۹۴۵ء کو وفات پائی ۔ ابھی تک دیوان شائع نہیں ہوا ۔

بیخود دہلوی ۔ سید وحید الدین نام ۔ ولادت ۳ر رمضان سنہ ۱۲۷۹ھ بمقام بھرت پور ۔ تربیت دہلی میں ہوئی ۔ داغ کے شاگرد تھے ۔

تصانیف :۔ گفتارِ بیخود (سنہ ۱۳۲۳ھ) شہسوارِ بے خود (سنہ ۱۳۲۳ھ)

نوح ناروی ۔ یکم شوال بوقت صبح صادق سنہ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸ر ستمبر سنہ ۱۸۷۹ء اپنے ننھیال سیوانی پور تحصیل سلون ضلع رائے بریلی میں پیدا ہوئے ۔ وطن نارہ ضلع الہ آباد ۔ امیر مینائی ۔ جلال لکھنوی اور داغ سے اصلاح لی ۔ داغ کی وفات پر ان کے جانشین قرار دئے گئے ۔ وفات سے پہلے دو دیوان سفینۂ نوح اور طوفانِ نوح چھپوا چکے تھے ۔ تیسرا دیوان اعجازِ نوح غالباً نہیں چھپا

صفی ۔ علی نقی نام ۔ تخلص صفی ۔ سادات زیدی سے تھے ۔ سنہ ۱۸۶۲ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے ۔ محکمۂ دیوانی میں مختلف عہدوں پر رہ کر ۴۲ سال کے بعد سنہ ۱۹۲۲ء میں پنشن پائی ۔ فوت ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا ہے ۔ ایک ضخیم دیوان طبع ہو چکا ہے ۔

ثاقب لکھنوی ۔ مرزا ذاکر حسین نام ۔ آگرے میں ۱۹ر رمضان سنہ ۱۲۸۵ھ (سنہ ۱۸۶۹ء) میں پیدا ہوئے ۔ چھ ماہ کے تھے جب لکھنؤ میں لائے گئے ۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں ریاست محمود آباد میں مستقل قیام کر لیا اور وہیں سے وثیقہ پاتے رہے ۔ ان کا دیوان شائع ہو چکا ہے ۔

آزاد انصاری ۔ الطاف احمد نام ۔ نظیر حسین تاریخی نام ۔ ابوالاحسان کنیت ۔ آزاد تخلص ۔ سال ولادت ۲۷ر رجب سنہ ۱۲۸۸ھ بمقام ناگپور ۔ ۱۴ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۳ء کے بعد حیدرآباد میں دکان کرتے رہے ۔ حالی کے شاگرد تھے ۔ سنہ ۱۹۴۱ء (؟) میں وفات پائی ۔

ساحر ۔ پنڈت امرناتھ ساحر ۔ دلی کے رہنے والے تھے ۔ ولادت ۲۹ر مارچ سنہ ۱۸۶۳ء کو بانس بریلی میں ہوئی ۔ راز داں کے شاگرد تھے ۔ عرصہ دراز تک تحصیلدار رہے ۔ پھر دہلی میں قیام کیا اور وہیں سنہ ۱۹۴۲ء میں وفات پائی ۔

تصانیف :۔ کفرِ عشق ۔ فسانۂ توحید ۔ رسالہ اسرارِ حقیقت ۔ جلوۂ جہاں نما ۔ رموزِ معرفت ۔ رازِ معرفت ہیں ۔

دل شاہجہان پوری ۔ نام :۔ حکیم ضمیر حسن خان ۔ شاگرد :۔ امیر احمد مینائی ۔

تصانیف :۔ نغمۂ دل ۔ ترانۂ دل (غیر مطبوعہ)

عزیز ۔ لکھنؤ میں سنہ ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے ۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں وفات پائی ۔

تصانیف : گل کدہ (غزلیات کا مجموعہ) اور قصائدِ عزیز یادگار ہیں ۔

کیفی ۔ پنڈت برج موہن دتاتریہ ۔ وطن دہلی ۔ پیدائش ۱۳ر دسمبر سنہ ۱۸۶۶ء ۔ تصانیف :۔ منشورات ۔ کیفیہ ۔ پریم ترنگی ۔ بھارت درپن ۔

آئینۂ ہند، شوکتِ ہند - جگ بیتی - واردات (دیوان) متفرق خمسہ کیفی۔ ناگزیر تقلیل وقال عجمانۂ کیفی - مرآتِ خیال۔

آرزو لکھنوی - سید انوار حسین نام، مجھو صاحب عرف - آرزو تخلص۔ ۱۲۸۹ھ میں پیدا ہوئے۔ لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے چھپ چکے ہیں:

فغانِ آرزو - جہانِ آرزو - سریلی بانسری۔

عرصے تک کلکتے میں مقیم رہے۔ وفات سے پہلے بمبئی میں قیام تھا۔ کراچی میں وفات پائی۔

ناطق لکھنوی - سید احمد نام - ناطق تخلص لکھنؤ میں ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ فروری ۱۹۴۱ء تک تیس سال سے طبابت کرتے تھے۔ اب کا حال معلوم نہیں کہ زندہ ہیں یا وفات پا چکے۔

وحشت - نام رضا علی - جائے پیدائش اور وطن کلکتہ - تاریخ پیدائش: ۱۸ نومبر ۱۸۸۱ء - قیام: ڈھاکہ (اسلامیہ کالج کلکتہ میں اردو کے پروفیسر رہتے اب پنشن پاتے ہیں) تصانیف:۔ ترانۂ وحشت - دیوانِ وحشت۔

آسی - عبدالباری نام، آسی تخلص - الدن ضلع میرٹھ تحصیل ہاپوڑ مولد ہے۔ ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۱۴ء سے وفات تک لکھنؤ میں مقیم رہے۔ آپ کے شاگردوں میں شوکت تھانوی کا نام قابلِ ذکر ہے۔ بہت سی تصانیف یادگار ہیں (تعداد تقریباً ۳۴) ان میں شرح دیوانِ غالب - رسالہ نگار کا غالب نمبر - شرح تحفۃ العراقین اور بصائر (قطعات و رباعیات) قابلِ ذکر ہیں۔

اقبال - محمد اقبال - ۱۸۷۶ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ایف۔ اے اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ سے کیا جہاں شمس العلماء میر حسن سے استفادہ کیا۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے کے امتحان گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کئے۔ اورینٹل کالج اور گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کے لکچرار رہے۔ میونخ سے پی۔ ایچ۔ ڈی اور انگلستان سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ جولائی ۱۹۰۸ء میں انگلستان سے واپس آکر ملازمت چھوڑ دی اور پریکٹس کرنے لگے۔ لیکن بیشتر کام تصنیف و تالیف ہی کا رہا۔ شاعری میں شروع شروع میں داغ سے اصلاح لی۔ کچھ عرصہ ملکی سیاسیات میں بھی حصہ لیا۔ نومبر ۱۹۲۶ء کو پنجاب کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ مسلم لیگ کے صدر بھی رہے۔ سر کا خطاب بھی پایا۔ اس پر مولانا عبدالمجید سالک نے اشعار بھی کہے تھے:۔ سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال الخ۔ آخر میں سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے اور علمی کاموں میں لگے رہے۔ اپریل ۱۹۳۸ء میں وفات پائی۔

تصانیف:۔ بانگِ درا - اسرارِ خودی - علم الاقتصاد - رموزِ بے خودی - پیامِ مشرق - پس چہ باید کرد - جاوید نامہ - مسافر - زبورِ عجم - مضامینِ اقبال -
کلیاتِ اقبال - حرفِ اقبال - عمرانی نظریہ - خطوط بنام عطیہ - اقبال نامہ (دو جلد) شادِ اقبال - نظریۂ قومیت (مرتب طالوت)
فلسفۂ عجم - مدراس لکچرز - بالِ جبریل - ضربِ کلیم - ارمغانِ حجاز - باقیاتِ اقبال - اصلاحاتِ اقبال - رختِ سفر۔

اقبالیات پر سینکڑوں کتابیں چھپ چکی ہیں۔ قابلِ ذکر یہ ہیں:۔

(۱) اقبال کا فلسفۂ تعلیم (غلام السیدین) (۲) روحِ اقبال (ڈاکٹر یوسف حسین خان) (۳) اقبال (اختر اورینوی) (۴) اقبال (مجنوں گورکھپوری)
(۵) اقبال کی شاعری (عبدالمالک آروی) (۶) اقبال ایک نئی تشکیل (عزیز احمد) (۷) شاعرِ مشرق (اقبال سنگھ) (۸) مابعد الطبیعیاتِ اقبال (عشرت حسین)

حسرت موہانی - سید فضل الحسن نام، حسرت تخلص۔ ضلع اناؤ قصبۂ موہان میں ۱۸۷۵ء کو پیدا ہوئے۔ فتح پور سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور وظیفہ حاصل کیا۔ علیگڑھ سے ۱۹۰۳ء میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اردوئے معلّی نکالا۔ سیاست اور شاعری

کرتے رہے ـــــ شاعری میں تسلیم لکھنوی کے شاگرد رہے۔ کئی دفعہ جیل گئے۔ جیل سے باہر زیادہ تر کانپور میں قیام کیا۔ بیباک تھے۔ ہمیشہ سچی بات غلط موقع پر کہنے کے عادی تھے۔ اس لئے نہ اپنوں کو خوش رکھ سکے نہ اغیار کو۔ شروع میں لیگ کے مخالف تھے اور اسے آغا خانی لیگ کہا کرتے تھے۔ تقسیم سے پہلے مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ پاکستان بنتے وقت قائداعظم سے اختلاف کیا۔ ہندوستان میں رہ گئے اور مسلمانوں کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی۔ وہیں ۱۳ مئی ۱۹۵۱ء میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

تصانیف: نظم میں کلیاتِ حسرت (مرتبہ بیگم حسرت) اور غزلیات کا انتخاب مع انگریزی ترجمہ (مرتب و مترجم جلیل قدوائی) شعر کا ذوق اچھا تھا۔ اردو شعراء کا سلسلہ وار انتخاب بعنوان انتخابِ سخن کیا جو کمیاب ہے۔ لیکن اب تک اس سے اچھا انتخاب کسی سے بن نہیں پڑا۔ اصولِ تنقید میں نکاتِ سخن آپ کا خاص کارنامہ ہے۔ پرنسپل عبدالشکور نے آپ پر پوری کتاب لکھی ہے۔ علاوہ ازیں ۱۹۵۲ء میں نگار نے حسرت نمبر بھی شائع کیا۔

اصغر ۔ وطن گورکھپور۔ لیکن والد زیادہ عرصہ گونڈہ میں رہے اس لئے گونڈوی کہلاتے ہیں۔ ۱۸۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ انٹرنس پاس نہ کر سکے۔ کچھ غزلیں امیراللہ تسلیم کو دکھائیں۔ بڑے زاہد تھے۔ قاضی عبدالغنی سے شرفِ بیعت بھی تھا۔ عرصے تک الہ آباد میں مقیم رہے۔ ہندوستانی اکیڈمی میں کام کیا۔ کچھ عرصہ لاہور میں مولانا تاجور کے ادارے میں بھی رہے۔ لیکن نبھ نہ سکی اس لئے دل برداشتہ ہو کر چلے گئے۔ ۱۹۳۶ء میں وفات پائی۔ تصانیف: سرودِ زندگی اور نشاطِ روح۔ ان پر پرنسپل عبدالشکور نے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

فانی ۔ شوکت علی خان نام۔ فانی تخلص۔ ۱۳ ستمبر ۱۸۷۹ء کو پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر اعجاز حسین ۱۳ دسمبر لکھتے ہیں جو غلط ہے۔ پہلی غزل ۱۸۹۰ء میں کہی۔ ۱۸۹۸ء تک شوکت تخلص کیا بعد کو فانی ہو گئے۔ ۱۹۰۱ء میں بی۔ اے اور ۱۹۰۸ء میں ایل۔ ایل۔ بی پاس کیا۔ ۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۵ء تک پورے گیارہ سال کوئی شعر نہیں کہا۔ ۱۹۲۳ء تک لکھنؤ میں وکالت کی۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۹ء تک حیدرآباد دکن میں صدر مدرس رہے۔ ۱۹۳۹ء میں بیکار ہو گئے۔ ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو وفات پائی۔ انتقال سے ایک برس پہلے اپنی تاریخِ وفات خود ہی کہی تھی۔

تصانیف: دیوانِ فانی (۱۹۲۰ء) باقیاتِ فانی (۱۹۲۶ء) عرفانیاتِ فانی (۱۹۳۹ء) وجدانیاتِ فانی (۱۹۴۰ء) کلیاتِ فانی (۱۹۴۶ء)

جگر ۔ نام: علی سکندر۔ وطن: مرادآباد۔ ولادت: ۱۸۹۰ء۔

تصانیف: داغِ جگر۔ دیوانِ جگر۔ شعلۂ طور۔

جگر پر ایک کتاب تبسم نظامی نے بھی لکھی۔

جوش ۔ نام: شبیر حسن خان۔ ولادت: ۱۸۹۶ء وطن: ملیح آباد۔ قیام: دہلی۔

تصانیف: روحِ ادب۔ نقش و نگار۔ شعلہ و شبنم۔ حرف و حکایت۔ جنون و حکمت۔ فکر و نشاط۔ آیات و نغمات۔ عرش و فرش۔ حسین اور انقلاب وغیرہ۔

فراق ۔ رگھوپتی سہائے نام۔ پیدائش ۱۸۹۶ء۔ مقامِ پیدائش: گورکھپور۔ تعلیم: ایم۔ اے۔ ملازمت: لیکچرار انگریزی الہ آباد یونیورسٹی۔ تصانیف: شعلۂ ساز۔ مشعل۔ اندازے۔ حاشیے۔ روپ وغیرہ۔

اثر لکھنوی ۔ نام: مرزا جعفر علی خان۔ ولادت: ۱۲ جولائی ۱۸۸۵ء بمقام لکھنؤ۔ ملازمت: جولائی ۱۹۴۰ء میں کلکٹر کے عہدے سے

پنشن لی۔ قیام لکھنؤ۔ تصانیف: اثرستان (سنہ ۱۹۲۴ء) بہاراں (سنہ ۱۹۳۹ء) اور منظوم تراجم کا مجموعہ بعنوان "رنگ بست"، مزامیر دو جلد انتخاب کلام میر۔ چھان بین۔ انیس کی مرثیہ نگاری۔ مطالعۂ غالب۔

سیماب - جمادی الثانی ۱۲۹۹ھ (۱۸۸۱ء) کی صبح کو اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ ۱۷ سال کی عمر میں کالج چھوڑا۔ ایف۔ اے تک تعلیم پائی۔ ۱۸۹۸ء میں داغ کے شاگرد ہوئے۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ رسائل کی ادارت بھی کرتے رہے۔ ۱۹۲۹ء سے ملازمت چھوڑ کر رہے ہیں علمی مشاغل میں معروف ہوئے۔ تقسیم کے بعد کراچی میں اٹھ آئے اور یہیں ۱۹۵۱ء میں وفات پائی۔ آپ کی تصانیف میں سازو آہنگ۔ سرودِ غم۔ نفیرِ غم۔ کارِ امروز اور دستور الاصلاح قابلِ ذکر ہیں۔

یگانہ - نام: وحید حسین۔ تخلص: یاس اور یگانہ۔ ولادت: عظیم آباد ۱۳۰۱ھ۔ قیام: آج کل لکھنؤ میں بڑے سخت بیمار ہیں۔
تصانیف: غالب شکن۔ چراغِ سخن۔ آیاتِ وجدانی۔ ترانہ اور گنجینہ۔

ملاّ۔ آنند نرائن - پیدائش: لکھنؤ محلہ رانی کٹرہ۔ اکتوبر ۱۹۰۱ء۔ پیشہ: وکالت (جو ۱۹۲۳ء میں شروع کی)
تصنیف: جوئے شیر

حفیظ - وطن: جالندھر۔ ولادت: بقول ڈاکٹر باقر ۱۸۹۹ء۔ لیکن حفیظ کا اپنا بیان ہے ۱۹۰۰ء۔
قیام: لاہور۔ سرکاری پنشن ۵۰۰ روپے ماہوار
تصانیف: سوز و ساز۔ نغمہ زار۔ ہفت پیکر۔ تلخابۂ شیریں۔ شاہنامۂ اسلام۔ پھول مالا۔ ہندوستان ہمارا۔ حفیظ کے گیت اور عمرو عیار۔

اختر شیرانی - داؤد خاں نام۔ حافظ محمود شیرانی (مرحوم) کے فرزند۔ ۱۹۰۵ء میں ریاست ٹونک میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۱ء میں اورینٹل کالج سے منشی فاضل پاس کیا۔ ۱۹۲۲ء میں ادیب فاضل ہوئے۔ پھر میٹرک پاس کیا۔ ۱۹۴۰ء میں جب ان کے والد ملازمت سے سبکدوش ہو کر وطن گئے۔ یہ بھی ان کے ساتھ چلے گئے تقسیم ملک کے بعد دوبارہ لاہور آئے۔ اور یہیں ۹ ستمبر ۱۹۴۸ء کو وفات پائی۔
ان کا کلام پھولوں کا گیت، سانیٹ کا مجموعہ نغمۂ حرم۔ صبحِ بہار۔ شہناز۔ اخترستان۔ طیورِ آوارہ۔ لالۂ طور۔ شہرہ ذکتاب منزل کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔ ایک نثر کا مجموعہ بھی ہے۔
حکیم نیر واسطی نے ایک کتاب "اختر و سلمیٰ" کے نام سے ان پر شائع کی جس کے ناشر ڈاکٹر عبداللہ چغتائی ہیں

تپش - عبداللطیف۔ ابوظفر حنیف لیکچرار چیفس کالج کے والد۔ ۲۹ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ وطن: لاہور۔ ایم اے تھے گورنمنٹ کالج پسرور اور پھر ایمرسن کالج ملتان میں رہے۔ تقسیم ملک سے بہت پہلے وفات پائی۔

احسان دانش - نام: احسان الحق۔ آبائی وطن: باغپت (میرٹھ) وطن: کاندھلہ (مظفر نگر)
تصانیف: شامِ زندگی۔ نوائے کارگر۔ چراغاں۔ آتشِ خاموش۔ نفیرِ فطرت۔ جادۂ نو۔ روشنیاں۔ طبقات وغیرہ۔

علی اختر حیدر آبادی - وطن: علی گڑھ۔ مقامِ پیدائش: ریاست رامپور۔ تاریخ پیدائش: ۱۳۱۱ھ۔ حیدر آباد دکن میں ۱۹۱۰ء سے ملازم ہیں۔ تصنیف: اسرار

محروم - تلوک چند۔ تعلیم: بی۔ اے۔ پیدائش: عیسیٰ خیل (میانوالی)۔ تاریخ پیدائش: ۱۸۸۵ء۔ ملازمت: ۱۹۴۲ء کو ہیڈ ماسٹری سے پنشن پائی۔ آج کل دہلی میں مقیم ہیں۔ تصانیف: گنجِ معانی۔ رباعیاتِ محروم وغیرہ۔

طلعت تاباں ۔ دلّی میں پروفیسر تھے۔ نظم اور غزل دونوں کہتے تھے۔ ادبی دنیا، چمن اور پنجاب کے دوسرے رسائل میں عموماً لکھا کرتے تھے۔ ۱۹۴۲ء کے سرکاری مشاعروں میں اپنے کلام کی وجہ سے خاصے مشہور ہوئے۔ تقسیم ملک سے پہلے وفات پائی۔

تاجور ۔ شمس العلماء احسان اللہ۔ نجیب آباد میں پیدا ہوئے۔ ہمایوں، ادبی دنیا اور شاہکار کی ادارت کرتے رہے۔ دیال سنگھ کالج میں فارسی اور اردو کے لیکچرار تھے۔ ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے۔ وطن ان کا نجیب آباد تھا۔ منشی فاضل اور مولوی فاضل تھے۔ شاعر بھی تھے، شاعر گر بھی تھے۔ حفیظ جالندھری سے معرکے رہے۔ نثر میں صاحب طرز تھے۔ کبھی کبھی علامہ ظریف کے فرضی نام سے بھی لکھتے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد ۱۲ جنوری ۱۹۵۱ء کو وفات پائی۔

سلام مچھلی شہری ۔ وطن: مچھلی شہر۔ تاریخ پیدائش: یکم جولائی ۱۹۲۳ء (غالباً)

تصانیف: میرے نغمے۔ وسعتیں۔

روش صدیقی ۔ نام: شاہد عزیز۔ وطن: جوالا پور (سہارنپور) پیدائش: ۱۰ جولائی ۱۹۱۱ء۔ مجموعۂ کلام ابھی تک نہیں چھپا۔

ادا بدایونی (جعفری) نام: عزیز جہاں۔ پیدائش: اگست ۱۹۲۴ء۔ مقام پیدائش: بریلی۔ قیام: لاہور

تصنیف: میں ساز ڈھونڈتی رہی۔

علی سکندر وجد ۔ ملازمت: منصف صدر عدالت حیدرآباد دکن۔ تصانیف: لہو ترنگ۔ انتخاب وجد۔

ظہیر کاشمیری ۔ نام: غلام دستگیر۔ مقام پیدائش: امرتسر۔ تاریخ پیدائش: ۱۹۲۰ء۔ تعلیم: بی اے۔ قیام: لاہور۔

یوسف ظفر ۔ نام: محمد یوسف (شیخ) وطن: گوجرانوالہ۔ مقام پیدائش: مری۔ تاریخ پیدائش: یکم دسمبر ۱۹۱۴ء۔ تعلیم: بی۔ اے۔

ملازمت: ریڈیو پاکستان راولپنڈی میں سکرپٹ رائٹر۔

تصانیف: زنداں۔ زہر خند۔ ریڈیو ڈراموں کا مجموعہ شہسوار۔

قیوم نظر ۔ نام: عبدالقیوم (بٹ)، وطن اور مقام پیدائش: لاہور۔ تاریخ پیدائش: مارچ ۱۹۱۴ء۔ تعلیم: ایم اے

ملازمت: لیکچرار اردو، گورنمنٹ کالج لاہور

تصانیف: قندیل۔ پون جھکولے۔ سویدا (زیر اشاعت)

مختار صدیقی ۔ نام: مختار الحق (صدیقی)، وطن: سیالکوٹ اور گوجرانوالہ

تاریخ پیدائش: یکم مارچ ۱۹۱۹ء۔ تعلیم: بی۔ اے

ملازمت: ریڈیو پاکستان راولپنڈی میں پروگرام اسسٹنٹ

مجموعۂ کلام (زیر اشاعت)

مجید امجد ۔ سال پیدائش: ۱۹۱۴ء۔ مقام پیدائش: جھنگ۔ تعلیم: بی۔ اے

ملازمت: راشننگ انسپکٹر۔ قیام: منٹگمری

انجم رومانی ۔ نام: فضل الدین انجم رومانی۔ مقام پیدائش: سلطان پور لودھی (کپورتھلہ) سال پیدائش: ۱۹۲۰ء

تعلیم: ایم۔ اے۔ ملازمت: صدر شعبۂ ریاضیات دیال سنگھ کالج لاہور

فیض : نام : فیض احمد - پیدائش : سیالکوٹ - سال پیدائش : ۱۹۱۱ء
تعلیم : ایم اے (انگریزی) ایم - اے (عربی)
ملازمت : پاکستان ٹائمز کے مدیر تھے - آجکل راولپنڈی مقدمہ سازش میں ماخوذ ہیں -
تصانیف : نقش فریادی - دست صبا - میزان (زیر طبع)

ن - م - راشد - نام : نذر محمد - پیدائش : اکال گڑھ (گوجرانوالہ)
تاریخ پیدائش : یکم اگست ۱۹۱۰ء - تعلیم : ایم - اے
ملازمت : ڈائرکٹر ریڈیو پاکستان - آجکل یو - این - او میں ریڈیو پاکستان کے نمائندے ہیں -
تصنیف : ماورا

مجاز - نام : اسرار الحق - وطن : پہلے ردولوی کہلاتے تھے، اب لکھنوی کہلاتے ہیں -
پیدائش : ۱۹۱۳ء - تعلیم : علی گڑھ سے بی - اے
تصانیف : آہنگ (اس کے بعد اسی کتاب کا ایک اور ایڈیشن نئے نام سے)

میراجی - نام : ثناء اللہ تھا - امین آباد (گوجرانوالہ) میں پیدا ہوئے - ۱۹۱۲ء ان کا سال پیدائش ہے - پہلے ادبی دنیا کے اسسٹنٹ ایڈیٹر رہے - پھر آل انڈیا ریڈیو دہلی میں ملازم ہوئے - بعد میں بمبئی چلے گئے اور اختر الایمان کے ساتھ مل کر "خیال" جاری کیا - ساتواں پرچہ پریس میں تھا کہ وفات پائی -
تصانیف : میراجی کی نظمیں - میراجی کے گیت - نگار خانہ - اس نظم میں اور سہ آتشہ (غیر مطبوعہ)

عدم - نام : سید عبدالحمید - مقام پیدائش : تلونڈی موسے خاں - تاریخ پیدائش : جون ۱۹۰۹ء
تعلیم : بی - اے - ملازمت : آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس میں -
تصانیف : نقش دوام - اس کے علاوہ ۵ اور مجموعے -

ندیم - احمد ندیم قاسمی - نام : احمد شاہ - مقام پیدائش : انگہ (سرگودھا) ، سال پیدائش : ۱۹۱۵ء
تعلیم : بی - اے - ملازمت : مدیر "امروز" لاہور
تصانیف : جلال و جمال - شعلۂ گل - رم جھم - چوپال - بگولے وغیرہ -

حسرت - چراغ حسن (کاشمیری) وطن : بیارہ (کشمیر) سن پیدائش : ۱۹۰۴ء
تصانیف : سرگزشت اسلام - پربت کی بیٹی - مطائبات - بغاوت عرب - پنجاب کا جغرافیہ - دو ڈاکٹر - کیلے کا چھلکا - قائد اعظم - کشمیر - مردم دیدہ -

تبسم - صوفی غلام مصطفےٰ - وطن : امرتسر - پیدائش : ۴ اگست ۱۸۹۹ء - تعلیم : ایم - اے بی ٹی
ملازمت : صدر شعبۂ فارسی گورنمنٹ کالج لاہور
تصانیف : جاہ و جلال (ترجمہ) - جھولنے -

تاثیر ۔ ڈاکٹر محمد دین نام ۔ تاثیر تخلص ۔ ۲۸ رفروری ۱۹۰۲ء کو پیدا ہوئے ۔ میاں امیرالدین کے رشتہ دار ہیں ۔ ایم اے کرنے کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں لیکچرار ہوئے ۔ علامہ عبداللہ یوسف علی پرنسپل سے اَن بن تھی ۔ انگلستان جا کر پی ۔ ایچ ۔ ڈی (انگریزی) کیا ۔ ایم اے ۔ او کالج امرتسر کے پرنسپل ہوئے ۔ کشمیر میں بھی رہے ۔ آزاد کشمیر میں ملازمت کی ۔ آخر میں اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل ہوئے اور ۱۹۵۱ء میں وفات پائی ۔

عابد ۔ رسید عابد علی ۔ وطن : لاہور ۔ پیدائش : ۱۷ ستمبر ۱۹۰۶ء ۔ تعلیم : ایم اے ایل ایل بی ۔

ملازمت : پرنسپل دیال سنگھ کالج لاہور ۔

تصانیف : حجاب زندگی اور دوسرے افسانے ۔ قسمت اور دوسرے افسانے ۔ طلسمات ۔ داستان (ترجمہ)

روپ متی باز بہادر ۔ شمع اور اوما (بنگالی سے ترجمہ)

اکبر ۔ جلال الدین ۔ وطن : علی وال (گورداسپور) پیدائش : ستمبر ۱۹۰۵ء

تعلیم : بی اے بی ٹی

ملازمت : ہیڈ ماسٹر وطن ہائی سکول لاہور ۔

تصنیف : نقشِ ارژنگ ۔

حفیظ (ہوشیار پوری) نام : عبدالحفیظ سلیم ۔ وطن : ہوشیار پور ۔ پیدائش : ۵ جنوری ۱۹۱۲ء

مقامِ پیدائش : دیوان پور (جھنگ) تعلیم : ایم اے ۔

ملازمت : ڈائرکٹر ریڈیو پاکستان کراچی

شاد عارفی ۔ نام : خان احمد علی ۔ سنِ پیدائش : ۱۹۰۳ء مقامِ پیدائش : لوہارو (ریاست)

قیام : رامپور (ریاست) جہاں ننھیال ہے ۔

تصنیف : 'سماج'

مقالہ نگار کے حالات :

وحید قریشی ۔ نام : عبدالوحید (قریشی) وطن : گوجرانوالہ ۔ جائے پیدائش : میانوالی

تاریخ پیدائش : ۱۴ رفروری ۱۹۲۵ء ۔ تعلیم : ایم اے پی ایچ ڈی ۔

ملازمت : لیکچرار اسلامیہ کالج گوجرانوالہ

تصانیف : شبلی کی حیاتِ معاشقہ ۔ مقدمۂ شعر و شاعری ۔ مثنوی سحرالبیان (زیر طبع)

اردو تنقید (دو جلدوں میں) (زیر طبع) انتخاب سودا (زیر ترتیب) جدید اردو شاعری (زیر ترتیب)

(شعرا کی ترتیب میں کوئی اصول پیشِ نظر نہ تھا ۔ حالات جس ترتیب سے لکھے گئے ہیں ، اسی طرح درج کر دیئے گئے)

شعرائے کے مختصر حالات کا خاکہ

(جس ترتیب سے اس نمبر میں آئے ہیں)

تخلص	نام	پیدائش	انتقال	تلمیذ	تصریحات
ولی دکنی	محمد ولی اللہ	تقریباً ۱۰۷۹ھ	۴ شعبان ۱۱۱۹ھ	سعد اللہ گلشن	تذکرۂ گلِ رعنا میں سالِ رحلت تقریباً ۱۱۵۵ھ درج ہے۔
میر تقی میر	محمد تقی	۱۱۳۷ھ	۲۰ شعبان ۱۲۲۵ھ	خان آرزو	
سودا	محمد رفیع	۱۱۲۵ھ	۴ رجب ۱۱۹۵ھ	شاہ حاتم	
درد	خواجہ میر	تقریباً ۱۱۳۱ھ	۲۴ صفر ۱۱۹۹ھ		
مصحفی	غلام ہمدانی	تقریباً ۱۱۶۱ھ	۱۲۴۰ھ	[illegible]	ڈاکٹر سر راس مسعود کے نزدیک تاریخ وفات ۳ جنوری ۱۸۲۵ء مطابق ۱۲۴۰ھ ہے
میر حسن	میر غلام الحسن		۱۲۰۱ھ	ضیاء	
جرأت	شیخ قلندر بخش		۱۲۶۳ھ	جعفر علی حسرت	ڈاکٹر سر راس مسعود سن وفات ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء بتاتے ہیں
انشاء	سید انشاء اللہ خاں	۱۱۵۶ یا ۱۱۵۷ھ	۱۲۳۳ھ		بقول ڈاکٹر سر راس مسعود کے سن وفات ۱۸۱۸ء مطابق ۱۲۳۳ھ ہے۔ گلِ رعنا میں ۱۲۳۵ھ سالِ وفات لکھا ہے۔
نظیر اکبر آبادی	سید ولی محمد	بقول مرزا فرحت اللہ بیگ ۱۱۵۰ھ	۲۶ صفر ۱۲۴۶ھ		تذکرۂ سخن شعراء میں انہیں مصحفی کا شاگرد لکھا ہے۔ بقول مفتی انتظام اللہ سالِ پیدائش ۱۱۴۸ھ ہے
غالب	اسد اللہ خاں	۸ رجب ۱۲۱۲ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء	۲ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء		
مومن	محمد مومن	۱۲۱۵ھ	۱۲۶۸ھ	شاہ نصیر	ڈاکٹر سر راس مسعود نے سن پیدائش ۱۲۲۲ھ مطابق ۱۸۰۷ء لکھا ہے۔
ذوق	محمد ابراہیم	۱۱ ذی الحجہ ۱۲۰۴ھ	۲۴ صفر ۱۲۷۱ھ	شاہ نصیر	
بہادر شاہ ظفر	ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ	۱۱۰۳ھ	۱۲۷۹ھ	ذوق	ڈاکٹر سر راس مسعود نے پیدائش ۱۲۰۳ھ اور وفات ۱۲۷۵ھ میں بتائی ہے
شیفتہ	محمد مصطفیٰ خاں	۱۲۲۱ھ	۱۲۸۶ھ	مومن و غالب	ڈاکٹر سر راس مسعود تاریخ پیدائش ۲۴ اکتوبر ۱۸۰۵ء مطابق ۲۸ شعبان ۱۲۲۰ھ اور تاریخ وفات [illegible] ۱۸۶۹ء مطابق ۱۲۸۶ھ بتاتے ہیں
ناسخ	شیخ امام بخش		۱۲۵۴ھ		
آتش	خواجہ حیدر علی	۱۱۸۱ھ	۱۲۶۳ھ	مصحفی	سخن شعراء میں محمد عیسیٰ تنہا کا شاگرد لکھا ہے۔
امیر مینائی	امیر احمد	۱۶ شعبان ۱۲۴۴ھ	۱۹ جمادی الآخر ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ء	اسیر لکھنوی	
داغ	نواب مرزا خان	۱۲ ذی الحجہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء	۹ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۵ء)	ذوق	
حالی	خواجہ الطاف حسین	۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء	۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء	شیفتہ و غالب	
اکبر الہ آبادی	سید اکبر حسین	۱۶ نومبر ۱۸۴۶ء	۱۱ ستمبر ۱۹۲۱ء	وحید الہ آبادی	
شاد عظیم آبادی	سید علی محمد	جنوری ۱۸۴۶ء	جنوری ۱۹۲۷ء	فریاد عظیم آبادی	
ریاض خیر آبادی	ریاض احمد	بقول طفیل احمد جعفری ۱۲۶۹ھ	۲۸ جولائی ۱۹۳۴ء (۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ)	امیر مینائی	بقول ڈاکٹر اعجاز حسین سن پیدائش ۱۲۷۱ھ ہے
آزاد انصاری	الطاف احمد	۲۷ رجب ۱۲۸۸ھ	۱۹۴۱ء	حالی	
آرزو لکھنوی	سید انوار حسین	۱۲۸۹ھ	۱۹۵۳ء	جلال لکھنوی	
اقبال	محمد اقبال	۱۸۷۷ء	۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء	داغ	
حسرت موہانی	سید فضل الحسن	۱۸۷۵ء	۱۳ مئی ۱۹۵۱ء	تسلیم لکھنوی	
اصغر گونڈوی	سید اصغر حسین	۱۸۸۴ء	۱۹۳۶ء	امیر اللہ تسلیم	
فانی بدایونی	شوکت علی خاں	۱۳ ستمبر ۱۸۷۹ء	۲۶ اگست ۱۹۴۱ء		ڈاکٹر سر راس مسعود نے سن پیدائش ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۹ء لکھا ہے
جگر مراد آبادی	علی سکندر	۱۸۹۰ء		رسا رامپوری	
جوش ملیح آبادی	شبیر حسن خان	۱۸۹۶ء		عزیز لکھنوی	
فراق گورکھپوری	رگھوپتی سہائے	۱۸۹۶ء		وسیم خیر آبادی	
اثر لکھنوی	مرزا جعفر علی خاں	۱۲ جولائی ۱۸۸۵ء		عزیز لکھنوی	
یگانہ	واجد حسین	۱۳۰۲ھ		بیتاب عظیم آبادی	

تخلص	نام	پیدائش	انتقال	تلمیذ	تصریحات
سیماب	سید عاشق حسین	۱۲۹۷ھ مطابق سنہ ۱۸۸۰ء	سنہ ۱۹۵۱ء	تلمیذ داغ	
حفیظ جالندھری	عبدالحفیظ	سنہ ۱۹۰۰ء		گرامی	
			(۲)		
فیض	فیض احمد	سنہ ۱۹۱۱ء			
اختر شیرانی	داؤد خان	سنہ ۱۹۰۵ء	۹ ستمبر سنہ ۱۹۴۸ء		
تاثیر	محمد دین	۲۸ فروری سنہ ۱۹۰۲ء	سنہ ۱۹۵۱ء		
عابد	عابد علی	۱۷ ستمبر سنہ ۱۹۰۶ء			
حیرت	چراغ حسن	سنہ ۱۹۰۴ء			
تبسم	غلام مصطفےٰ	۴ اگست سنہ ۱۸۹۹ء		قاضی محمد زکی صاحب کاندھلوی	
احسان دانش	احسان الحق	سنہ ۱۹۱۴ء			
شاد عارفی	خان احمد علی	سنہ ۱۹۱۳ء			
مجاز	اسرار الحق	سنہ ۱۹۱۳ء			
ندیم	احمد شاہ	سنہ ۱۹۱۵ء			
عدم	عبدالمجید	جون سنہ ۱۹۰۹ء			
ظہیر کاشمیری	غلام دستگیر	سنہ ۱۹۲۰ء			
			(۳)		
سراج دکنی	سید سراج الدین	سنہ ۱۱۲۶ھ	سنہ ۱۱۷۷ھ		
آبرو	نجم الدین شاہ مبارک			خان آرزو	پچپن سال کی عمر میں سنہ ۱۱۶۱ھ سے پیشتر انتقال کر گئے مصحفی صاحب وفات سنہ ۱۱۹۶ھ بتاتے ہیں
حاتم	شیخ ظہور الدین عرف شاہ حاتم	سنہ ۱۱۱۱ھ	رمضان سنہ ۱۱۹۷ھ		
فغاں	اشرف علی خان	تقریباً سنہ ۱۱۴۰ھ	سنہ ۱۱۸۶ھ	علی قلی ندیم	
مظہر	شمس الدین جان جاناں	۱۱ رمضان سنہ ۱۱۱۱ھ	۱۰ محرم سنہ ھ		
میر سوز	سید محمد	تقریباً سنہ ۱۱۳۲ھ	سنہ ۱۲۱۳ھ		ڈاکٹر سر راس مسعود نے سن وفات سنہ ۱۲۱۳ھ ۹-۱۷۹۸ء لکھا گل رعنا میں ہے: سنہ ۱۲۱۰ھ میں رام پور میں انتقال کیا
قائم	محمد قیام الدین		سنہ ۱۲۰۸ھ	درد اور سودا	
یقین	انعام اللہ خان		سنہ ۱۱۶۹ھ	مرزا مظہر جان جاناں	
بیان	خواجہ احسن اللہ		سنہ ۱۲۱۳ھ	مرزا مظہر جان جاناں	
ہدایت	حکیم ہدایت اللہ خان		سنہ ۱۲۱۵ھ	درد	
بیدار	میر محمد علی عرف میر محمدی	تقریباً سنہ ۱۱۴۵ھ	سنہ ۱۲۰۹ھ	مرتضیٰ قلی خان فراق	
تاباں	میر عبدالحی		سنہ ۱۱۷۱ھ	محمد علی حشمت	
اثر	میر محمد			خواجہ میر درد	خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی تھے سنہ ۱۲۰۵ھ سے پہلے فوت ہوئے گل رعنا میں سنہ وفات سنہ ۱۲۱۰ھ لکھا ہے
حسرت	جعفر علی		سنہ ۱۲۰۰ھ	سرب سنگھ دیوانہ	
رنگین	سعادت یار خان	تقریباً سنہ ۱۱۷۱ھ	جمادی الثانی سنہ ۱۲۵۱ھ	شاہ حاتم	
نصیر	شاہ نصیر الدین عرف میاں کلو		سنہ ۱۲۵۴ھ	میر محمدی مائل	
ممنون	میر نظام الدین		سنہ ۱۲۵۷ھ مطابق سنہ ۱۸۴۱ء		سخن شعراء میں سن وفات سنہ ۱۲۶۰ھ لکھا ہے اور گل رعنا سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے
شہیدی	کرامت علی		سنہ ۱۲۵۲ھ مطابق سنہ ۱۸۳۶ء	مصحفی اور شاہ نصیر	گل رعنا میں تاریخ وفات ۴ صفر سنہ ۱۲۵۶ھ درج
وزیر لکھنوی	محمد وزیر		۲۲ ذیقعدہ سنہ ۱۲۷۰ھ	ناسخ	ڈاکٹر سر راس مسعود ان کا سن وفات سنہ ۱۲۷۲ھ سنہ ۱۸۵۵ء بتاتے ہیں
صبا لکھنوی	میر وزیر علی		سنہ ۱۲۷۱ھ	آتش	
نسیم لکھنوی	دیا شنکر		سنہ ۱۸۶۰ء	آتش	
رند لکھنوی	سید محمد خان	۱۱ ربیع الاول سنہ ۱۲۱۳ھ	سنہ ۱۸۵۷ء	آتش	
نسیم دہلوی	نواب مرزا اصغر علی خان		۱۴ رمضان سنہ ۱۲۸۲ھ	مومن	ڈاکٹر سر راس مسعود نے ان کا سن وفات ۹ مطابق سنہ ۱۸۶۲ء لکھا ہے۔

تخلص	نام	پیدائش	انتقال	تلمیذ	تصریحات
ظہیر دہلوی	ظہیر الدین		۱۹۱۱ء	ذوق	
سالک	مرزا قربان علی بیگ		۱۲۹۱ھ	مومن و غالب	
مجروح	میر مہدی		۱۹۰۲ء	غالب	
جلال لکھنوی	سید ضامن علی	۱۲۵۰ھ	۱۳۲۵ھ	برق و رشک	
تسلیم لکھنوی	شیخ امیر اللہ	۱۸۲۰ء	۱۹۱۱ء	نسیم لکھنوی	
صابر دہلوی	مرزا آغا [illegible]			امام بخش صہبائی	
نظام رامپوری	سید نظام علی شاہ		۲۵ شعبان ۱۲۸۹ھ ۱۸۷۲ء	شیخ علی بخش بیمار	
بیان یزدانی میرٹھی	سید مرتضیٰ		۱۹۰۰ء	احمد حسن فرقانی	
حفیظ جونپوری	محمد علی			امیر مینائی	
بیخود بدایونی	مولوی عبد الحی	۱۸۵۷ء	۱۹۱۲ء	حالی و داغ	
چکبست	برج نرائن	۱۸۸۲ء	۱۲ فروری ۱۹۲۶ء		
نظم طباطبائی	علی حیدر	۱۶ محرم ۱۲۶۹ھ	۱۹۳۳ء	افضل	ڈاکٹر سراس مسعود نے تاریخ پیدائش ۳۰ محرم ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۵۴ء بتائی ہے
سلیم	وحید الدین				مولانا حالی کے قریبی عزیز ہیں
ثاقب لکھنوی	مرزا ذاکر حسین	۱۹ رمضان ۱۲۸۵ھ			
مضطر خیرآبادی	سید افتخار حسین	۱۸۶۵ء	۱۳۴۵ھ	امیر مینائی	
شبلی نعمانی	محمد شبلی	۱۸۵۷ء	۱۹۱۹ء		
حسن بریلوی	حسن رضا خاں	۱۲۷۶ھ	۱۳۲۶ھ	داغ	
نسیم بھرتپوری	شبیر حسین	۱۲۷۸ھ	۱۳۲۷ھ	داغ	
بیخود دہلوی	سید وحید الدین	۳۰ رمضان ۱۲۷۹ھ		داغ	
ساحر دہلوی	امرناتھ	۲۹ مارچ ۱۸۶۳ء	۱۹۴۲ء	عبد الحلیم عاصی	
سائل دہلوی	سراج الدین احمد خاں	۱۲۸۱ھ	۱۵ ستمبر ۱۹۴۵ء	داغ	
صفی لکھنوی	علی نقی	۱۸۶۲ء	۱۹۵۰ء		
ناطق لکھنوی	حمید احمد	۱۸۷۸ء			
عزیز لکھنوی	مرزا محمد ہادی	۱۲۸۲ھ	۱۹۳۵ء	صفی	ڈاکٹر سراس مسعود نے سالِ ولادت ۱۳۰۱ھ لکھا ہے
جلیل مانک پوری	جلیل حسن	۱۲۸۳ھ		امیر مینائی	ڈاکٹر سراس مسعود کے نزدیک سالِ ولادت تقریباً ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء ہے
احسن مارہروی	حافظ علی احسن	۱۸۷۵ء		داغ	
نوح ناروی	محمد نوح	یکم شوال ۱۲۹۶ھ		داغ	
کیفی دتاتریہ دہلوی	برج موہن	۱۳ دسمبر ۱۸۶۶ء			
دل شاہجہانپوری	سید ضمیر حسین			امیر مینائی	
وحشت کلکتوی	رضا علی	۱۸ نومبر ۱۸۸۱ء			
آسی الدنی	عبد الباری	۱۸۹۳ء		ناطق گلاؤٹھوی	
تاجور نجیب آبادی	احسان اللہ	۱۸۹۴ء	۳۰ جنوری ۱۹۵۱ء		
تپش	عبد اللطیف	۲۹ اکتوبر ۱۸۹۵ء			
ظفر تاباں	ظفر احمد		۱۹۴۴ء		
علی اختر حیدرآبادی	علی اختر	۱۳۱۱ھ			
محروم	تلوک چند	۱۸۸۷ء			
ملا	آنند نرائن	اکتوبر ۱۹۰۱ء			
روش صدیقی	شاہد عزیز	۱۰ جولائی ۱۹۱۱ء		طفیل احمد شاہد	
میراجی	ثناء اللہ	۱۹۱۲ء			
اکبر	جلال الدین	ستمبر ۱۹۰۵ء			
حماد صدیقی	حماد الحق	یکم مارچ ۱۹۱۹ء			
یوسف ظفر	محمد یوسف	یکم دسمبر ۱۹۱۴ء			

تخلص	نام	پیدائش	انتقال	تلمیذ	تصریحات
انجمن ہمدمان قدیم لطیف	فضل الدین / عبدالقیوم بٹ	۱۹۲۰ء / مارچ ۱۹۱۴ء			
			(۴)		
آفتاب	شاہ عالم بادشاہ		۱۲۲۱ھ		
آرزو	سراج الدین علی خاں		۱۱۶۹ھ		
آصف	نواب میرزا آصف الدولہ یحییٰ خاں		۲۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ		
آشفتہ	مرزا رضا قلی			میر سوز	۱۲۱۵ھ میں کلکتہ میں تھے
آشفتہ	کلورے خاں			ناثق	۱۲۲۱ھ میں زندہ تھے
امیر	نواب محمد یار خان		[illegible]	قائم	
اسد	میرزا مانی			سودا	شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں لکھنؤ کی راہ میں رہزنوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔
احسن	مرزا حسن علی			سودا و ضیا	
انجام	عمدۃ الملک امیر خان		۱۱۶۹ھ	مرزا بیدل	بعض تذکروں میں سن وفات ۱۱۵۹ھ ہے جو صحیح ہے: خسرو سیر کے ۱۱۵۹ھ میں ایک شخص نے ایوان شاہی میں ان کو قتل کردیا۔
امید	قزلباش خان		۱۱۵۹ھ	مرزا طاہر وحید	
اشتیاق	ولی اللہ سرہندی		۱۱۶۱ھ		
الم	صاحب میر			درد	۱۲۲۱ھ میں زندہ تھے خواجہ میر درد کے صاحبزادے۔
مانی	میر مانی		۱۱۸۴ھ		
امین	خواجہ امین الدین			بلاس رائے اخلاص	۱۱۹۴ھ میں کچھ سال سے نواب میر محمد رضا خان مظفر جنگ کی ملازمت میں تھے۔
افسوس	میر شیر علی		۱۸۰۹ء	میر حیدر علی حیران	
امانت لکھنوی	سید آغا حسن	۱۲۳۱ھ	۲۰ جمادی الاول ۱۲۷۵ھ	دلگیر لکھنوی	
آزردہ	مفتی صدر الدین	۱۲۰۴ھ	۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء	میر نظام الدین ممنون	
اختر	نواب واجد علی شاہ		۱۸۸۷ء		
ارشد	میرزا احمد الغنی گورگانی		۱۲ فروری ۱۹۰۶ء	مرزا قادر بخش صابر	
احسان شاہجہانپوری	منشی احسان علی	۱۸۵۸ء	۱۹۱۴ء	جلال لکھنوی	
اسمٰعیل میرٹھی	محمد اسمٰعیل	۱۲ نومبر ۱۸۴۴ء	یکم نومبر ۱۹۱۷ء		
اثر	امداد امام	۱۷ اگست ۱۸۴۹ء			
بقا	شیخ بقاءاللہ		۱۲۰۶ھ	مرزا فاخر مکین	مصحفی کی روایت کے مطابق ۱۲۰۹ھ میں زندہ تھے
برق لکھنوی	مرزا محمد رضا		۲۸ صفر ۱۲۷۳ھ	ناسخ	
عملی	میاں حاجی			میر	میر تقی میر کے بھانجے تھے
تنہا	محمد عیسیٰ			مصحفی	ان کی عمر ۲۷ سال کی ہوگی (تذکرۂ مصحفی)
تسلی	لالہ ٹیکا رام			متین	
تسکین	میر حسین	۱۲۱۸ھ	۱۲۶۸ھ	مومن	
تشنہ	محمد علی			ذوق و عیش	
ثاقب	نواب شہاب الدین احمد خان		۱۸۶۹ء	غالب	سائل دہلوی کے والد تھے۔
جہان	مرزا نعیم بیگ			مصحفی	مرزا سلیمان شکوہ کی ملازمت میں تھے۔
جوشش	شیخ محمد روشن				۱۱۹۴ھ میں اپنے دیوان کا انتخاب علی ابراہیم کے پاس بھیجا
حیران	میر حیدر علی			رائے سرب سکھ دیوانہ	۱۲۱۵ھ میں لکھنؤ میں سواروں کے ایک دستے کے سردار تھے بہار میں مار ڈالے گئے
حزیں	میر محمد باقر			مرزا مظہر جان جاناں	
حیا	مرزا رحیم الدین	۱۲۲۱ھ	۱۳۰۴ھ	شاہ نصیر و ذوق	
حسامی	حسام الدین حیدر	۱۲۴۰ھ		خدا بخش تسخیر	

تخلص	نام	پیدائش	انتقال	تلمیذ	تصریحات
[illegible]	سید صادق علی	تقریباً ۱۲۹۰ھ			
خاکسار	محمد یار			مرزا مظہر جان جاناں	
خلیق	میر مستحسن			مصحفی	میر حسن کے بیٹے تھے۔
دیوانہ	مہاراجہ سرب سکھ		۱۲۰۶ھ		
رشکی	نواب محمد علی خان			غالب	نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے صاحبزادے تھے
رخشاں	نواب ضیاء الدین احمد خان		۱۸۸۳ء	غالب	
[illegible]	مولوی عبدالرحمن		۱۳۲۵ھ	مولوی محمد حسین فقیر	
راقم	خواجہ قمر الدین		۱۹۰۹ء	غالب	
ذکی	نواب محمد زکریا خان	۱۸۳۹ء	۱۹۰۳ء	غالب	
سجاد	میر سجاد اکبر آبادی			آبرو	۱۱۶۰ھ میں جوان تھے
سلیمان	نواب مرزا محمد سلیمان شکوہ		۱۲۵۳ھ	شاہ حاتم	
شفق [illegible]	احمد علی خان	تقریباً ۱۸۵۳ء	۲۷ اپریل ۱۹۲۹ء	اسیر	
شرر	مولانا عبدالحلیم	۱۸۶۰ء		نظم طباطبائی	
شاد	مہاراجہ کشن پرشاد	۱۸۶۲ء		آصف	
شیدا	مسیح الملک حکیم اجمل خان	۷ شوال ۱۲۸۴ھ	۱۹۲۷ء		
صہبا	لالہ کانجی مل			مصحفی	پچیس برس کی عمر میں انتقال کیا
صفیر بلگرامی	سید فرزند احمد			تحبر بلگرامی	معاصر ناسخ
صنعت الٰہ آبادی	شیخ کریم الدین		۱۲۶۵ھ	مولوی قدرت اللہ شوق	
ضیاء	میر ضیاء الدین		۱۱۹۴ھ		
طاہر فرخ آبادی	سید اطہر علی			امداد حسین صفیر	
عاجز	عارف الدین خان				
عشق عظیم آبادی	شاہ گھسیٹا		۱۲۰۳ھ		معاصر سودا
عارف	حکیم نواب جان خان		۱۹۲۳ء	سالک	
عظیم	مرزا عظیم بیگ		۱۲۲۱ھ	حاتم و سودا	
عبرت [illegible]	اکبر حسین				
فراق	ثناء اللہ			درد	ہدایت کے بھتیجے تھے
فقیر	میر شمس الدین		۱۱۸۰ھ		لب السیر مصنفہ ابو طالب کی رو سے ان کی موت ۱۱۸۱ھ میں ہوئی۔ حدائق البلاغت کے مصنف ہیں۔
قدسی لاہوری	(نو مسلم)			صابر علی شاہ صابر	پچاس سے زیادہ عمر پاکر انتقال کیا۔
قدرت	شاہ قدرت اللہ		۱۲۰۵ھ	مرزا مظہر جان جاناں	میر شمس الدین فقیر کے عزیز تھے
قلق	آفتاب الدولہ لکھنوی		۱۸۸۰ء	وزیر لکھنوی	
قدر بلگرامی	سید غلام حسین	۱۲۴۹ھ	۱۳۰۱ھ	امداد علی بحر	
کمال	شاہ کمال الدین			جرأت و قائم	
گویا	نواب فقیر محمد خان		۱۲۶۶ھ	خواجہ وزیر	
گستاخ رامپوری	کرامت اللہ خان	۱۸۶۲ء	۱۹۱۴ء	امیر مینائی	
محنت	مرزا حسین علی			جرأت	
مائل	مرزا محمد یار بیگ			جرأت	
مقتول	مرزا ابراہیم بیگ			مصحفی	
منت	میر قمر الدین		۱۲۰۸ھ	قائم	
محب	شیخ ولی اللہ			سودا	
منظر	میاں نور الاسلام			مصحفی	
[illegible]	صغیر علی			جرأت	۱۱۹۶ھ میں رامپور میں تھے
[illegible]	حاتم علی		۱۸۶۳ء	ناسخ	
معروف	مرزا الٰہی بخش		۱۲۴۲ھ	شاہ نصیر	
منیر	سید اسمٰعیل حسین	۱۲۳۵ھ	۱۲۹۸ھ	آتش	

تخلص	نام	پیدائش	انتقال	تلمیذ	تصریحات
مضطر دہلوی	حکیم اسد علی خان				
محوی لکھنوی	مولوی محمد حسین				
نثار	محمد امان			شاہ حاتم	ان کے بزرگوں نے دلی کی جامع مسجد تیار کی تھی
نیاز	شاہ نیاز بریلوی	تقریباً ۱۱۴۳ھ	۱۲۵۰ھ		
نوا	ظہور اللہ خان			بقاء اللہ خان بقا	
ناظم	نواب یوسف علی خان		۲۱ اپریل ۱۸۶۵ء ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۸۲ھ	مومن و غالب	گل رعنا میں ہے ۱۲۸۲ھ میں وفات پائی
نظر لکھنوی	نوبت رائے		۱۰ اپریل ۱۹۲۳ء	آغا مظہر لکھنوی	
ندرت میرٹھی	شعیب احمد				معاصر سودا۔ ۱۱۹۴ھ میں لکھنؤ میں رہتے تھے
واقف	شاہ واقف				
ولا	مظہر علی خان			نظام الدین ممنون	
وفا رامپوری	حکیم عبدالہادی خان	تقریباً ۱۲۸۲ھ	۱۳۴۲ھ	داغ و امیر	
ہادی	میر محمد جواد		۱۲۱۵ھ		غازی الدین خان کے لشکر کے کرتال تھے
ہدایت	شیخ ہدایت اللہ		۱۲۱۵ھ	درد	سو برس سے زیادہ عمر پائی
ہاشمی	میر ہاشم			سودا	
ہجر شاہجہانپوری	نواب ناظم علی خان			داغ	
ہوس	نواب مرزا محمد تقی			مصحفی	
			(۵)		
انیس	میر ببر علی	تقریباً ۱۲۲۰ھ	۱۲۹۲ھ	میر مستحسن خلیق	
رشک	میر علی اوسط		۱۲۸۴ھ	ناسخ	
اسیر	میر مظفر علی		۱۲۹۹ھ	مصحفی	
بحر	شیخ امداد علی	تقریباً ۱۲۲۵ھ	۱۳۰۰ھ	ناسخ	
			(۶)		
چندا	مہ لقا			شیر محمد خان ایمان	
ادا بدایونی	تنویر جہاں	اگست ۱۹۲۴ء			
زہرہ نگاہ					
اختر	نواب اختر محل				خاندان تیموریہ سے تھیں اور ۱۲۹۲ھ تک بقید حیات تھیں
شیریں	نواب شاہجہاں بیگم والیہ بھوپال	۱۲۵۴ھ			اردو کا پہلا دیوان ۱۲۸۸ھ میں چھپا
نزاکت	رجو				نارنول کی رہنے والی اور نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کی محبوبہ
عالم	نواب بادشاہ محل				واجد علی شاہ کی بیگم، ایک مثنوی اور ایک دیوان یادگار چھوڑا
مشتری	قمرن جان لکھنوی			آغا علی شمس	اصل وطن خیرآباد لیکن چوک لکھنؤ میں رہتی تھیں
زہرہ	امراؤ جان			″	قمرن جان کی چھوٹی بہن تھیں
نازک	زینت بیگم				بقول مصحفی اسے میر مستحسن خلیق سے محبت تھی
موتی	موتی جان				دلی کی رہنے والی اور مرزا ابراہیم بیگ کی محبوبہ تھیں
شیریں	بیگا جان			امداد علی بحر	اوّل اوّل میر مہدی اسیر سے مشورۂ سخن کیا
لطیف	محمدی جان				
ناز	نور جہاں				آگرہ کی رہنے والی تھیں ۱۸۸۳ء میں زندہ تھیں
عروج	شہزادی جان			سید الطاف حسین فریاد، مرزا مہدی	بنارس کی رہنے والی تھیں۔ مرزاپور میں انتقال ہوا۔
شباب	حسین باندی				
دلبر	امراؤ جان				کانپور کی رہنے والی تھیں

مطبوعات

ادارۂ فروغِ اُردو لاہور

اندازے

فراق گورکھپوری

موجودہ دور میں فراق ہی کی شخصیت ایسی ہے جنہیں بیک وقت ایک ممتاز شاعر اور نقاد کی حیثیت میں پیش کیا جا سکتا ہے اور اندازے ان کی ایک ایسی معرکۃ الآرا تصنیف ہے جس نے انہیں نقاد کی حیثیت سے دوامی شہرت بخشی اگر یہ کہا جائے کہ اُردو تنقید میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے تو یہ غلط نہ ہوگا اب یہ کتاب کئی اہم مضامین کے اضافے کیساتھ شائع کی جا رہی ہے۔ جو اس کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ کا باعث ہوں گے۔ (زیرِ طبع)

غزالہ	شوکت تھانوی	۶/-	بقراط	شوکت تھانوی	۲/۸	جان عالم	شرر	۲/۴
سلسال	"	۲/۴	خدانخواستہ	"	۳/-/-	پانچ ناولٹ	وقار عظیم	۳/-/-
جوڑ توڑ	"	۴/-	مضامین شوکت	"	۳/-/-	پندرہ اگست	رشید اختر ندوی	۳/-/-
کارٹون	"	۳/۸	قاضی جی (مکمل)	"	۷/-/-	امراؤ جان ادا	رسوا	۲/۸
						بری بات	انتصار حسین	۲/-/-
کتیا	"	۲/۸	تلخ ترش شیریں	منٹو	۲/-/-	رخسانہ	حبیب اشعر	۲/-/-
سودیشی ریل	"	۳/-	آبلے	احمد ندیم قاسمی	۳/-/-	تاملات نیاز	نیاز فتحپوری	۲/۸/-

ہماری داستانیں سید وقار عظیم } فاضل مصنف نے اردو کی مشہور مشہور داستانوں پر ایسے دلچسپ اور کارآمد مضامین لکھے ہیں جو اُردو ادب میں قابل احترام جگہ حاصل کریں گے۔ اردو میں اس موضوع پر کوئی قابلِ ذکر کتاب نہ تھی۔ جو اس اہم ضرورت کو احسن انداز میں پورا کرتی "ہماری داستانیں" کے تمام مضامین انتہائی دلچسپ اور تاریخی مواد کے حامل ہونے کے علاوہ وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتے ہیں (زیرِ طبع)

مینجر ادارہ فروغ اُردو۔ ایبک روڈ انار کلی لاہور